مولانا ظفر علی خاں

احوال و آثار

از

ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی

www.KitaboSunnat.com

مجلسِ ترقیِ ادب

کلب روڈ - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

۱۸۷۵ع برصغیر پاک و ہند کی مسلم تاریخ میں ایک اہم سال تھا جب سرسید مرحوم کے ذریعے مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھی گئی ، اور ان کی پر خلوص کوشش کے نتیجے میں نئی نسل کو جدید تعلیم کے تقاضوں سے آگاہ کرنے کے لیے ایک مدرسہ کے قیام نے تدریجاً عملی شکل اختیار کی ۔ سرسید نے اپنی آنکھوں سے اس نسل کو تعلیم حاصل کرتے ، کامیاب ہوتے اور درخشاں مستقبل لے کر نکلتے دیکھ لیا ۔ جب وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ان کی سفید ڈاڑھی آنسوؤں میں تر ہو جاتی تھی اور وہ با دیدۂ پر نم خدا کی بارگاہ میں یوں ملتجی ہوتے کہ ''خدایا ! مسلمانوں کو زندہ رہنے اور با عزت زندگی بسر کرنے کی صلاحیت فرما ۔'' اس طرح کتنے ہی فرزندان علی گڑھ اس دانشکدہ سے نکلے اور انھوں نے معاشی اور معاشرتی سرگرمیوں میں مصروف ہو کر ایک با عزت زندگی بسر کی لیکن علی گڑھ کی یادوں سے اپنے دل کے چراغ ہمیشہ روشن رکھے ۔

ان فرزندان علی گڑھ میں ایک نامور جوان خداداد خان المعروف بہ ظفر علی خاں بھی اپنی خداداد صلاحیتوں کے ساتھ سرسید کی زیر نگرانی اور علامہ شبلی کے زیر تربیت ۱۸۹۵ع میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بی ۔ اے کی ڈگری لے کر نکلا ۔ وہ ایک با حوصلہ ، پر عزم اور با ہمت انسان تھا جو ارادے کا پکا اور دھن کا سچا تھا ۔ رعد کی طرح گرجنے والا ، برق کی طرح کوندنے والا اور ساون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ظفر علی خاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ظفر علی خاں

احوال و آثار

از

ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی

مجلسِ ترقّیِ ادب

کلب روڈ ۔ لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : جون ۱۹۸۶ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی

ناظمِ مجلسِ ترقیِ ادب ، لاہور

مطبع : عظیم پرنٹنگ کارپوریشن ، ٹمپل روڈ ، لاہور

طابع : سید محمد علی انجم رضوی

قیمت : ~~روپے~~

مجلس ترقی ادب

قیمت 65/-

کلب روڈ لاہور

14656

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

پیش لفظ ... م

باب اول

عہد ظفر علی خاں کا پس منظر

پس منظر ... ۳
سر سید احمد خاں ... ٦

باب دوم

مولانا ظفر علی خاں کے حالات زندگی

شجرۂ نسب ... ۱۷
حصہ اول : خاندان کا تاریخی پس منظر ... ۱۹
مولوی سراج الدین احمد ... ۲۱
اُردو کی خدمت ... ۲۴
ذوق شعری ... ۲۵
خصوصیات شاعری ... ۲٦
عادات و اخلاق ... ۲۸
"زمیندار" کا اجرا ... ۲۹
اطاعت والدین ... ۲۹
قومی خدمات ... ۲۹
تصانیف ... ۳۰
وفات ... ۳۰
خدمات کا اعتراف ... ۳۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سراپا ... ۳۱
ازدواجی زندگی ... ۳۲
حصہ دوم : حالات زندگی ... ۳۳
ولادت ... ۳۳
شادی کا اہم واقعہ ... ۳۷
یونیورسٹی کی تعلیم ... ۳۹
علی گڑھ کے ساتھی ... ۴۲
اساتذہ اور ان کی تربیت ... ۴۳
علامہ شبلی مرحوم ... ۴۵
ذریعۂ معاش ... ۴۹
حیدر آباد میں قیام ... ۵۱
ملازمت ... ۵۴
ریاست کا سیاسی ماحول ... ۵۵
درباری سازشیں اور مولانا کی واپسی ... ۶۴
حیدر آباد کی درباری سازشیں ... ۶۶

باب سوم

سیاسی شعور کی تشکیل

حصہ اول : علی گڑھ کالج اور سر سید کی شخصیت کے اثرات ... ۷۵
مولوی سراج الدین (والد) کے اثرات ... ۷۵
شبلی کی شاگردی اور ان کے اثرات ... ۷۷
محسن الملک ... ۷۸
مولوی عزیز مرزا ... ۸۱
سید جمال الدین افغانی ... ۸۲
بین الاقوامی سیاسی حالات کا ردِ عمل ... ۸۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریکات میں عملی حصہ ... ۹۰
طرابلس پر حملہ ... ۹۱
ہندوستان میں رد عمل ... ۹۶
سفر یورپ ... ۹۸
حادثۂ کانپور ... ۱۰۴
نظر بندی ... ۱۰۶
گرفتاری کا پس منظر ... ۱۰۸
تحریک عدم تعاون ... ۱۱۸
حضرو کے جلسے کی کارروائی میں شرکت کی بنا پر مقدمہ ... ۱۲۵
مقدمے کا دلچسپ پہلو ... ۱۲۷
ترک موالات کے سلسلے میں ہیجان ... ۱۲۹
سندھ کی پیش قدمی ... ۱۲۹
تحریک خلافت کی ناکامی کے اسباب ... ۱۳۲
ہندوستان کے باہر سیاسی فضا اور ترکی میں خلافت کے خلاف
رد عمل ... ۱۳۳
سیاسی فضا حجاز مقدس میں ... ۱۳۷
خلاصۂ رپورٹ مولانا ظفر علی خاں ... ۱۴۵
تحریک خلافت کا رد عمل ... ۱۵۲
مولانا ظفر علی خاں کی واپسی ... ۱۵۵
تحریک احرار ... ۱۵۶
سائمن کمیشن کی آمد ... ۱۵۷
ادائیگی فریضۂ حج ... ۱۵۹
تحریک احرار ... ۱۶۸
سفر مدراس ... ۱۷۲
کانگرس کے متعلق تاثرات ... ۱۷۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۳۱ء تک ظفر علی خاں اور مولانا شوکت علی دو الگ
الگ محاذ تھے ... ۱۷۴
مغل پورہ تحریک ... ۱۷۵
تحریک کشمیر ... ۱۷۶
مسجد شہید گنج کا قضیہ ... ۱۸۱
تحریک تحفظ مساجد (اتحاد ملت) ... ۱۸۳
میثاق گجرات اور اس کا حشر ... ۱۹۱
شہید گنج کانفرنس ... ۱۹۴
حصہ دوم : تحریک مسلم لیگ میں حصہ لینا ... ۱۹۹
مسلم لیگ کا احیاء ... ۲۰۸
۱۹۴۲ء و ۱۹۴۳ء ... ۲۱۶
حصہ سوم : خدمات بحیثیت ممبر سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی ہند ... ۲۱۸

باب چہارم

شخصیت اور کردار

حصہ اول : عقائد اور مسلک ... ۲۲۵
مذہبی تعصب کے خلاف جہاد ... ۲۲۸
سید جمال الدین افغانی ... ۲۳۰
جرأت و بے باکی ... ۲۳۲
برق رفتاری ... ۲۳۳
عقیدۂ توحید ... ۲۳۵
عقیدۂ رسالت ... ۲۳۹
عشق ... ۲۴۲
لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ... ۲۴۳
اسوۂ حسینی ... ۲۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولایت ... ۲۴۳
گھر کی تربیت ، طفولیت و بچپن کے مشاغل ... ۲۴۴
نماز کی پابندی ... ۲۴۴
بزرگوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت ... ۲۴۷
جسمانی ساخت اور مزاج ... ۲۴۹
معمولات ... ۲۴۹
حقہ نوشی اور چائے .. ۲۵۰
سفر ... ۲۵۱
انداز مزاج ... ۲۵۶
طلاقتِ لسانی ... ۲۵۶
اردو سے محبت ... ۲۵۷
تقریر ... ۲۵۷
حاضر جوابی .. ۲۵۹
مذاق سخن ... ۲۶۰
کیفیاتِ نفسی ... ۲۶۰
(الف) دریش صفتی ... ۲۶۰
(ب) وضع کی پابندی ... ۲۶۱
(ج) مذہبی حمیت ... ۲۶۱
(د) زمانۂ اسیری ... ۲۶۲
(ہ) درندوں میں انسانی زندگی کا نمونہ ... ۲۶۴
مسلم قومیت کا احساس ... ۲۶۶
سیاسی بصیرت ... ۲۶۷
تبصرہ ... ۲۶۸
قومی کمیشن کی تحقیقات (ان کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ) ... ۲۶۸
اتحاد اسلامی ... ۲۷۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بشری کمزوریاں ... ۲۷۱
ایک الزام کی تردید ... ۲۷۲
لباس ... ۲۷۷
حصہ دوم : علالت اور سفر آخرت ... ۲۷۸
وفات ... ۲۸۲
اولاد ... ۲۸۳
ضمیمہ : مولانا ظفر علی خاں کی انگریزی میں تقریر ... ۲۸۵
کتابیات ... ۲۹۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتساب

والدین کے نام

جن کی شفقت کا کوئی بدل نہیں ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

۱۸۷۵ء برصغیر پاک و ہند کی مسلم تاریخ میں ایک اہم سال تھا جب سرسید مرحوم کے ذریعے مدرستہ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھی گئی ۔ ان کی پرخلوص کوشش کے نتیجے میں نئی نسل کو جدید تعلیم کے تقاضوں سے آگاہ کرنے کے لیے ایک مدرسے کے قیام نے تدریجاً عملی شکل اختیار کی ۔ سرسید نے اپنی آنکھوں سے اس نسل کو تعلیم حاصل کرتے ، کامیاب ہوتے اور درخشاں مستقبل لے کر نکلتے دیکھ لیا تھا ۔ جب وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ان کی سفید ڈاڑھی آنسوؤں میں تر ہو جاتی تھی اور وہ بادیدۂ پرنم خدا کی بارگاہ میں یوں ملتجی ہوتے کہ ''خدایا مسلمانوں کو زندہ رہنے اور باعزت زندگی بسر کرنے کی صلاحیت عطا فرما''۔ اس طرح کتنے ہی فرزندان علی گڑھ اس دانشکدہ سے نکلے اور انھوں نے معاشی سرگرمیوں میں مصروف ہو کر ایک باعزت زندگی بسر کی ، لیکن علی گڑھ کی یادوں سے اپنے دل کے چراغ کو ہمیشہ روشن رکھا ۔ ان فرزندانِ علی گڑھ میں ایک نامور جیالا جوان خدا داد خاں المعروف بہ ظفر علی خاں بھی اپنی خداداد صلاحیتوں کے ساتھ سرسید کی زیرنگرانی اور علامہ شبلی کے زیر تربیت ۱۸۹۵ء میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بی - اے کی ڈگری لےکر نکلا ۔ وہ ایک باحوصلہ ، پرعزم اور با ہمت انسان تھا جو ارادے کا پکا اور دھن کا سچا تھا ۔ رعد کی طرح گرجنے والا، برق کی طرح کوندنے والا اور ساون کے بادلوں کی طرح برسنے والا بھی تھا جو خدا کا نام لے کر علی گڑھ کو خدا حافظ کہہ کر، اس کی یاد کو اپنے سینے سے لگائے ، سرسید کی دعاؤں کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ دنیا کی وسعتوں میں کھو گیا اور رفتہ رفتہ اپنی ہمت اور جانفشانی سے اپنے قلم کے جوہر دکھانے لگا۔ وہ کبھی شاعری اور صحافت کے آفق پر چمکا اور کبھی سیاست کی گھٹاؤں میں گرجا۔ غرض کہ وہ اپنی تاریخ آپ لکھتا چلا گیا۔ اگر یہ کہا جائے (تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا) کہ وہ جری انسان تاریخ ساز بھی تھا اور تاریخ بھی۔

زیرنظر مقالہ آسی باہمت انسان کی زندگی کی پوری تاریخ پر مشتمل ہونے کی کوشش ہے اور اس امر کی پوری دقت نظر سے سعی کی گئی ہے کہ تاریخی حالات کو حتی المقدور قابل اعتماد ذرائع سے حاصل کرکے ایک منظم صورت میں پیش کیا جائے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے میں اپنے لائق احترام استاذی المعظم جناب ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں صاحب سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ سندھ کا شکریہ ادا کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں جن کی رہنمائی اور مسلسل نگرانی میں یہ مقالہ مرتب کیا جا سکا ہے اور حق یہ ہے کہ اگر ان کی مسلسل رہنمائی اور ہمت افزائی میرے شامل حال نہ ہوتی تو مجھ میں اتنا حوصلہ و ہمت تھی ہی نہیں کہ اس اہم موضوع پر قلم اٹھانے کی جرأت کر سکتا۔

۱۹۴۸ء سے لے کر آج تک ان کی جو بزرگانہ شفقتیں میرے حال پر ہوتی رہیں اور میں جو علمی رہنمائی ان سے حاصل کرتا رہا اسی کی بدولت یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ میں خدا سے ان کی سلامتی اور درازیٔ عمر کے لیے دست بدعا ہوں۔

اس کے بعد وہ تمام مصنفین اور مؤلفین شکریے کے لائق ہیں جن کی تصانیف سے میں نے استفادہ کیا اور جن کی علمی کاوشیں قدم قدم پر میری رہنمائی کا سبب بنیں۔ ناسپاس گزاری ہوگی اگر ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا نہ کیا جائے جنھوں نے اس سلسلے میں میری مدد کی، اور رہنمائی بھی۔ خصوصاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا غلام رسول مہر صاحب مرحوم ، ڈاکٹر وحید قریشی صاحب ، جسٹس عطاء اللہ سجاد صاحب (سابق جج ہائی کورٹ پنجاب) ، جناب ممتاز حسن صاحب مرحوم ، جناب حسن ریاض صاحب مرحوم، نواب شمس الحسن صاحب مرحوم، جناب شورش کاشمیری صاحب مرحوم ، جناب بشیر احمد ڈار صاحب ، چوھدری غلام حیدر صاحب مرحوم (برادر حقیقی مولانا ظفر علی خاں) جناب ابو ظفر نازش رضوی صاحب مرحوم، جناب عثمان علی خاں صاحب، جناب افسرامروہوی مرحوم جناب تحسین سروری صاحب مرحوم ، جسٹس سید جمیل حسین رضوی مرحوم ، ملک لال خاں صاحب مرحوم ، شیخ کرامت اللہ صاحب مؤلف آئینہ گجرات ، بیگم صاحبہ مولانا اختر علی خاں مرحوم ، مسعود علی خاں صاحب نبیرۂ مولانا ظفرعلی خاں اور پروفیسر حمید احمد خاں صاحب مرحوم - اسی طرح ریسرچ سوسائٹی پنجاب لاہور ، پنجاب پبلک لائبریری ، کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اردو اور سابق ترقی اردو بورڈ کراچی کے مہتمم صاحبان بھی خاص طور پر شکریے کے مستحق ہیں جن کے علمی ذخیروں نے اس مشکل کو آسان کر دیا - خصوصاً محمد حنیف شاہد صاحب ایم - اے (پنجاب پبلک لائبریری) اور محترمہ خالدہ صاحبہ دختر حمیدہ خاتون مرحومہ بھی جنھوں نے خاندانی حالات بتا کر معلومات میں اضافہ کیا -

میں بزرگ محترم جناب محمد عبداللہ قریشی صاحب کا انتہائی شکرگزار ہوں جنھوں نے طباعت سے قبل نظر غائر سے مسودے کے رموز اوقاف کی درستی کی اور ٹائپ میں املا کی درستی بھی فرمائی ۔ انھوں نے پوری توجہ سے اس مقالے کو پڑھا اور بعض حوالوں کی درستگی اور بعض فروگذاشتوں کی طرف توجہ دلائی - کئی مقامات پر میری رہنمائی کی اور امعانِ نظر سے پورے مقالے کی ہر ہر سطر کو پڑھا - میں ان کی اس بزرگانہ شفقت کا صمیمِ قلب سے ممنون ہوں اور ان کی صحت و عافیت کے لیے دست بدعا ہوں-

اس مقالے کی اشاعت کے سلسلے میں مجلس ترقی ادب لاہور کا از حد ممنون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں ۔ خصوصاً جناب احمد ندیم قاسمی صاحب ناظمِ مجلس ترقی ادب کی توجہ کا، کہ انھوں نے اس مقالے کو اپنے اشاعتی پروگرام میں شامل کیا ۔

آخر میں برادرم پروفیسر سید مشکورحسین یاد صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جن کی کاوشیں اس کی طباعت کے لیے میرے شاملِ حال رہیں ۔

میں کہاں تک اپنے مقصد تک پہنچ پایا ہوں، اس کا اندازہ تو اربابِ علم ہی بہتر طور پر کر سکتے ہیں ۔ تاہم اس مقالے کی تیاری میں جو کوتاہی مجھ سے سرزد ہوئی ہو اس کے لیے میں ارباب علم سے خطا پوشی اور رہنمائی کا طالب ہوں : ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

خاکسار

اطہر حسنین زیدی

ناظم آباد نمبر ۳ ، کراچی

جولائی ۱۹۸۲ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب اول

عہدِ ظفر علی خاں کا پس منظر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پس منظر :

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریز کا اقتدار پوری طرح مسلط ہو چکا تھا اور بجز اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان سے دوستی کی جائے ، اور ایک باعزت مستقبل کے لیے جدید طریقوں کو اپنایا جائے ۔ اس شدید تباہی کے بعد اہل درد کے دل میں مسلمانوں کو بچانے کے لیے ایک شدید جذبہ پیدا ہوا ، جس کے علم برداروں میں خان بہادر عبداللطیف خاں ، جسٹس امیر علی ، سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کار تھے ۔ بنگال کا علاقہ وہ بیدار مغز علاقہ تھا ، جس نے انگریزی راج کی سختیاں اور چیرہ دستیاں سب سے پہلے برداشت کیں ، نیز دورِ مفاہمت کا آغاز بھی یہیں سے ہوا ۔ سب سے پہلا کام اس سلسلے میں خان بہادر عبداللطیف خاں (خلف مولوی فقیر محمد ، ڈپٹی کلکٹر درجہ اول کلکتہ) نے کیا جنھوں نے آزاد[1] کے بیان کے مطابق ۱۸۵۳ء میں محمڈن سوسائٹی یا انجمن اسلامی قائم کی ۔ اس کے جلسوں میں مسلمان جمع ہو کر مذہبی اور سیاسی مباحثے کیا کرتے تھے ۔ خان بہادر موصوف اپنی تنخواہ کا وافر حصہ فقط سوسائٹی کے رفاہی کاموں پر صرف کر دیا کرتے تھے ۔ البتہ وہ تحریک جہاد کے خلاف تھے ۔ لٰہذا اس سوسائٹی کے سٹیج سے اس تحریک کے خلاف تقریریں ہوتی تھیں ۔ غالباً اسی لیے اس سوسائٹی نے سرکاری حکام میں ایک بلند درجہ حاصل کر لیا تھا ۔ ۱۸۶۷ء میں نواب گورنر بہادر بنگال و مدراس و بعض صاحبان کونسل و حکام والا مقام بھی رونق افروز جلسہ ہوئے[2] ۔ اس طرح مفاہمت کا سنگ بنیاد رکھا گیا ۔ اور چونکہ صاحب موصوف ہندوستان کو دارالحرب نہیں کہتے تھے اس لیے ظاہر ہے کہ اس تحریک سے انگریزوں کو تقویت ہی ملی ۔ اسی طرح جسٹس امیر علی نے ۱۸۷۷ء میں ایک ایسوسی ایشن 'نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن' کے نام سے قائم کی ، جس کا مقصد تبلیغی ادارے کھولنا اور سرکاری ملازمتوں میں لوگوں کو حصہ دلانا تھا ۔ وہ اس کے تقریباً پچیس سال تک سیکریٹری رہے[3] ۔ شروع شروع میں یہ ایسوسی ایشن سوشل

---

۱ ۔ آزاد، شمس العلماء مولوی محمد حسین : مقالات ، جلد اول ، ص ۱۱۲ ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۶ء ۔

۲ ۔ ایضاً ۔

۳ ۔ رام گوپال : انڈین مسلم (انگریزی) ، ص ۲۵ ، طبع بمبئی ۱۹۵۹ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاموں میں مصروف رہی ۔ لیکن ۱۸۸۲ع کے بعد سے اس نے مسلمانوں کے عام مفاد کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ، اور سیاسی مفاد کے تحفظ کے لیے بھی کوششیں کیں ، اور حکومت کے سامنے اپنا نقطہء نظر پیش کرنے میں سبقت کی ، اور دور گذشتہ کے تہذیب و تمدن سے استفادہ کرتے ہوئے مغربی تہذیب سے تعاون کیا ، تاکہ مسلمان زمانے کے نئے حالات اور قانون کا ساتھ دے سکیں اور نئے حالات کے ساتھ ان میں سیاسی بیداری کا شعور پیدا کیا جا سکے ۔ اس تنظیم کو مسلمانوں کے لیے اس واسطے مخصوص کیا گیا تھا کہ وہ جدید تعلیم سے بالکل بے بہرہ تھے ، اور نئی حکومت (انگریزوں) نے قدیم تعلیم کے دروازے بھی آن پر بند کر دیے تھے ، اور اپنی تعلیمی پالیسیوں کے باعث قدیم درس گاہیں یا تو بند کرا دی گئی تھیں یا آن کے بند ہو جانے کے اسباب پیدا کر دیے گئے تھے۔ مسٹر امیر علی نے اس ایسوسی ایشن کی شاخیں ملک کے دور دراز علاقوں میں کھولیں ۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اپنے مقامی حالات کے اعتبار سے نئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اسکول و کالج کھولیں ۔ جہاں مسلم طلبہ مذہبی اور اخلاق تربیت بھی حاصل کر سکیں ۔ انھوں نے پوری کوشش سے پورے ملک میں ترپن (۵۳) شاخیں قائم کرا دیں[۱] ۔ یہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں تھیں ، جس میں مسلمان اکثریت کے علاقے بنگال ، پنجاب کے علاوہ مدراس ، بمبئی اور بہار قابل ذکر ہیں ۔ ان کی بلند شخصیت نے بنگال کے ممتاز فضلاء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا ۔ جن میں سب سے پہلے لائق ذکر جناب امیر علی خان بہادر بھی تھے (جن کو حکومت برطانیہ کی کمپنی بہادر نے 'نواب' کا خطاب دیا تھا) ۔

''پادریوں کے ذریعے سے عیسائی تحریک ، جو اٹھارویں صدی سے برابر اپنا کام کر رہی تھی ، حکومت کی سرپرستی میں اسے مزید پھولنے کا موقع مل گیا ۔ اس طرح مذہب اسلام پر کاری وار ہو رہے تھے ۔ پادری اپنے نئے حربوں سے ہندوستان کی غریب اور پس ماندہ آبادی کو مادی وسائل کے بل بوتے پر عیسائیت کی طرف کھینچ رہے تھے ۔ انھوں نے حکومت کی سرپرستی اور دولت کی فراوانی کے باعث مطابع قائم کرکے بائبل کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مختلف اخبار جاری کر رکھے تھے ، جنھوں نے عوامی ذہن کو متأثر کرنا شروع کر دیا تھا ۔ ان کے علاوہ مختلف مقامات پر اسکول ، کالج اور مشنری ہسپتال کھول کر اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہے تھے ۔ ان کے

---

۱ ۔ رام گوپال : انڈین مسلم (انگریزی ایڈیشن) ، ص ۹ ، ایشیا پبلشنگ ہاؤس بمبئی ۱۹۵۹ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخبار اور پریس مسلمانوں کو مذہبی جنون کا مالک ثابت کرنے میں ڈٹے ہوئے تھے[۱] ۔ وہ پوری کوشش سے یہ بات دنیا کو باور کرانے میں مصروف تھے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ تلوار ہی کے زور سے اسلام پھیلایا ہے ، اور وہ اپنی قوم کے سوا کسی کے ساتھ کھانا پینا بھی مذہباً جائز نہیں سمجھتے ۔ یہی وہ حربے تھے جن کے سبب انھیں غیر مہذب بتایا جا رہا تھا ۔ اور اسلام کی صورت اس طرح مسخ کرکے پیش کی جا رہی تھی کہ پوری دنیا کے سامنے مسلمانوں کو وحشی ، ناخواندہ اور غیر مہذب ثابت کیا جائے[۲] ۔"

اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے جسٹس امیر علی نے انگریزی زبان میں اسلام کی حمایت میں کتابیں لکھیں اور مختلف رسائل میں اسلام کے مسائل پر مضامین لکھے[۳] ۔ ان کے علمی کارنامے بھی ناقابل فراموش ہیں ۔ انھی کے ساتھ "مولوی چراغ علی" بہت بڑے محقق اور عالم تھے ۔ انھوں نے نہ صرف اپنے مطالعہ سے انگریزی زبان پر بے مثل قدرت حاصل کی بلکہ اسلام کی فضیلت اور حقانیت کو غیر مسلم اقوام ، خصوصاً عیسائی پادریوں کے سامنے پیش کرنے اور ثابت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا[۴] ۔ یہاں تک کہ خود ان کے حریف ریورڈ کینن میکلم میکال نے ان کے علم و فضل اور تحقیق کو تسلیم کیا ہے ۔ اسی طرح انھوں نے اسلام کی حقانیت اور امن پسندی کو انگریزی کتابوں کے ذریعے پیش کرکے پادریوں کا منہ بند کرنے کی سرتوڑ کوشش کی ۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس قدر وسیع النظر اور علم کے شیدائی تھے کہ عام سرکاری ذمہ داریوں کے باوجود انھوں نے جو مضامین یا رسائل یا کتابیں لکھیں ، وہ زبان و دلائل کے اعتبار سے اپنی جگہ ایسی مستحکم تھیں کہ اس زمانے کے مشہور اخبارات نے بھی ان کو خراج تحسین ادا کیا ۔ دوسری طرف اپنی تحریروں سے مسلمانوں کو

---

۱ ۔ امداد صابری : فرنگیت کا جال ، ص ۲۵ ، دہلی ۱۹۴۹ء ۔

۲ ۔ ایضاً ، ص ۲۵ ۔

۳ ۔ سید رضی واسطی: "Syed Amir Ali on Islamic History and Culture" مجموعۂ مضامین جسٹس امیر علی ، سرورق پبلرز پبلشنگ ہاؤس ۔ لاہور ۱۹۶۸ء ۔

نوٹ : انھوں نے اسلامی کلچر پر اسپرٹ آف اسلام انگریزی میں لکھ کر ، اسلام کے عظیم مفاد کے تحفظ کی خدمات انجام دیں ۔

۴ ۔ حامد حسن قادری : داستان تاریخ اردو، ص ۳۷۳ ، طبع آگرہ ۱۹۵۷ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرف بھی متوجہ کیا کہ ان میں بے جا طور پر جو غیر اسلامی طریقے رواج پا گئے ہیں ، ان سے کنارہ کشی اختیار کریں ۔ مثلاً شادی کے متعلق احکام شریعت کے صحیح منشاء کو ملحوظ رکھیں کہ صرف ایک عورت سے نکاح کیا جائے نیز اسلام اور دیگر علوم جدیدہ کے حقیقی تعلق اور عورتوں کی حیثیت کو بھی پیش نظر رکھیں[1] ۔

مولوی چراغ علی صاحب کی تین انگریزی کتابیں اس سلسلے میں اہم ترین ہیں :

(۱) Critical Exposition of the Jehad

(۲) Reforms Under the Muslim Rule

(۳) Mohammad—The True Prophet[2]

سرسید احمد خاں :

بیان کے لحاظ سے ان کی شخصیت سب سے اہم ہے ۔ وہ اپنی ذات سے ایک ادارہ نہیں ، بلکہ ادارہ ساز تھے ۔ انھوں نے اپنے ساتھ ایسے رفقاء تیار کیے تھے جنھوں نے قلمی جہاد سے اس مکدر فضاء کو صاف کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کی اصلاح کی ۔ اسی لیے یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سر سید احمد خاں ، تعلیم و اصلاح کے نہ صرف علم بردار تھے بلکہ علم برداروں کے رہنمائے اول تھے ، جن کا روئے سخن اپنی قوم کی طرف خصوصی طور پر تھا ۔ وہ صحیح معنوں میں ایسے جلیل القدر فرد فرید تھے جنھوں نے اپنے قلم کے زور اور اپنی پر کشش شخصیت اور پرخلوص جد و جہد سے ایسے افراد کا حلقہ اپنے گرد جمع کر لیا تھا ، جنھوں نے ان کے ساتھ مل کر اور ان کے بعد ان کے مشن کی تبلیغ سے مسلمان قوم کو ترقی کی راہ پر لگا دیا ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سرسید صرف تاریخ نہیں تھے ، بلکہ تاریخ ساز تھے ۔ جنھوں نے شبانہ روز کی سرگرمیوں سے قوم کے سامنے واضح لائحۂ عمل پیش کیا ، اور اس طرح ان کو احساس کمتری کے اندھیرے غار سے نکال کر ترقی اور بہتر مستقبل کی راہوں پر لگا دیا ۔ ''انھوں نے ہندوستان کے لیے عموماً اور اسلام و مسلمانوں کے لیے خصوصاً فلاح و بہبود کی جدو جہد شروع کر دی تھی ۔'' ۱۸۴۹ء میں پیری مریدی

---

۱ ۔ عبداللہ یوسف علی : انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ، ص ۲۷۳ ، طبع ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد ۱۹۳۳ء ۔

۲ ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ : سرسید اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ ، ص ۷۰ ، طبع لاہور ۱۹۶۰ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سلسلے میں بعض اصلاح طلب باتیں لکھیں[1]۔ ۱۸۶۶ء میں "تمام اہل کتاب کے متعلق مضمون لکھ کر اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی، جو جاہل مسلمانوں کی طرف سے اہل یورپ کے ساتھ مل کر کھانا کھانے پر کیے جاتے تھے۔ اسی طرح سرسید نے مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان معاشرتی تعلقات قائم کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے غلامی کے خلاف بھی مضامین لکھے۔ ۱۸۶۶ء میں ایک انجمن "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" کے نام سے قائم کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے پارلیمنٹ سے تعلق پیدا کریں اور اس ایسوسی ایشن کے ذریعے اپنے عام مقاصد و مطالب گورنمنٹ اور پارلیمنٹ تک پہنچا سکیں۔ وہ ۷۰ - ۱۸۶۹ء میں انگلستان گئے اور وہاں رہ کر انگریزی تمدن سے واقفیت حاصل کی، واپسی پر خطبات احمدیہ کے نام سے جو کتاب شائع کی، اس میں اسلام کی تشریح اپنے تجربات و قیاس سے کی۔ اس سلسلے میں وہ اس قدر آگے بڑھ گئے کہ بعض مسلمانوں کے جذبات شدید طور پر مجروح بھی ہوئے[2]۔

۱۸۷۰ء میں تہذیب الاخلاق کے اجراء سے اپنے عظیم اثرات دوسری نسل پر ڈالے۔ بلاشبہ اس رسالے نے نوجوان نسل کی طبائع کو جدید اصولوں پر مبنی تعلیم و تربیت کے خاص سانچے میں ڈھالنے کی سعی کی۔ سرسید نے اپنی ذاتی کوشش اور لگن سے ایسے رفقائے کار تیار کر لیے، جنھوں نے قوم کی ذاتی خرابیوں کو دور کرنے، مذہبی تنگ نظری کو ختم کرنے اور جدید تقاضوں کے ساتھ زندگی کے مسائل حل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ انھوں نے اسی سال بنارس میں "کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان" قائم کی۔

وہ ۸۳ - ۱۸۷۸ء میں وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے۔ انھوں نے وقف علی الاولاد کا مسودہ کونسل میں پیش کرنے کے لیے تیار کیا۔ اس کے بعد قانون انتقال جائداد، قانون حق استفادہ، قانون ترمیم فوجداری، قانون لوکل سیلف گورنمنٹ متعلقہ اضلاع متوسط کے پیش ہونے پر کونسل میں پرزور اور باوقعت تقریریں کیں۔ ۱۸۸۲ء میں جب کہ سرسید کونسل کے ممبر تھے، ان کی شہادت بھی ایجوکیشن کمیٹی میں لی گئی۔ اسی طرح ۱۸۸۳ء میں سرسید نے محمڈن سول سروس ایسوسی ایشن قائم کی تاکہ اس کے چندے سے مسلمان لڑکوں کو انگلستان بھیجا

۱۔ حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو، ص ۲۵۹، طبع ثانی، عزیزی پریس آگرہ ۱۹۵۷ء۔

۲۔ عبداللہ یوسف علی: انگریزی عہد میں ہندوستانی تمدن کی تاریخ، ص ۲۷۲، آخری سطور، طبع ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۳۳ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے اور سول سروس کے امتحانی مقابلہ یا ولایت کی کسی ڈگری یا برسٹری یا ڈاکٹری یا انجینئری کا ڈپلوما حاصل کرنے میں اعانت کی جائے۔ ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکشنل کانفرنس قائم کی۔ یہ ہندوستان میں سب سے بڑی تعلیمی انجمن تھی۔ اس کانفرنس کے ذریعے تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوگئی۔ بے شمار انجمنیں، مکاتیب، اسکول قائم ہوئے، کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں، تعلیمی مردم شماریاں ہوئیں، غیر سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اس طرح مسلمانوں کی اصلاح اور تعلیمی ترقی کے لیے ہر ممکن وسیلہ اختیار کیا گیا[1]۔ سرسید نے اسی مفاہمت کے پیش نظر دینی مسائل کے دو حصے کر دیے۔ دوسرا وہ جس کا تعلق دنیوی امور سے تھا۔ موخرالذکر امور میں انھوں نے سائنٹفک طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کی، اور ضرورت کے مطابق ان امور کو حل کرنا چاہا۔ یہ بات اور ہے کہ سرسید نے مذہب کے بارے میں بھی مفاہمت کے جو اصول اختیار کیے تھے، ان کے سبب بعض طبقوں میں مخالفت بھی ہوئی اور اس وقت جذبات کی روشنی میں اس مفاہمت کے اصول کو دیکھا بھی گیا[2]۔ بقول پروفیسر رشید احمد صدیقی ”وہ مغرب اور انگریز سے عہدہ برآ ہونا چاہتے تھے۔“

لیکن ان دونوں کو اللہ کی نعمت سمجھ کر نہیں، بلکہ وقت کا تقاضا، یا ہماری شامت اعمال سمجھ کر، ایسا وقت بھی آتا ہے جب قوم کے سردار کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے سرسید نے اُس وقت دست تعاون (انگریزوں کے ساتھ) بڑھایا، جب اُن کے خیال میں (اب اس سے بڑھ کر) دشمنی یا مخالفت یا جنگ نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حکمران طبقے کی طرف سے مسلمانوں پر انسانیت سوز زیادتیاں ہوئی ہیں، لیکن اُس وقت جوش کے مظاہرے سے قوم کو نقصان پہنچنے کا یقینی احتمال تھا۔ اسی لیے زمانے کے حالات کے سبب وہ ایک بے حد عملی انسان بن گئے تھے۔ خود اُن کی پر مشقت زندگی، اور زندگی کے لیے پوری جد و جہد، ملازمت کے ساتھ ساتھ خود اُن کو پڑھنے کی لگن، اور اسی کے ساتھ اہل علم کی زبوں حالی اور علم کا فقدان، اور دور جدید میں حاکم قوم کا غلبہ، ان تمام باتوں نے ان پر دو چیزیں واضح کر دی تھیں۔ ایک یہ کہ علم کے حصول کے لیے پوری لگن ضروری ہے، دوسری چیز یہ کہ انگریزوں سے جنگ کرنا اپنے آپ کو

۱۔ حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو، ص ۲۶۴، طبع ثانی، ۱۹۵۷ء آگرہ۔
۲۔ ایضاً: ص ۲۶۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہلاک کرنا ہے ، اور آیندہ نسل کی بھی تباہی یقینی ہے ۔ مسلمان ان کے نزدیک "ایک عظیم الشان جہاز کے مثل تھے ، جو سمندر کی طوفانی موجوں کے تھپیڑے کھاتے کھاتے اس قدر شکستہ ہو چکا تھا کہ مزید تھپیڑوں کی تاب نہیں لا سکتا تھا ۔" جیسا کہ تہذیب الاخلاق کے بند ہونے پر انھوں نے لکھا تھا "کہ قومی بھلائی کے ولولوں میں سے "تہذیب الاخلاق" کا نکالنا بھی ایک ولولہ تھا جس کا اصلی مقصد قوم کو اس کی دینی و دنیوی ابتر حالت کا جتانا ، اور سوتوں کو جگانا ، بلکہ مردوں کو اٹھانا اور بند سڑے ہوئے پانی میں تحریک کا پیدا کرنا تھا ۔ یقین تھا کہ سڑے ہوئے پانی کو ہلانے سے بدبو اور زیادہ پھیلےگی ، مگر حرکت میں آ جانے سے پھر خوش‌گوار ہو جانے کی توقع ہوتی ہے ۔ پس کیا ہم نے جو کچھ کرنا تھا ، اور پایا ہم نے جو کچھ پانا تھا ۔ اگر ہم نے وہ نہیں کیا ، جو ہم کو کرنا تھا تو وہی کرے جو اس کو کرنا ہے"۔[1]

"یقینی طور پر وہ قدیم معاشرت کے صالح عناصر کو جدید رنگ سے ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے ، اس طرح وہ مفاہمت کے ذریعے جدید تقاضوں کو مختلف ذرائع سے قوم کے کانوں میں ڈال رہے تھے تاکہ انسان کے تمام افعال ، ارادے ، اخلاق و معاملات ، معاشرت ، تمدن اور طریق تمدن سب اعلیٰ ہنر کے درجے تک پہنچ جائیں ، تاکہ اخلاق زندگی کی بھی اصلاح ہو ، اور مادی ذرائع سے بھی قومی تصور اور آفاقی نقطۂ نظر پیدا ہو ۔ جس سے حسن معاشرت اور باہمی تعاون کا رستہ کھلے"۔[2]

اسی لیے انھوں نے اپنے رسالے کے ذریعے مسلمانوں کی اخلاق کمزوریوں کے فاسد مادے پر قلم کے نشتر سے اس مواد کو باہر پھینکنے کی بھرپور کوشش کی ، تاکہ اس طرح انھیں جھوٹی شیخی ، بے جا بحث و تکرار اور فضول رسموں سے بھی نجات دلائیں ، اور معمولی مسائل پر بحث و تمحیص کو کافی سمجھ لینا خود قوم کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ تھا ۔ اور اپنے مستقبل کی بہتری سے غافل ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لینا ان کے خیال میں سب سے بڑا المیہ تھا ۔ انھوں نے ایسے نظام کو سمجھنے کی دعوت دی ، جو نئے تقاضوں کے عظیم لشکر کے ساتھ نہایت تیزی سے آگے بڑھ چکا تھا ۔ اور مسلمانوں نے چونکہ

---

۱ ۔ سرسید احمد خان : مضامین تہذیب الاخلاق ، (سرسید کے آخری پرچے کی تحریر ۱۲۹۳ھ) ، جلد دوم ، ص ۵۷۱ ، مطبوعہ لاہور طبع سوم ۱۳۱۴ھ ۔

۲ ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی: Struggle for Pakistan p. 21 ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نئے دور کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگایا تھا ، اور اسی اندازے کے لحاظ سے مقابلہ نہ کر پائے تھے ، لہٰذا اس غیر منظم جماعت کو جنگ آزادی میں سخت ترین نقصان پہنچ چکا تھا ۔

سرسید ایسے معاشرے کو وجود میں لانا چاہتے تھے ، جو مادی وسائل میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر زمانے کے نئے تقاضوں سے نباہ کر سکے ۔ وہ مسلمانوں کے مسلسل زوال سے اس حد تک متاثر تھے کہ ماضی کی طرف دیکھنے کی بجائے مستقبل کی طرف ہی دیکھنا پسند کرتے تھے ، آن کے نزدیک اہم مسئلہ جدید تعلیم کی اشاعت تھا ، تاکہ مسلمان جلد از جلد نئی تعلیم حاصل کر کے حکومت میں حصہ لیں ، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں آگے بڑھ سکیں ۔ ابنائے وطن کی عدم ترقی نے آن کو ورنیکلر یونیورسٹی کی تجویز سے کنارہ کش کر دیا تھا ، بلکہ انگریزی تعلیم کی اشاعت کی طرف غیر معمولی طور پر متوجہ کر دیا تھا ، تاکہ مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہ جائیں ۔ ان کا اس سے سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ کالج کے فارغ التحصیل نوجوان صنعتوں کو رواج دیں ، تاکہ ایک دن وہ آئے کہ جب ہمارے تجارتی جہاز ہندوستان کا صنعتی سامان لاد کر قومی جھنڈا اڑاتے ہوئے لندن ، نیویارک اور دوسری بندرگاہوں پر پہنچیں ، اور نئی نسل نئی تعلیم ہی سے مخالفین کے مختلف اعتراضات کو رفع کر سکے'' ۔[1]

۱۸۷۵ع میں ایم ۔ اے ۔ او کالج کا آغاز اس مقصد کا سنگ بنیاد تھا ۔

سرسید کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ وہ مشرقی علوم کے سرے سے مخالف تھے یا انھوں نے اس کے فائدے سے قطعی طور پر چشم پوشی اختیار کر لی تھی ۔ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "اسی کے ساتھ ساتھ میں یہ تدبیر چاہتا ہوں کہ علوم عربیہ اور درسی کتب مذہبی کا ذوق جو مدھم ہوتا جاتا ہے ، کسی طرح قائم رہے ۔ اگر عربی ، فارسی ہم میں سے معدوم ہو جائے گی تو اس کے ساتھ ہماری قومیت بھی معدوم ہو جائے گی ۔[2]

اگر سرسید پر مغرب پرستی کا الزام لگا کر آن کے لگائے ہوئے پودے کے شیریں پھل سے بھی انکار کر دیا جائے تو اس کا کیا علاج؟ لیکن یہ بات واضح

---

۱ ۔ سرسید احمد خاں ۔

۲ ۔ مکتوبات سرسید ، ص ۲۳۹ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو چکی ہے کہ وہ نئی بنیادوں پر مشرقیت کی عمارت کی تعمیر کرنا چاہتے تھے ، جس کا اعتراف آل احمد سرور نے بھی کیا ہے :

"سرسید نے اپنی نسل کے افق ذہنی کو وسیع کیا ، عقلیت اور قومی اخلاق کی استواری کا پرچار کیا ، انھوں نے تعلیمی جد و جہد کو سب سے اہم مان کر دوسری ضروریات کو اُس کے تابع کر دیا ۔ اُن کے اثر سے ایسے نوجوان سامنے آ گئے، جو اپنی تہذیبی بنیادوں پر نئی مشرقیت کی تعمیر کر سکتے تھے ۔ انھوں نے مولانا شبلی کو علامہ شبلی بنایا ۔ سجاد حیدر یلدرم ، ظفر علی خاں ، ڈاکٹر عبدالحق ، طفیل احمد ، مولانا محمد علی ، سید محفوظ علی ، مرزا بشیر الدین ، شیخ عبداللہ ، خواجہ غلام الثقلین وغیرہ وغیرہ ، ہر ایک کو ایک جذبہ ، ایک دھن ، ایک تعمیری لگن دی ۔ علی گڑھ کی ساری روایات ایم ۔ اے ۔ او کالج کی عطا کردہ ہیں ۔ یونیورسٹی ان میں کوئی قابل قدر اضافہ نہ کر سکی"۔[1]

اسی لیے یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ علی گڑھ تحریک در اصل علمی روح کی توسیع و اشاعت کا نام ہے ، جو علی گڑھ تحریک کے علم بردار سرسید اور اُن کے رفقا نے انجام دیا ۔[2]

یہ صرف ایک تدریسی تحریک نہ تھی ، بلکہ ایک لحاظ سے ایک علمی اور ادبی تحریک تھی ، علمی اس معنی میں کہ اس تحریک کے زیر اثر فکر و نظر میں اہم انقلاب نمودار ہوا ۔ اور مذاق تصنیف میں گہری تبدیلیاں پیدا ہوئیں ۔ ملک میں مغرب سے استفادہ کے لیے جو میلان پیدا ہوا ، اس کے تحت جس طرح انداز نظر بدل گئے ، اُسی طرح معانی اور موضوعات میں بھی تغیر ہوا ۔

سرسید کی علمی و ادبی تحریک جس کی ابتداء سائنٹیفک سوسائٹی سے ہوئی تھی ، نے ان سب رجحانات کو بدل ڈالا اور ایک ایسے علمی مذاق کی بنیاد ڈالی ، جسے ایک طرف حقیقت اور صداقت کی جستجو تھی ، تو دوسری طرف وہ افادیت اور مقصدیت کا علم بردار بھی تھا ۔

"سرسید کی پیدا کی ہوئی لہر قید مقامی سے آزاد ہو کر پورے ملک میں پھیل گئی ۔ ان مقتدر نامور ہستیوں کی فہرست طویل ہے، جنھیں ہم علی گڑھ

۱ ۔ آل احمد سرور : ادب اور نظریہ ، ص ۲۱۸ ، طبع لکھنؤ ۱۹۵۴ع ۔
۲ ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ : سرسید اور اُن کے نامور رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ ، ص ۵۷ ، طبع لاہور ۱۹۶۰ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریک کے اہم ارکان قرار دے سکتے ہیں ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے کے مطابق ان نامور افراد کی فہرست میں پہلے سلسلے میں نواب محسن الملک ، نواب وقار الملک ، مولانا حالی ، مولانا شبلی ، مولوی نذیر احمد ، مولوی چراغ علی ، مولوی ذکاء اللہ ، نواب عماد الملک ، عبدالحلیم شرر ہیں "۔[1]

"ان کے بعد دوسرا سلسلہ سامنے آتا ہے ۔ اُن میں نواب صدر یار جنگ ، ڈاکٹر سر ضیاء الدین ، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں ، مولوی عبدالحق ، مولوی طفیل احمد ، مولانا ظفر علی خاں ، سجاد حیدر یلدرم ، مولوی عزیز مرزا ، مولانا عنایت اللہ ، مولانا حسرت موہانی وغیرہ وغیرہ ۔"

لیکن دوسرے سلسلہ میں جو نئی ذہنی تبدیلیاں عمل میں آئیں ، وہ پہلے سلسلہ کی ذہنی تبدیلیوں سے مختلف تھیں ۔ اس لیے کہ زمانہ اب سیاسی تقاضوں کے اعتبار سے بہت آگے بڑھ چکا تھا ۔ اور یہ شکوک بھی پیدا ہو چکے تھے کہ کہیں سرسید کی حکومت سے وفاداری رجعت پسندانہ دلیل تو نہ تھی ۔

لیکن خود سرسید کو انگریزوں کے بلند نقطۂ نظر اور روایت پسندی کے سبب جو توقعات تھیں ، وہ حاصل نہیں ہوئیں ۔ چنانچہ ۱۸۸۳ء میں انھیں شکایت پیدا ہو گئی تھی ، کہ انگریزوں کو مسلمانوں سے وہ ہمدردی نہیں جس کے وہ متمنی تھے ۔ اور وہ اس توہین آمیز رویہ کو بہت محسوس کرتے تھے ، چنانچہ انھیں کہنا پڑا کہ :

"انگریزوں کا جو سلوک اپنے ہم قوموں سے ، اور جو ہندوستانیوں سے ہے اُس میں اتنا ہی فرق ہے جتنا سفید اور سیاہ میں[2] ۔"

شروع شروع میں وہ انگریزوں کی شرافت اور دیانت پر اس قدر بھروسہ کر بیٹھے تھے کہ انھیں امید تھی کہ انگریز مسلمانوں کو اپنی تجارت میں حصہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے ۔ اور یہی خیال سرکاری ملازمتوں کے متعلق بھی تھا ۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرا ، جدید تعلیم نے مسلمانوں کو سیاسی معاملات پر غور کرنے کے مواقع بہم پہنچائے ۔ وہ آخر اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ

---

۱ ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ : سرسید اور اُن کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ ، ص ۵۷ ، طبع لاہور ۱۹۶۰ء ۔

۲ ۔ ایضاً ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب تعلیم کے ساتھ ساتھ سیاسی نصب العین کے حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے'۔

یہی وہ خیالات تھے جو سرسید کے ذریعے نئی نسل نے حاصل کیے اور جنگ آزادی کے بعد استحصال اور استیصال کے جدید طریقوں نے جو نفرت کا بیج بویا، اس کے محسوس کرنے والے بھی علی گڑھ کی فضا میں تعلیم پا کر نئی امنگوں کے ساتھ ابھرنے والے نوجوان ہی تھے، جنھوں نے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ اب مفاہمت کا دور گذر چکا ہے۔ بلکہ پانی سر سے گذرنے کے قریب ہے۔ اس لیے اب انگڑائی لے کر اٹھنے کی ضرورت ہے۔ ان نامور لوگوں میں تین صاحبان ایسے ہیں جنھوں نے ایک طویل مدت تک اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے عملی میدان میں مسلسل اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ایک مولانا محمد علی تھے، دوسرے حسرت موہانی تیسرے ظفر علی خاں تھے۔ یہ ایک اتفاق کی بات ہے کہ مولانا محمد علی کی زندگی کا طویل دور حاصل نہ ہو سکا۔ لیکن وہ آخری سانس تک ہندوستان کی آزادی کے لیے برابر کوشش کرتے رہے۔ حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خاں کو طویل مواقع ملے، اور جنگ آزادی میں طوق و سلاسل کی جھنکار میں حسرت کی بیڑیوں کی آواز بھی شامل ہے، اور ظفر علی خاں کے قید و بند کی داستان بھی۔ بلاشبہ حسرت کی شخصیت کی سچائی اور خلوص، ان کا کھرا پن اور ان کی ایثار سے پر زندگی ہم سب کے لیے درس نصیحت ہے، لیکن مولانا ظفر علی خاں اس لحاظ سے ایک منفرد حیثیت کے مالک ہیں کہ ان کی شاعری اور ان کی صحافت نے مسلسل جس طرح اپنے مقصد کے اظہار اور حصول کے لیے اپنے قلم کو نیزے کے بجائے استعمال کیا، اور وہ قید و بند کی تکلیفیں بھی اٹھاتے رہے، اس انداز سے وہ اپنی مثال آپ ہیں، مسلم لیگ کے قیام کے بانیوں میں سے ہونے کے بعد جو ۱۹۰۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ہے، وہ جنگ آزادی میں علمی و ادبی لحاظ سے بھی شریک رہے، اور سیاسی لحاظ سے بھی، اس طرح اس نئی مملکت کے قیام میں انھوں نے اپنی ذات کے اعتبار سے ایک واسطے کا ذریعہ حاصل کر لیا۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ سرسید کو دیکھا، بلکہ یہ ان کے فیضان نظر سے متاثر بھی ہوئے اور مستفید بھی، اور دوسری طرف عملی میدان میں ذہنی نتائج کے اعتبار سے ایک الگ شاہراہ اختیار کی، جس کی طرف سرسید اشارہ تو کر چکے تھے، لیکن ان راہوں کو متعین کرنے، اور دوسروں کو راہ عمل دکھانے کے لیے سرسید کو پورے طور سے موقع نہیں مل سکا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کی

۱۔ مولانا الطاف حسین: حیات جاوید، ص ۵۲۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ مواقع پورے طور سے حاصل ہوئے اور انھوں نے اپنی خارا شگاف تحریروں اور تقریروں سے فرنگیت کے تمام فریب نظر حکومت کے طلسم کا پردہ چاک کرکے رکھ دیا اور انگریز کے سامنے سر نہ جھکاتے ہوئے وہ اُس عہد میں داخل ہو گئے جو مسلمانوں کا سیاسی نصب العین تھا ۔

ہم آیندہ صفحات میں مولانا ظفر علی خاں کی زندگی کے کوائف پیش کریں گے جو ہمارے موضوع کے پس منظر سے متعلق ہیں ۔ اور اصل موضوع ظفرعلی خاں اور ان کے ادبی کارنامے ہے جو الگ الگ حصوں میں پیش کریں گے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

مولانا ظفر علی خاں کے حالات زندگی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شجرۂ نسب :

(حاصل کردہ از مسعود علی خاں نبیرۂ مولانا ظفر علی خاں)

بھیم دیو

|

صاحب خاں

|

ہیبت خاں

|

سکھر خاں (تین بیٹے تھے جن میں سے ایک درج ذیل ہے)

|

ملک درویش خاں (چھ لڑکے تھے جن میں سے ایک درج ذیل ہے) ۔

|

نصیر خاں

|

راجہ مخدوم خاں

|

راجہ محمد تقی خاں

|

راجہ محمد صدیق خاں (تین لڑکے تھے جن میں سے ایک درج ذیل ہے) ۔

|

راجہ محمد مخلص خاں

|

احمد خاں عرف شیخ احمد

|

محمد حسن خاں (پانچ بیٹے تھے جن میں سے ایک درج ذیل ہے) ۔

|

(بقیہ شجرہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرم الٰہی خاں

- سراج الدین احمد
  - (۱) مولانا ظفر علی خاں[۲]
  - (۲) محمود احمد خاں[۳]
    - مولانا اختر علی خاں
      - منصور علی خاں
      - مسعود علی خاں
        - معظم علی خاں — اور تین لڑکیاں
- روشن دین[۱]
  - غلام حیدر خاں
  - حامد علی خاں
- کنیز فاطمہ (دختر)
  - محمد اکبر خاں (جوانی میں انتقال کیا - ۱۹۰۴ء)
  - حمید احمد خاں
  - اور دو بہنیں :
    - (۱) حمیدہ بیگم
    - (۲) خالدہ بیگم

---

۱ - بحوالہ پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم خط بنام حقیر : "والد صاحب کی ایک تحریر میں یہ نام روشن علی ملتا ہے" (مؤرخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء) -

۲ - زوجۂ اول سے -

۳ - زوجۂ ثانی سے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ اول

خاندان کا تاریخی پس منظر

آج سے چار سو سال پیشتر دریائے جہلم کے کنارے ایک با اقبال گھرانا آباد تھا جس کے سربراہ راجہ درویش خاں تھے - اس گھرانے کا تعلق راجپوتوں کی جنجوعہ گوت سے ہے[1] - راجہ صاحب کے پردادا کے باپ ہندو راجپوت تھے - مگر پردادا (صاحب خاں) نے آبائی مذہب ترک کرکے اسلام قبول کر لیا تھا - مولانا خود کہتے ہیں :

اسلام امتیاز نسب کا حریف ہے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ہیں اسلامیوں میں ہم

ہندوستان عرب کے گھرانے میں ہے شریک
کل آریہ تھے ، آج ملے شامیوں میں ہم

انھی صاحب خاں کے پوتے ، راجہ ملک درویش‌خاں ذی ثروت اور ذی اقتدار تھے - ان کے انتقال کے بعد بیٹوں میں تنازعہ پیدا ہوگیا جس کے نتیجے میں راجہ صاحب کے ایک بیٹے نصیر خاں نے آبائی ریاست کو خیرباد کہہ کر مشرق کا سفر اختیار کیا اور اپنی شجاعت و تہور کے جوہر کے بدولت انھوں نے از سر نو راحت و آرام کے سامان فراہم کر لیے اور دریائے چناب کے کنارے نصیرآباد نامی ایک مقام آباد کرکے فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے - گردش روزگار نے نصیر خاں کی اولاد کو پھر آبائی وراثت کی آسائشوں سے محروم کر دیا اور یہ جگہ چناب کی طغیانی میں تباہ ہوگئی - ان کی اولاد بے خانماں ہوکر تن بہ تقدیر نکلی اور قرب و جوار کے علاقوں میں مختلف افراد نے مختلف دیہات آباد کر لیے اور پنجاب میں عام طور پر طوائف‌الملوکی کے دور دورہ کے باعث ہر فرد نے اپنی حفاظت کے لیے اپنے گاؤں میں گڑھیاں تعمیر کر لی تھیں[2] -

---

۱ - روزنامہ زمیندار ، لاہور جولائی ۱۹۲۳ء -
۲ - ایضاً -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس خاندان میں محمد حسن خاں (ظفر علی خاں کے پردادا) دارا پور[1] ضلع جہلم میں مقیم تھے ، اور بقول پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم ان کی ساری عمر عسرت میں گزری[2] - پنجاب میں سکھوں کی دہشت گردی میں محمد حسن خاں سابق الذکر کے والد (احمد خاں) خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ سکھوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے - محمد حسن کی والدہ اپنے یتیم بچے کو لے کر بھاگیں ، اور اوجلہ ضلع گوجرانوالہ میں جائے پناہ تلاش کی ، اور وہیں اپنے بچے کی پرورش کی - اس کے بعد یہ خاندان کوٹ سہرتھ تحصیل وزیر آباد میں منتقل ہو گیا -

محمد حسن مرحوم کے تین بیٹے ہوئے - جن میں ایک مولوی کرم الٰہی مرحوم (مولانا ظفر علی خاں کے دادا) تھے - مولوی صاحب مرحوم نے عربی و فارسی میں کافی دستگاہ حاصل کر لی تھی - وہ تعلیم کی تکمیل کے بعد مشن سکول صدر بازار سیالکوٹ میں فارسی ، عربی کے مدرس اول مقرر ہوئے - بقول پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم مولوی سراج الدین احمد (پسر مولوی کرم الٰہی) کی تعلیم و تربیت اسی اسکول میں ہوئی تھی - مولوی کرم الٰہی کے دوران ملازمت ایک بنگالی استاد نے ان سے معاوضہ پر فارسی ، اردو پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو مولوی صاحب نے فرمایا :

"میں آپ سے فارسی ، اردو پڑھانے کا معاوضہ نقدی کی شکل میں نہیں لینا چاہتا - میرا معاوضہ صرف یہ ہے کہ آپ اس کے بدلے میں میرے بیٹے سراج الدین احمد کو انگریزی پڑھا دیں - چنانچہ بنگالی استاد نے اس تجویز کو منظور کرلیا اور مولوی سراج الدین احمد نے خصوصی طور پر اسکول کے علاوہ بنگالی استاد سے انگریزی پڑھی[3] - مولوی صاحب (کرم الٰہی) اپنے زمانے میں نامور استاد تھے ، اور افسران بالا نے ان کا ذکر نہایت اچھے انداز میں کیا -

ان کی فراست اور دور اندیشی سے اس خاندان کی مالی حالت بھی بہتر ہوگئی تھی ، اور انھوں نے اپنی کفایت شعار زندگی کے سبب اتنا پس انداز کر لیا تھا ، کہ جب وہ سیالکوٹ چھوڑ کر مستقلاً وزیر آباد میں آباد ہوئے تو انھوں نے شہر سے باہر موضع ونجو والی کے قریب ایک وسیع قطعہ زمین خرید

---

۱ - روزنامہ زمیندار ، لاہور ، جولائی ۱۹۲۴ء -
۲ - خط (بنام راقم) پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم ، مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۱ء -
۳ - چودھری غلام حیدر : زمیندار گولڈن جوبلی نمبر ، جنوری ۱۹۵۲ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر اس میں دو پختہ کنویں تعمیر کیے اور اپنی رہائش کے لیے کچی اینٹوں کا ایک وسیع مکان بھی بنایا اور اس آبادی کا نام کرم آباد تجویز کیا[1]۔ مولوی صاحب نے ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا اور اپنے ہی باغ میں دفن ہوئے۔ ان کی قبر کے سنگ پر یہ شعر کندہ ہے:

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظران خواہد بود

مولوی سراج الدین احمد:

ظفر علی خاں کے والد مولوی سراج الدین احمد فتو منڈی ضلع گوجرانوالہ میں ۱۹ جنوری ۱۸۵۰ء مطابق ۵ ربیع الاول ۱۲۶۶ھ بروز پنج شنبہ پیدا ہوئے[2]۔ ان کی تعلیم و تربیت اپنے والد (مولوی کرم الٰہی) کے زیر نگرانی ہوئی اور انھوں نے بھی اسی اسکول میں تعلیم پائی جہاں ان کے والد سیالکوٹ میں استاد تھے۔ میجر فلر، ڈائریکٹر سر رشتہ تعلیم نے جب اسکول کا معائنہ کیا تھا، تو مولوی سراج الدین احمد (طالب علم اسکول) کے متعلق یہ لکھا تھا کہ "یہ لڑکا نہایت ہشیار ہے اور مدرس اول (مولوی کرم الٰہی) کا بیٹا مدرسہ کا زیور ہے[3]۔"

اس امر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے والد کے زیر نگرانی کس طرح تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے۔

مولوی کرم الٰہی قناعت پسند، صاف گو اور سیدھے مسلمان تھے۔ یہی چیز وراثت میں ان کی اولاد کو بھی ملی۔

مولوی سراج الدین احمد کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اکتوبر ۱۸۶۷ء کا مہینہ تھا[4]۔ انھوں نے اپنی والدہ سے دال کھاتے کھاتے اکتا جانے کا ذکر کیا۔ جب ان کی والدہ نے یہ بات ان کے والد کو بتائی، تو انھوں نے متانت سے جواب دیا کہ "یہاں تو دال ہی پکا کرے گی۔ اگر اسے گوشت کھانا ہے تو اپنا انتظام خود کرنا چاہیے۔" اس فقرے نے بیٹے کے دل پر اثر کیا۔ والدہ سے ایک روپیہ لیا، اور اجازت لے کر اپنے گاؤں سے آ گئے۔ پھر منشی عزیز الدین وکٹوریہ پریس گوجرانوالہ کے یہاں ملازم ہوئے۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک

۱۔ چودھری غلام حیدر: بحوالہ خود نوشت سوانح عمری مولوی سراج الدین احمد، زمیندار گولڈن جوبلی نمبر، ۱۹۵۳ء۔

۲۔ ایضاً: بحوالہ خود نوشت سوانح عمری مطبوعہ زمیندار ہفتہ وار ۱۹۱۰ء۔

۳۔ بحوالہ زمیندار جلد ۸، صفحہ ۱۳ (۱۹۱۰ء) ہفتہ وار۔ خود نوشت سوانح عمری مولوی سراج الدین احمد مرحوم۔

۴۔ ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجہ ،وتی سنگھ کے پاس (سیالکوٹ میں) ان کے بچوں کے اتالیق کے طور پر تیس روپے ماہوار پر ملازم رہے۔ لیکن یہ ملازمت بھی عارضی ثابت ہوئی، اور اس کے خاتمے کے بعد محکمہ ڈاک میں ملازمت مل گئی، اور اسی محکمہ سے انھوں نے پنشن لی۔ ان کی کارکردگی اور حسن خدمت کے سبب حکومت کشمیر نے ان کی خدمات مستعار لے لی تھیں۔ یہاں بھی انھوں نے ایک عرصہ تک کام کیا، اور یہ خدمات نہایت مستعدی اور اعلیٰ کارکردگی سے انجام دیں۔ یہاں رہ کر انھیں کشمیری مسلمانوں کے بہبود اور ان کی خدمت کے زیادہ مواقع ملے۔ انھوں نے وہاں غلام محی الدین رکن کونسل کشمیر کے ذریعے بیگار کی قدیم رسم کو ختم کرانے کی سعیٔ بلیغ بھی کی تھی۔

ان کی طبیعت میں خودداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس لیے انگریز کی ملازمت نے بھی ان کی خودداری پر کوئی حرف نہیں آنے دیا۔ یہی سبب تھا کہ جب اس قسم کے مواقع پیش آئے، تو انھوں نے کبھی عزت نفس کو ملازمت پر قربان نہیں کیا۔[1]

خود ان کے صاحبزادے چودھری غلام حیدر راوی ہیں: ”والد صاحب مرحوم مختلف مقامات پر پوسٹ ماسٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ کسولی یا ڈگشائی کا واقعہ ہے کہ ایک اتوار کو ڈاک خانہ بند تھا۔ ایک گورے سارجنٹ نے ڈاک خانے کے برآمدہ میں پہنچ کر کہا ”بابو! ہم چٹھی رجسٹری کرانا مانگتا“ مولوی صاحب (سراج الدین احمد) نے جواب دیا۔ ”آج ڈاک خانہ بند ہے۔ رجسٹری نہیں ہو سکتی۔“ گورے سارجنٹ نے کہا ”یو۔ ڈیم۔“ یہ سنتے ہی انھوں نے ڈاک خانے کے چپراسیوں کو ڈاک خانہ کھولنے کا حکم دیا۔ جب سارجنٹ یہ سمجھ کر کہ میری چٹھی رجسٹری ہونے والی ہے، ڈاک خانہ کے کمرے میں داخل ہوا، تو انھوں نے چپراسیوں کو حکم دیا، کہ رول سے اس گورے کی خوب مرمت کی جائے۔ جب دو رول سے اس کی تواضع ہوگئی، تو مولوی صاحب نے اس سے کہا کہ ”یو۔ ڈیم! نکل جاؤ، تمھاری رجسٹری ہو گئی۔“

---

[1] مولوی سراج الدین احمد کی سرکاری ملازمت کا آغاز بعمر ۲۲ سال ۱۸۷۲ء میں ہوا، تقریباً تیس سال ملازمت کے بعد ریٹائر ہوئے۔ مولوی سراج الدین احمد اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۸۹۰ء میں کونسل کی سفارش پر حکومت کشمیر کی ملازمت میں لیے گئے تھے۔ انھوں نے پوری لیک نامی کے ساتھ بارہ سال وہاں گزارے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے دن شام کو مولوی صاحب سڑک کے کنارے جا رہے تھے تو اتفاق سے اس گورے سارجنٹ نے انھیں پہچان لیا اور دیکھتے ہی بولا ''آؤ ہم دوستی کر لیں'' ۔ مولوی صاحب نے اُس سے ہاتھ ملایا اور وہ ہنستا ہوا چلا گیا[1] ۔

یہ مولوی سراج الدین احمد کے والد کی تربیت کا اثر تھا کہ وہ بے حد پابند شرع تھے اور محرمات کے کبھی بھی قریب نہیں گئے ۔ وہ جس زمانے میں بھوانی تعینات تھے ، ایک اتوار کو ریلوے سٹیشن کے ہندو سٹیشن ماسٹر نے ڈاکٹر پرمانند اور ایک دو صاحبان کی دعوت کی ۔ یہ بھی مدعو تھے ۔ جب شراب کا دور شروع ہوا تو حاضرین بالخصوص میزبان اور ڈاکٹر پرمانند نے اصرار کیا ۔ انھوں نے پیشاب کا بہانہ کیا اور اپنے بیٹے غلام حیدر خاں کو ساتھ لے کر باہر چلے آئے[2] ۔

جس زمانے میں وہ اپنی ملازمت کے سلسلے میں لاہور تعینات تھے تو وہیں ان کا دائرۂ احباب وسیع ہوا اور بازار حکیماں میں حکیم شہباز دین کی بیٹھک میں جمع ہونے والے حضرات سے اُن کے تعلقات بڑھے ، جن میں سر عبدالقادر ، سر شہاب الدین ، خواجہ رحیم بخش ، خواجہ امیر بخش ، سید محمد شاہ وکیل اور خلیفہ نظام الدین شامل تھے ۔ مولوی سراج الدین احمد اور خلیفہ نظام الدین پر سرسید کے خیالات اور حالی کے مسدس کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ وہ ہر بات میں سرسید کی قومی تحریک کی ہمہ گیری اور حالی کی نظم 'مسدس حالی' کی تعریف کا پہلو نکال لیتے تھے ۔ خلیفہ نظام الدین نہایت مؤثر انداز میں مسدس حالی کے بند پڑھتے اور مولوی صاحب کسی نہ کسی موضوع کے سلسلے میں سرسید کی اس جد و جہد کا ذکر کرتے جس کا مقصد اُن کے نزدیک احیائے اسلام کے سوا کچھ نہیں تھا[3] ۔

مولوی سراج الدین احمد چونکہ ایسے محکمہ میں ملازم تھے جس پر اس زمانے میں غیر مسلم اقوام کے افراد مسلط تھے ، اس لیے ان کی ہر تقریر میں مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کا بیان ضرور ہوتا اور وہ اس بات پر زور

---

۱ ۔ زمیندار ، گولڈن جوبلی نمبر ، لاہور ، جنوری ۱۹۵۲ع ۔

۲ ۔ واقعہ بہ زبانی چودھری غلام حیدر مرحوم: زمیندار،گولڈن جوبلی نمبر۱۹۵۲ع لاہور ۔

۳ ۔ حکیم احمد شجاع مرحوم : لاہور کا چیلسی ، نقوش ، لاہور ، طبع ۱۹۶۶ع ، (شمارہ نمبر ۱۰۶) ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا کرتے تھے کہ "جب تک مسلمان اپنے علم کے اعتبار سے ہندوؤں کے برابر نہیں ہو جاتے ، اور اس صلاحیت کی بنا پر سرکاری ملازمتوں میں اپنا مناسب حصہ حاصل نہیں کر لیتے، ان کی معاشرتی ترقی ایک ایسا خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا ۔" ان کی گفتگو سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی تھی کہ پنجاب کے زمیندار جو اس صوبے کے معاشرتی نظام میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں ، جب تک علم سے محروم اور سرکار دربار میں عزت حاصل کرنے کے وسائل سے عاری رہیں گے تو پنجاب کا صوبہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے دوش بدوش شاہراہ ترقی پر گامزن نہیں ہو سکے گا[1] ۔

اردو کی خدمت :

وہ ریاست کشمیر میں مستعار خدمت پر تھے کہ ۱۸۹۸ء میں اودھ کی سرزمین سے اردو زبان کی مخالفت کا طوفان اٹھا[2] ۔ پنجاب بھی اس کے اثر سے متأثر ہوا ۔ ۱۸۹۹ء میں نواب محسن الملک نے اردو تحریک شروع کی ۔ آخرکار اس عہد کے ارباب حکومت نے فیصلہ کیا کہ ہندی اردو کی مقبولیت کا جائزہ لیا جائے اور طریقۂ کار یہ طے پایا کہ "ہندوستان کے محکمہ رسل و رسائل کے ذریعے سے ان خطوط کے اعداد و شمار فراہم کیے جائیں جن کے پتے ان دونوں زبانوں میں لکھے جاتے ہیں ۔ مولوی سراج الدین احمد اس زمانے میں کشمیر میں تعینات تھے۔ جب وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوئے تو انھوں نے اپنے روز و شب اسی کام کے لیے وقف کر دیے کہ مسلمان اپنے خطوط کے پتے اردو زبان میں لکھیں ۔ یہ تحریک انھوں نے پنجاب میں پہنچائی اور اس پیغام کو ہر جگہ پہنچایا[3] کہ "خط انگریزی میں لکھا جائے یا اردو زبان میں ، مگر لفافے پر پتے اردو زبان میں لکھیں اور مسلمان اپنا فریضہ سمجھ لیں کہ خط لکھنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو ، کم از کم چھ مہینے تک بے شمار خط لکھیں ، اور پتے لکھتے وقت اس قومی فریضے کو ملحوظ رکھیں ۔ اس تحریک کا نتیجہ کم سے کم پنجاب میں

---

۱ ۔ محمد طفیل : نقوش ، لاہور—آپ بیتی نمبر حصہ دوم، ص ۱۳۵۵ ۔

۲ ۔ حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۱۴ ، طبع اول ، کراچی ۔

۳ ۔ حکیم احمد شجاع مرحوم (انٹرویو) و چودھری غلام حیدر : گولڈن جوبلی نمبر زمیندار ۱۹۵۳ء باختلاف جزئی ۱۹۶۸ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو یہ ہوا کہ حکومت پر یہ امر واضح ہو گیا کہ اردو اس خطہ میں دوسری زبانوں سے زیادہ ہی نہیں بلکہ سب زبانوں سے زیادہ مقبول ہے۔ مولوی صاحب کا یہ کارنامہ اردو زبان کی بقا و استحکام کے لیے ایک لائق ذکر کارنامہ رہا اور ان کے ہم جلیس مولوی صاحب کی اس مہم سے متأثر ہوئے۔ وہ سب ان کی رائے کا کم سے کم سیاسی و تعلیمی معاملات میں احترام کرتے تھے۔ کبھی کبھی ان کے مضامین تہذیب الاخلاق میں بھی شائع ہوئے[1]۔

ذوق شعری :

انھوں (مولوی سراج الدین احمد) نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھا ہے کہ :

''مجھے ابتدائی عمر ہی سے شعر و شاعری کا شعور تھا۔ ابھی میری عمر دس سال کی تھی کہ ایک دن والد بزرگوار کے ایک دوست کو مثنوی گلزار نسیم کی تعریف کرتے سنا۔ اسی اثنا میں میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس مثنوی کو فارسی میں لکھوں۔ چنانچہ میں نے پکا ارادہ کر لیا اور اس کی ابتداء بھی کر دی۔ تقریباً سو شعر لکھے ہوں گے کہ ایک دن جب میں فکر شعر میں مستغرق تھا کہ والد بزرگوار سر پر آ کھڑے ہوئے۔ مجھے ان کے اس طرح اچانک آنے کی مطلق خبر نہ ہوئی اور وہ کھڑے دیکھتے رہے۔ آخر انھوں نے پوچھا کہ ''یہ محویت کیسی ہے'' ؟ میں آواز سن کر تعظیم کے لیے کھڑا ہوا ــــ والد صاحب نے فرمایا ''یہ شاعری تمھیں لے ڈوبے گی اور دین و دنیا سے گنوا دے گی''۔ یہ کہہ کر جو اوراق لکھے ہوئے تھے، انھوں نے اٹھا کر پارہ پارہ کر دیے اور آئندہ کے لیے عہد لیا کہ شعر گوئی کا خیال تک دل میں نہ لاؤں گا[2]''۔

بہرحال اس واقعے سے یہ پتہ اچھی طرح چل جاتا ہے کہ شاعری کا ذوق ان کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ جو کچھ اشعار ان کی یادگار کے طور پر باقی ہیں، ان سے ان کی شگفتہ بیانی کا پتہ چلتا ہے۔ فارسی اشعار سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ کا رنگ بہت پسند تھا۔ ان کی یہ غزل جو لطف زبان اور

---

۱ - چودھری غلام حیدر مرحوم (برادر خورد مولانا ظفر علی خان) : اقتباس از ظفر الملت، غیر مطبوعہ مسودہ۔

۲ - مولوی سراج الدین احمد : (خود نوشت سوانح عمری) شائع شدہ، زمیندار ہفتہ وار ۱۹۱۰ع کرم آباد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت حال کے اعتبار سے دل نشین انداز لیے ہوئے ہے، وہ درج ذیل ہے (یہ غزل حافظ کی بحر اور اسی کے رنگ میں کہی گئی ہے) :

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا
کہ گردد از شکست مے ، شکستِ شیشۂ دلہا

لہ با این آشنایان ، آشنائے بحر الفت باش
کہ بگذارند کشتی را چون می بینند ساحلہا

سراج الدین احمد زادِ راہِ خویش گیر اکنون
رفیقاں بہر نفع خویشتن بندند محملہا

ان کی ایک اور معرکۃ الاراء نظم "دہقان کی داستان" کے نام سے بھی شائع ہوئی تھی[۱]۔ انہوں نے ریاست کشمیر میں بھی بحیثیت شاعر حصہ لیا تھا اور اس حسین و جمیل وادی کی تعریف میں نغمہ سرائی کرکے اردو کو مقبول عوام بنانے کی سعی کی تھی[۲]۔

خصوصیات شاعری :

(۱) بدیہہ گوئی کا کمال ان کی فطرت میں تھا ۔ چنانچہ ایک موقع پر حسب ذیل اشعار فی البدیہہ کہے گئے تھے :

پلا ساقی مجھے بھر بھر کے کاسے
غزل لکھتا ہوں میں طبع رسا سے

الجھتا ہے تری زلف دوتا سے
خطا سرزد ہوئی مشک خطا سے

سپرد خامہ کس کس کو کروں میں
ہیں آتے دم بدم مضمون ہوا سے

نکل اے اشک خود در پر آرہے ہیں
کھڑا ہوں منتظر وقت عشا سے

---

۱ - مخزن ، لاہور ، جنوری ۱۹۰۱ع -
۲ - حبیب کیفوی : "جموں و کشمیر کے چند اردو شعرا" - صحیفہ سہ ماہی لاہور ، ص ۴۲ ، جنوری ۱۹۶۸ع -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ نکلے جو بدخشاں سے بھی گوہر
نکالوں کان طبع نکتہ زا سے

(۲) ان کی دوسری خصوصیت محبت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا والہانہ اظہار ہے۔ انھوں نے اپنی ایک غزل میں اس امر کا یوں اظہار کیا ہے:

احمد اگر خاک پاک پائے احمد مرسل نہ شوم
خاک خواہد شدن خود، خاک بر عصیان ما

سید الطاف علی بریلوی نے اپنی کتاب ''علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں'' طبع ۱۹۷۰ء کراچی، ص ۹۳ پر منشی سراج الدین احمد کی ۱۰۷، اشعار کی ایک فارسی نظم بھی درج کی ہے جو انھوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے ساتویں اجلاس منعقدہ دہلی ۱۸۹۲ء میں ارتجالاً پڑھی تھی۔ جس میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔ اس نظم سے نہ صرف ان کی فارسی شعرگوئی کا پتہ چلتا ہے بلکہ قومی ہمدردی سے پر جذبے اور سرسید احمد خاں مرحوم کے ساتھ ان کی نیازمندی کا بھی کہ وہ سرسید کے کارناموں سے کس قدر متاثر تھے:

دوش در سر داشتم از حال این و آن جنون
حیرتے می کرد در پہلو دلم را غرق خون

از کجائیم و چہ بودیم و چہ گشتہ ایم ما
آن چہ بود و این چہ باشد آن چرا و این چگون

اہل مشرق تیرہ بخت و اہل مغرب نیک روز
خفتگان بیدار و بیداران بہ غفلت سر نگون

غوطہ خوران سبک ران نزد ساحلہا شدند
نا خدایان غرق دریائے و ہم لا یرجعون

در چنین حال تباہ ما بگوش من رسید
از علی گڑھ نالہ یا لیت قومی یعلمون

سیدے دیدم بدل صد حسرت و افسوس و غم
لب بصد شور و فغان، چشمے بصد دریائے خون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باز تدبیرش بفرمود و نیا کالج نہاد
راست سازد گو بفضل اللہ بخت واژگون

باز مترتب نمود این بزم اخوان الصفاء
تا شود سوے سعادت قوم ما را رہنموں

عادات و اخلاق :

مولوی صاحب کریم النفس اور شریف الطبع انسان تھے ۔ عزیزوں کا کیا ذکر ہے۔ ماتحت ملازموں پر بھی انتہائی شفقت رکھتے تھے۔ بہت سیر چشم تھے۔ ان کی سیر چشمی کا ہمیشہ یہ عالم رہا کہ گھر میں بطور خاص ایک مٹکا اناج سے پر ، اور کھدر کے کپڑے تیار رہتے تھے ۔ ان کے پاس جو بھی ضرورت مند آتا ، وہ کبھی محروم نہ جاتا :

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ضرورت مند مولوی صاحب کے پاس آیا ۔ انھوں نے خادمہ سے کہا "اسے کچھ دے دو" اس نے ٹالنے کی غرض سے کہہ دیا کہ "مٹکے کا منہ بند ہے" آپ نے فوراً اٹھ کر مٹکے کا منہ توڑ دیا اور اس سے کہا ، بے بے اب دے دو ۔"

فارغ البالی کے باوجود امارت اور غربت ان کے لیے بے معنی تھی ۔ الھوں نے فرو گزاشت کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا اور آنے والا کتنا ہی غریب کیوں نہ ہوتا ، اس کا خیر مقدم ان کا فرض اولین تھا ۔ جس حال میں بھی جو کوئی آتا ، وہ اپنی مرفہ الحالی کے باوجود اسے اپنے ساتھ بٹھاتے اور اس کی پوری دل دہی کرتے ، غریبوں کے کام آتے ، ان کی حالت زار کو بہتر بنانے کے لیے مختلف تجویزیں سوچتے رہتے تھے[1] ۔

---

۱ ۔ انٹرویو از خالدہ صاحبہ دختر حمیدہ بیگم صاحبہ : بمقام کرم آباد (۱۹۶۹ع)۔

نوٹ : کرم آباد میں مولوی سراج الدین احمد کا تعمیر شدہ مکان وسیع و عریض رقبہ پر اچھی حالت میں ہے ۔ اس مکان میں خصوصیت سے دروازوں پر کشمیری طرز کے نقش و نگار ہیں اور دیدہ زیب ہیں ۔ خالدہ صاحبہ اسی مکان میں فروکش تھیں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمیندار کا اجرا :

ان کی پنشن کا آخری زمانہ کسانوں کی سخت بے چینی کا زمانہ تھا ۔ اس بے چینی کو دور کرنے کے لیے انھوں نے زمیندار اخبار ہفتہ وار لاہور سے جنوری ۱۹۰۳ء میں نکالا تاکہ اس کے ذریعے وہ غریب زمینداروں کی آواز حکومت تک پہنچا سکیں ۔ بعد میں اپنی بعض مجبوریوں کے باعث وہ اسے اپنے وطن کرم آباد لے آئے ، اسی لیے انھوں نے لکڑی کا ایک پریس بھی لگا لیا ۔ اپنے شغف کے سبب وہ یہ اخبار اپنے آخری وقت دسمبر ۱۹۰۹ء تک نکالتے رہے[1] ۔

اطاعت والدین :

اطاعت والدین کی جو اعلیٰ مثال مولوی صاحب موصوف نے قائم کی ، اس کا اندازہ بہت کم لوگوں کو ہوگا ۔ اپنے والد کا حکم ماننا ان کے لیے فرض عین تھا ، جس کی کتنی ہی مثالیں ان کی زندگی میں ملتی ہیں ۔ ۱۸۹۰ء میں جب ان کے والد نے انتقال کیا تھا تو وہ اس زمانے میں بھوانی میں تعینات تھے ۔ وہ خبر ملتے ہی آئے اور بے اختیار اپنے آپ کو اپنے باپ کی قبر پر گرا دیا[2] ۔

قومی خدمات :

وہ ساری عمر جہد للبقا میں مصروف رہے ۔ اس دور میں مسلمانوں کے لیے دو بڑی مصیبتیں تھیں ۔ ایک انگریزوں کا اقتدار ، دوسرے ابنائے وطن کی ریشہ دوانیاں ، اسی لیے مسلمانوں کی ترقی کے راستے تقریباً بند کر دیے گئے تھے ۔ وہ ایسے باہمت انسانوں میں سے تھے ، جنھوں نے ذاتی جاہ کی کوئی پروا نہیں کی لیکن ان کو مسلمانوں کی خدمت کی دھن برابر لگی رہی ۔

انھوں نے کشمیر میں خاص اصلاحات رائج کرانے کی سعی کی اور مسلمانوں کے لیے ملازمت کے دروازے بھی کھلوائے اور اپنی دیانت سے دشمن کا منہ بھی بند کر دیا اور ایسے نامساعد ماحول میں بھی اردو کے تحفظ اور اسلام کی بقا کے لیے وہ پوری کوشش کرتے رہے اور آخری وقت میں اپنے خلف اکبر ظفر علی خاں کو اس امر کی وصیت بھی کر گئے کہ ”چاہے کچھ بھی ہو ، زمیندار کو کسی طرح نہ بند کیا جائے ۔“

---

۱ ۔ حکیم احمد شجاع : زمیندار گولڈن جوبلی ، لاہور ۱۹۵۳ء ۔

۲ ۔ چودھری غلام حیدر مرحوم (برادر ظفر علی خاں) : زمیندار گولڈن جوبلی نمبر جنوری ۱۹۵۳ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصانیف :

(۱) ارکان اسلام -

(۲) اپریل فول -

وفات :

یہ بزرگ خادم قوم تین ماہ کی علالت کے بعد ۶ دسمبر ۱۹۰۹ع کو صبح چار بجے انسٹھ برس کی عمر میں اللہ کو پیارا ہو گیا[1] -

ظفر علی خاں کچھ عرصہ قبل حیدرآباد سے واپس آ چکے تھے - انھوں نے اپنے باپ کو دم واپسیں یہی کہتے سنا "ظفر علی ! دیکھنا ، اس اخبار کو بند نہ کرنا ، اس کو میں نے اپنے خون سے سینچا ہے"۔ لائق بیٹے نے یہ بات گرہ میں باندھ لی ، اور بقولے اگر پدر نتواند پسر تمام کند ، کا پورا مصداق بن کر دکھایا :

این سعادت بزور بازو نیست[2]

خدمات کا اعتراف :

ان کے انتقال پر اخبارات نے ان کی قومی و ادبی خدمات کا اعتراف کیا جن میں اخبار وکیل امرتسر ، الحکم قادیان ، البشیر اٹاوہ ، اخبار تاجر دہلی ، مشیر دکن ، ہنٹر لاہور ، جھنگ سیال جھنگ ، افغان پشاور ، ذوالقرنین بدایوں ، صحیفہ بجنور ، ہندوستان لاہور ، پرکاش لاہور ، آفتاب سندھ ، آبزرور (انگریزی) لاہور ، پنجابی لاہور خصوصیت سے قابل ذکر ہیں[3] -

سندھ کے اخبار 'آفتاب سندھ' نے ان کے انتقال کی خبر ان الفاظ میں شائع کی :

"نہایت افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ ہمارے معزز ہمعصر مولوی سراج الدین احمد ، مدیر جریدہ زمیندار نے تین ماہ کی علالت کے بعد ۶ دسمبر ۱۹۰۹ع کو انسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا - مرحوم زمیندار کانفرنس کے بانی تھے - ملک پنجاب میں نامور ، تجربہ کار پنشنر افسر

---

۱ - عنایت اللہ خاں : مدیر حریت ہفتہ وار ، لاہور ، جلد ۱ ، شمارہ نمبر ۵ ، ۱۹۲۲ع -

۲ - صحافت کے موضوع پر اس کتاب کا تیسرا حصہ "ظفر علی خاں بحیثیت صحافی" الگ لکھا گیا ہے -

۳ - زمیندار ہفتہ وار کرم آباد ۱۹۱۰ع ، ایڈیٹر ظفر علی خاں -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مشہور اخبار زمیندار کے ایڈیٹر تھے ۔ کراچی میں کانفرنس کے موقع پر نیازمند ایڈیٹر آفتاب سندھ کو بھی مرحوم سے ملاقات کا خاص شرف حاصل ہوا تھا ۔ مرحوم نہایت روشن خیال ، ہمدرد قوم اور جواں ہمت بزرگ تھے ۔ ان کی وفات کے بعد پنجاب کے مسلمان خصوصاً زمیندار طبقہ جس قدر غم کرے ، تھوڑا ہے ۔ ہم مرحوم کے لائق فرزند مولوی محمد ظفر علی خاں ایڈیٹر "دکن ریویو" اور دیگر عزیزوں سے دلی ہمدردی کرتے ہیں اور مرحوم کی مغفرت کے لیے دست بدعا ہیں ۔ ہمیں مولوی صاحب سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق زمیندار اخبار کو اسی پیمانہ اور درجہ پر جاری رکھیں گے ۔"

سراپا :

مولوی سراج الدین احمد مرحوم شکیل و وجیہہ تھے ۔ گول چہرہ ، ابرو پیوستہ ، بڑی بڑی آنکھیں ، اونچی ناک ، چوڑی پیشانی ، داڑھی گھنی ، سر پر پگڑی ، درمیانہ قد ، رنگ سرخ و سفید ، آنکھوں میں چمک اور آواز میں سوز و گداز تھا :

"ہمت کے اعتبار سے تھا ہمسر فلک
یوں دیکھنے میں گرچہ قد اس کا میانہ تھا"

(ظفر علی خاں : بہارستان)

غرض ان کی زندگی سے ان کی بے تعصبی ، راست بازی ، مستقل مزاجی اور اصول کی پختگی کا پتہ چلتا ہے ۔ انھوں نے اپنی زندگی کو خود بنایا اور اپنے بلند کردار سے اچھی زندگی کا نمونہ پیش کیا ۔ جس امر کی توقع انھیں اپنی اولاد سے تھی ، وہ توقع ان کی پوری ہوئی ۔ ان کی اولاد میں سے ان کا ہر فرد خلف صالح بنا ۔ البتہ اپنے باپ کی توقعات (اخبار جاری رکھنے) کو ان کے خلف اکبر ظفر علی خاں نے سر توڑ کوششوں کے ساتھ اس طرح پورا کیا کہ وہ برصغیر پاک و ہند کے نامور لوگوں میں اپنی سیاسی ، ادبی اور صحافتی زندگی کے اعتبار سے اپنا ایک درجہ قائم کر گئے ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس برصغیر کی سیاسی ، ادبی اور صحافتی تحریکات کا ذکر کرنے والا کسی سبب سے بھی ان کی خدمات کو فراموش نہیں کر سکتا[۱] ۔

---

۱ ۔ ظفر علی خاں بحیثیت شاعر (اس مقالہ کا دوسرا حصہ) انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۸۱ء کی طرف سے شائع ہو چکا ہے اور تیسرا حصہ ظفر علی خاں بحیثیت صحافی الگ زیر طبع ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازدواجی زندگی :

مولوی سراج الدین کی پہلی بیگم سے تین لڑکے : ظفر علی خاں متوفی ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء ، غلام حیدرخاں متوفی ۱۹۷۹ء اور محمد اکبر علی خاں متوفی ۱۹۰۰ء ہوئے -

دوسری بیگم سے : پروفیسر محمود احمد خاں مرحوم، مولانا حامد علی خاں اور پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم (متوفی ۲۲ مارچ ۱۹۷۴ء) اور دو اولاد دختری ہوئیں - (۱) حمیدہ بیگم (۲) زہرہ بیگم صاحبہ[1] -

---

۱ - خط پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم بنام راقم (۱۹۷۲ء میں) -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم

حالات زندگی

ولادت :

مولانا ظفر علی خاں موضع مہرتھہ ضلع سیالکوٹ میں ۲۷ ذی قعد ۱۲۹۰ھ بمطابق ۱۷ جنوری ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے ۔ (آن کی ولادت کی تاریخ کے تعین میں جزوی اختلاف ہے)[1] لیکن آن کے خاندان میں آن کی سالگرہ منائے جانے کے لحاظ سے صحیح تاریخ کا تعین[2] تقویم کے لحاظ سے بھی مطابقت رکھتا ہے ، اسی لیے اسی تاریخ کا تعین اختیار کیا گیا ہے[3] ۔

---

۱ ۔ مولوی محمد عبداللہ قریشی:(نقوش، آپ بیتی نمبر، صفحہ ۱۳۷، اکتوبر ۱۹۵۶ء کے مطابق مولانا ظفر علی خاں کی ولادت ۱۸۷۰ء (۱۲۹۰ھ) ہے ۔

مولوی محمد عبداللہ قریشی : طنز و مزاح نمبر لاہور ص ۸۷۷ ، جنوری ۱۹۵۹ء، آن کی ولادت ۱۸۷۰ء (۱۲۹۰ھ) ہے ۔

اشرف عطاء : (مولانا ظفر علی خاں) طبع لاہور ۱۹۶۲ء ، ص ۲۲ ۔ ولادت ۱۲۹۰ھ (انگریزی تاریخ کا تعین نہیں ہے) ۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار : (مولانا ظفر علی خاں بحیثیت ادیب و شاعر) ص ۵۹۰ ، طبع لاہور ۱۹۶۷ء، "ولادت ۱۸۷۳ء/۱۲۹۰ھ ہے"۔

نامہ نگار زمیندار لاہور ۱۳ جولائی ۱۹۲۳ء ، "ولادت ۱۸۷۱ء کی ہے" ۔

عنایت اللہ خاں : مدیر حریت لاہور، جلد ۱، شمارہ نمبر ۵، ۶ اپریل ۱۹۲۲ء، "آن کی ولادت ۱۷ جنوری ہے" ۔

۲ ۔ عنایت اللہ خاں : مدیر حریت ہفتہ وار لاہور، حوالہ بالا "اور آن کی سالگرہ ، کرم آباد میں ۱۷ جنوری کو منائی جاتی ہے" ۔

۳ ۔ تقویم ہجری و عیسوی ، طبع انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۲ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ یہ مولوی سراج الدین احمد کے سب سے بڑے بیٹے تھے[۱]، اس لیے گھر والوں نے (اس نعمت خدا داد کے شکریہ میں) اُن کا نام خدا داد رکھا[۲] اور گھر کے کسی بزرگ اغلباً اُن کے دادا مولوی کرم الٰہی نے اُن کا تاریخی نام ظفر علی (۱۲۹۰ھ) رکھا۔

مولوی سراج الدین احمد کا یہ گوہر شب چراغ گھر کی چہار دیواری سے نکلا تو ظفر علی ہی کے نام سے مشہور خاص و عام ہوا اور "خدا داد" نام گھر کی چہار دیواری میں آہستہ آہستہ محدود ہو کر رہ گیا۔ البتہ یہ دونوں نام اپنی صفت کے اعتبار سے اُن کی ذات کا جزو بن گئے۔

(عجیب بات یہ ہے کہ انیسویں صدی کی اسی دہائی میں بر صغیر کے نامور ادیب و شاعر شمالی ہند میں پیدا ہوئے[۳])۔

یہ زمانہ مولوی سراج الدین احمد کی سرکاری ملازمت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ وہ ملازمت کے سلسلے میں اکثر وطن سے باہر رہتے تھے، اس لیے ظفر علی خاں کے ایام طفولیت اپنے دادا کی سر پرستی میں گزرے اور ان ہی کی شفقتوں کے سایہ میں بچپن کی منزلوں کو طے کرتے رہے۔ زمانے کے حالات کے مطابق پہلے انھیں قرآن مجید کی تعلیم دی گئی[۴]۔

اس کے بعد ابتدائی تعلیم (پرائمری تعلیم) مشن اسکول[۵] وزیر آباد میں ہوئی۔ یقیناً اُن کے دادا مولوی کرم الٰہی مرحوم نے اس مخصوص تعلیمی ماحول کو

۱۔ شجرۂ نسب خاندانی (جو اس مقالہ میں شامل ہے)۔
۲۔ اشرف عطاء: ظفر علی خاں، ص ۲۲، طبع لاہور ۱۹۶۹ء۔
۳۔ ولادت آغا شاعر ۱۸۷۱ء ہے، ولادت سر عبدالقادر ۱۸۷۴ء ہے، سر محمد اقبال کی ولادت ۱۸۷۷ء ہے۔ خواجہ حسن نظامی ۱۸۷۸ء، وحید الدین سلیم ۱۸۶۹ء، مولانا عبید اللہ سندھی ۱۸۷۳ء، حسرت موہانی ۱۸۷۵ء، فانی بدایونی ۱۸۷۵ء، مولانا محمد علی ۱۸۷۸ء، سر ذوالفقار علی ۱۸۷۶ء ہے۔
۴۔ ازالۃ الخفا (سوانح عمری خود نوشت ظفر علی خاں) شائع شدہ اپریل ۱۹۲۸ء، زمیندار لاہور۔
۵۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار: ظفر علی بحیثیت ادیب و شاعر، ص ۶۰، طبع لاہور ۱۹۶۷ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسند نہیں گیا ، اس لیے اس تعلیم سے غیر مطمئن ہو کر جبکہ اُن کی عمر ۱۱ - ۱۲ سال کی تھی ، اُنھیں مدرسۃ العلوم علی گڑھ بھیج دیا گیا[1] - پانچویں اور چھٹی جماعت وہاں سے پاس کی ، پھر وہاں سے واپس آ گئے - واپس آنے کی وجوہات کے بارے میں تمام ذرائع خاموش ہیں - زمیندار کے نامہ نگار نے اس کا سبب (مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں) اسٹرائک قرار دیا ہے - لیکن اس سلسلے میں کوئی حتمی شہادت نہیں ملتی - یہ بھی امکان ہے کہ کسی وبا کے پھیلنے کے باعث وطن واپس آ گئے ہوں - بہر حال اس کے بعد وہ مڈل سکول (کے امتحان کے موقع پر) داخلے کے لیے اپنے چچا غلام قادر کے پاس گوجرانوالہ چلے گئے - (وہاں وہ کتنا عرصہ رہے ؟ کوئی شہادت واضح نہیں ملتی) البتہ یہ بات یقینی ہے کہ آٹھویں جماعت کا امتحان پھر مشن ہائی اسکول وزیر آباد سے پاس کیا -

ابتدائی تعلیم کے بارے میں دو بیان ہیں - ایک بیان یہ کہ "انھوں نے مڈل تک تعلیم مشن اسکول وزیر آباد سے حاصل کی - اس دوران انھیں علی گڑھ مدرسہ میں بھی بھیجا گیا تھا لیکن وہ کچھ عرصہ وہاں رہ کر واپس چلے آئے اور مڈل کا امتحان مشن اسکول وزیر آباد سے پاس کیا - اُس کے بعد اُن کو ان کے پھوپھا کے پاس پٹیالہ بھیج دیا گیا"[2] - دوسرا بیان خود مولانا (ظفر علی خاں) کا ہے : "میں نے بچپن میں مشن اسکولوں میں تعلیم پائی ، پانچویں ، چھٹی علی گڑھ سے پاس کی ، آٹھویں مشن ہائی اسکول وزیر آباد سے ، پھر (میں نے) نویں پٹیالہ سے اور میٹرک کا امتحان الہ آباد و پنجاب ہر دو یونیورسٹی سے پاس کیا"[3] -

ایک خاندانی روایت یہ بھی ہے کہ "پٹیالہ بھیجے جانے کا سبب (مولانا) ظفر علی خاں کا کھلنڈرا پن بھی ہے - وہ شروع ہی سے ذہین تھے، اس لیے کم وقت میں اپنا کام کر لیتے تھے ، باقی وقت کھیل کود میں گزارتے تھے - چونکہ مولوی عبداللہ ان کے پھوپھا سخت گیر اللسان تھے ، اس لیے اُن کے کھیل کود پر زیادہ بندش لگانے کے لیے پٹیالہ منتخب کیا گیا[4] "-

---

۱ - زمیندار لاہور ، گولڈن جوبلی نمبر ، جنوری ۱۹۵۳ء -

۲ - نقوش لاہور ، آپ بیتی نمبر ، صفحہ ۲۳۲ -

۳ - ظفر علی خاں : آپ بیتی - نقوش : آپ بیتی نمبر لاہور ، جون ۱۹۶۴ء ، ص ۲۳۳ -

۴ - روایت بزبانی بیگم اختر علی خاں : انٹرویو ۱۹۶۸ء (مولانا ظفر علی کی بہو ، اور منصور علی خاں و مسعود علی خاں کی والدہ) -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بات بھی یقینی ہے کہ علی گڑھ سے واپسی کے بعد وہ گجرات اپنے والد کے ساتھ رہے جہاں مولوی سراج الدین احمد محکمہ ڈاک میں ملازم تھے اور اس درمیان میں اُن کے والد کی تبدیلی ہو جانے پر وہ گجرات ہی رہے اور یہاں کے ماحول نے اُن پر اچھا اثر ڈالا ۔ اور یہ اثر اُن پر ہمیشہ قائم رہا ۔ (چنانچہ جب وہ جنگ بلقان کے جلسے کے سلسلے میں گجرات گئے تو انھوں نے جلسے میں فرمایا : ”یہ فخر شیخ کرامت اللہ کے خاندان کو حاصل ہے کہ جب میرے والد کی تبدیلی ہوئی تو اس خاندان نے مجھے اپنے گھر رکھا[1] ۔“

اور یہ تو وہ اپنی تقریروں میں بالعموم فرمایا کرتے تھے کہ : ”گجرات کی علمی و ادبی سوسائٹی نے میری زندگی پر بچپن ہی سے اثر ڈالا ہے اور یہ اثر شیخ قانون گویوں کے خاندان سے میں نے حاصل کیا[2] ۔“

اسی لیے وہ اکثر گجرات آتے رہے اور اس خاندان کے بزرگوں کا ذکر بہت خلوص سے کرتے ۔ چنانچہ جب اس خاندان کے بزرگ چودھری علی احمد ۱۹۳۱ع میں انتقال ہوا تو اُن کے ارتحال نے مولانا کے دل پر اتنا اثر کیا کہ انھوں نے مرثیہ (قطعہ تاریخ) کہا اور جب فاتحہ خوانی کے لیے گئے تو یہ اشعار وہاں جا کر سنائے[3] ۔ اس طرح آخر زمانے تک اس خاندان کے ساتھ اُن کے خصوصی تعلقات قائم رہے) ۔[4]

---

۱ ۔ نقوش ، آپ بیتی نمبر لاہور ، ص ۳۲ ، طبع لاہور ۱۹۶۴ع ۔

۲ ۔ اخبار زمیندار، اپریل ۱۹۲۸ع لاہور ۔

۳ ۔ قطعہ تاریخ مطبوعہ بہارستان (مجموعہ کلام ظفر علی خاں) برائے شیخ علی احمد متوفی ۱۹۳۱ع گجرات ۔

۴ ۔ شیخ کرامت اللہ (مؤلف تاریخ گجرات) سے مولانا کے تعلقات خصوصی حد تک قائم ہوگئے تھے ۔ وہ اُن کے ساتھ اکثر و بیشتر ہم جلیس رہے ہیں ۔ شیخ صاحب مولانا کے اس قدر قریب رہے ہیں کہ اُن کی زندگی کے سینکڑوں واقعات کا براہ راست علم ہے ۔ اور اُن کو مولانا کے ہزاروں اشعار اُن کی شان ارتجال کے ساتھ زبانی یاد ہیں ۔ اس طرح شیخ صاحب کو مولانا کے مزاج میں بے حد دخل رہا ہے اور مولانا کی خصوصی شفقتیں اُن کے ساتھ رہیں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(زمیندار لاہور کے نامہ نگار نے ۲۴ جولائی ۱۹۲۴ء کے پرچے میں مولانا کا گیارہ سال کی عمر میں مڈل پاس ہونا بتایا ہے گویا انھوں نے ۱۸۸۵ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا ۔ اس حساب سے میٹرک کا امتحان ۱۸۸۷ء میں پاس کر لینا چاہیے تھا) ۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ میٹرک کا امتحان ۱۸۹۱ء میں پاس کیا ، جبکہ اُن کی عمر اُس وقت سترہ سال کی تھی کیونکہ ۱۸۹۰ء میں جب مولوی کرم الٰہی (اُن کے دادا) کا انتقال ہوا تو اُس وقت ظفر علی خاں اپنے پھوپھا (مولوی محمد عبداللہ) کے پاس پٹیالہ میں تھے ۔ یقینی طور پر اُس وقت وہ نویں جماعت میں ہوں گے ، اس لیے کہ میٹرک کا امتحان پاس کرتے ہی وہ علی گڑھ کالج میں داخل ہونے کے لیے چلے گئے تھے اور بغیر کسی رکاوٹ کے انھوں نے ۱۸۹۵ء میں بی ۔ اے کا امتحان پاس کر لیا تھا ۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ۱۸۹۰ء میں میٹرک کا امتحان پنجاب سے پاس کیا اور ۱۸۹۱ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے بھی پھر میٹرک کا امتحان دیا ۔ اس طرح ہر دو یونیورسٹیوں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا کیونکہ ایک سال ہی میں دو مختلف کورس کے ساتھ میٹرک کا امتحان دینا اس لیے بھی مشکل ہے کہ اُس زمانے میں میٹرک کے امتحان بھی تقریباً ایک ہی زمانے (مارچ) میں ہر جگہ ہوتے تھے ۔ بہر حال وہ ۱۸۹۱ء میں ہی جا کر علی گڑھ میں داخل ہوگئے ۔

مولوی سراج الدین احمد کو اُن کی تربیت کا خاص خیال تھا ۔ اُن کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی سبق آموز حکایت بیان فرماتے جو (مولانا) ظفر علی خاں بغور سنتے رہتے تھے تو حکایت کے خاتمہ پر اُن سے کہتے کہ کھڑے ہو کر یہی حکایت انگریزی زبان میں سنا دو ۔ مقصد یہ تھا کہ اُن کو انگریزی تقریر میں بھی مشق ہو جائے ۔ اس کے ساتھ آپ کی فارسی تعلیم بھی جاری تھی اور آپ دیوان حافظ (ظفر علی کو) پڑھایا کرتے تھے[1] ۔ (الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کا کورس زیادہ مشکل تھا ، کیونکہ یہاں تیسری جماعت سے انگریزی شروع ہو جاتی تھی جبکہ پنجاب میں پانچویں جماعت سے ، اسی لیے غالباً انگریزی میں زیادہ قابلیت پیدا کرنے کے سبب اُن کو الہ آباد یونیورسٹی سے بھی امتحان دلوایا گیا تھا) ۔

شادی کا اہم واقعہ :

اسی زمانے میں جب کہ اُن کی عمر بقول خود بارہ سال کی تھی ، شادی کا اہم واقعہ ہوا ۔ خاندانی روایت کے مطابق : ''مولوی سراج الدین احمد کے

۱ ۔ عنایت اللہ خاں ، مدیر اخبار حریت ہفتہ وار ، لاہور ، ۲ اپریل ۱۹۲۲ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمدھی ظفر علی خاں کے دادا ، مولوی کرم الٰہی کے پاس آئے اور اپنے قدیمی تعلقات کے سبب اپنی لڑکی کا عقد مولانا ظفر علی خاں سے کرنے کا خیال ظاہر کیا ۔ وہ اس رشتے کو اپنی لڑکی کے لیے موزوں سمجھتے تھے ، اس لیے انھوں نے مولوی کرم الٰہی کو اپنا ہم خیال بنا لیا ۔ مولوی کرم الٰہی نے اپنے عزیز کی اس خواہش کو خلوص و محبت پر محمول کرتے ہوئے پورا کرنے کا وعدہ کر لیا اور اسی خیال کے پیش نظر انھوں نے اپنے بیٹے مولوی سراج الدین احمد پر زور بھی دیا ۔ چونکہ وہ اطاعت گزار اور سعادت مند تھے ، اس لیے اپنے باپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم تو کر لیا — لیکن اپنی ڈائری میں جو الفاظ انھوں نے تحریر کیے ، اُس سے اُن کی شدید ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے ۔ انھوں نے اپنی ڈائری میں اس واقعے پر یوں تبصرہ کیا'' :

''میں نے اپنے باپ کی فرمانبرداری میں ہی یہ ایک قربانی کی ہے ۔ ۔ ۔ '' [۱] ۔

مولانا ظفر علی خاں نے یوں لکھا ہے کہ ''میری شادی بارہ برس کی عمر میں ہو گئی تھی ۔ جب بیوی گھر میں آئی [۲] تو میں ایک مدت تک یہ سمجھتا رہا کہ یہ کوئی مہمان لڑکی آئی ہوئی ہے ۔''

جب شادی کی تیاریاں گھر میں ہوتے دیکھیں تو انھوں نے اپنے بچپن کے معصومانہ انداز میں اپنے دادا سے کہا کہ ''دادا جان ! ہمیں بھی اس بارات میں لے چلیں ۔ دادا جان نے وعدہ کر لیا اور گھر میں قدغن کر دی گئی تھی کہ کوئی ان سے اس امر کا تذکرہ نہ کرے کہ انھی کی شادی ہو رہی ہے ۔ شادی کے بعد انھوں نے جب نو وارد لڑکی کو اپنے گھر میں مسلسل دیکھا تو انھوں نے تعجب کے ساتھ گھر والوں سے دریافت بھی کیا کہ :

''یہ لڑکی اپنے گھر کیوں نہیں جاتی ؟'' [۳]

بقول بیگم اختر علی ، شادی کے بعد ''مولانا کو اپنے پھوپھا مولوی محمد عبداللہ خان پروفیسر مہندرا کالج پٹیالہ کے پاس بھیج دیا گیا ۔''

---

۱ ۔ ملک لال خان مرحوم : انٹرویو ۱۹۶۹ء لاہور (از راقم) ۔

۲ ۔ نقوش، آپ بیتی نمبر، لاہور صفحہ ۲۳۲ ، حصہ اول ، طبع جون ۱۹۶۴ء ۔

۳ ۔ مولانا ظفر علی خان کی شادی جالندھر کے گھرانے میں ہوئی تھی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اگر شادی کے فوراً بعد انھیں پٹیالہ بھیج دیا جانا تسلیم کر لیا جائے، جبکہ انھوں نے لوہیں، دسویں جماعت کا امتحان وہاں جا کر دیا تو اُس وقت اُن کی عمر پندرہ سولہ سال کے درمیان ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے انھیں ۱۸۸۷ء میں میٹرک پاس کر لینا چاہیے تھا۔ حالانکہ انھوں نے میٹرک ۱۸۹۰ء یا ۱۸۹۱ء میں پاس کیا۔ اور اُس وقت انسان زیادہ با شعور ہو جاتا ہے، اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ بارہ سال کی عمر میں شادی ہوئی اور اس کے فوراً بعد انھیں علی گڑھ بھیج دیا گیا تو یہ زمانہ ۱۸۸۵ء یا ۱۸۸۶ء کا متعین کیا جا سکتا ہے۔

یونیورسٹی کی تعلیم :

وہ میٹرک کے بعد محمڈن کالج علی گڑھ بھیج دیئے گئے۔ یہاں سے ۱۸۹۳ء میں ایف۔ اے کا امتحان دیا اور اپنے والد کے پاس کشمیر چلے گئے۔ وہ خود لکھتے ہیں :

"علی گڑھ کالج سے ایف۔ اے پاس کر کے میں کشمیر چلا گیا جہاں میرے والد سر رشتہ ڈاک کے اعلیٰ افسر تھے اور کچھ عرصہ کے لیے الھی کے ماتحت اس سر رشتہ میں ملازم ہو گیا[۱]۔"

اُن کے والد اُنھیں اعلیٰ عہدے پر دیکھنے کے خواہش مند تھے، اسی لیے اُن کو اپنے پاس بلایا تھا لیکن ظفر علی خان بنیادی طور پر ملازمت کی بندشوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ طبعاً آزاد منش تھے، اس لیے وہ اپنے ذہن کو کبھی اس کے لیے تیار ہی نہ کر سکے۔ اُن کا بیان ہے کہ :

"والد مرحوم کی خواہش تھی کہ مجھے پنجاب میں کسی بلند سرکاری منصب پر سرفراز دیکھیں۔ کشمیر کے ریذیڈنٹ ان دنوں کرنل پریڈو (Perado) تھے، جو ان کے حال پر بہت مہربانی فرماتے تھے۔ لیز آنجہانی رائے بھاگ مل۔ وزیر عدالت کشمیر کے ساتھ بھی ان کے تعلقات نہایت اچھے تھے۔ والد مرحوم کی خواہش پر آنجہانی نے سفارش کی کہ مجھے پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کا عہدہ عطا کیا جائے۔ کرنل پریڈو نے اس سفارش کو اپنی زبردست تائید کے ساتھ پنجاب گورنمنٹ کے پاس

۱۔ نقوش، آپ بیتی نمبر، لاہور، ص ۳۲۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیج دیا اور وہاں سے میرا نام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے امیدواروں کے زمرے میں شامل کر لینے کی اطلاع موصول ہوئی'۔

ان تمام خوش آیند خبروں کے باوجود وہ طبعاً انگریزی ملازمت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے دل میں عہدکر لیا تھا کہ ''وہ انگریز کی نوکری کبھی نہیں کریں گے۔''

ان کا یہ بیان قطعی طور پر مبالغہ سے خالی ہے ، اس لیے کہ سرکاری ملازمت کو قبول کرنا ان کے افتاد مزاج کے ہی خلاف تھا ۔ انگریزی حکومت کی رعونت اور خشونت نے ہمیشہ ان کی غیرت کے لیے تازیانے کا کام کیا ۔

وہ خود لکھتے ہیں :

''میرے لیے یہ بالکل آسان تھا کہ خدمت موعودہ جس کے لیے امتحان مقابلہ کی شرط نہ تھی ، محکمہ کا معمولی امتحان دے کر حاصل کر لیتا اور آج اپنے معاصرین میاں فضل حسین یا ڈاکٹر اقبال کی طرح ترقی کرتے کرتے یا تو سر ہوگیا ہوتا، یا حکومت کی وزارت یا کم از کم عدالت عالیہ کی ججی کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہوتا ۔ لیکن میری طبیعت انگریزوں کی خدمت کے ننگ سے نفور تھی ۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ نوکری کروں گا بھی تو کسی اسلامی ریاست میں—والد صاحب سے میں نے عرض کیا کہ مجھے بی ۔ اے پاس کر لینے دیا جائے ۔ چنانچہ میں کشمیر کی ملازمت چھوڑ کر چلا آیا اور دو سال کے بعد بی ۔ اے کے امتحان میں کامیاب ہو کر یونیورسٹی میں تیسرے یا چوتھے نمبر پر رہا ۔''۲

ان کے بی ۔ اے پاس کرنے کے متعلق بھی مختلف آراء ہیں :

پہلا گروہ :

(۱) شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ ۱۸۹۲ء میں امتحان پاس کیا ۔

(۲) رضوان احمد لکھتے ہیں کہ ۱۸۸۳ء میں بی ۔ اے کی ڈگری لی اور یہ کہ مولانا شوکت علی خاں ان کے کلاس فیلو تھے ۔

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفاء (خود نوشت سوانح عمری) طبع روزنامہ زمیندار لاہور ، ۲۸ اپریل ۱۹۲۸ء ۔

۲ ۔ ایضاً " " ۲۴ اپریل ۱۹۲۸ء ۔
نیز نقوش لاہور ، آپ بیتی نمبر ، ص ۲۳۷ ، جون ۱۹۶۴ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اگرچہ خود مولانا ظفر علی خاں کا بیان ہے کہ مولانا شوکت علی ان سے ایک سال آگے تھے ، اور مولانا محمد علی ، ان سے ایک سال پیچھے تھے) ۔[1]

دوسرا گروہ :

ڈاکٹر عبدالحق ، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار پر مشتمل ہے ، وہ لکھتے ہیں :

"۱۸۹۵ء میں ڈگری لی"۔[2]

تیسرا گروہ :

محمد عبداللہ قریشی لکھتے ہیں :

"۱۸۹۸ء میں علی گڑھ جا کر بی ۔ اے کی سند لی" ۔[3]

چوتھا گروہ :

اس بارے میں خاموش ہے ۔ ان میں عبدالمجید سالک اور عشرت رحمانی شامل ہیں ۔

۱ ۔ بحوالہ یاران کہن ، سالک ۔

۲ ۔ عشرت رحمانی ، رسالہ ماہ نو ، جنوری ۱۹۵۷ء) ۔

لیکن چونکہ خود ان کا بیان اس سلسلے میں واضح ہے کہ "میں نے اور مولوی محفوظ علی نے ایک ساتھ بی ۔ اے پاس کیا" ۔ اور ڈاکٹر عبدالحق کا بیان بھی اس کا موید ہے لہٰذا ۱۸۹۵ء ہی قابل وثوق ہے ۔

متذکرہ گروہوں کے علاوہ حسب ذیل دیگر آراء بھی ملتی ہیں :

(۱) ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر لکھتے ہیں :

"۱۸۹۵ء میں بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا" ۔[4]

---

۱ ۔ نقوش ، آپ بیتی نمبر ، لاہور ، جون ۱۹۶۴ء، ص ۲۳۷ ۔

۲ ۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار : ظفر علی بحیثیت ادیب و شاعر ، طبع لاہور ۱۹۶۷ء ۔

۳ ۔ محمد عبداللہ قریشی : نقوش ، طنز و مزاح نمبر لاہور ، جنوری ۱۹۵۹ء ، ص ۶۷۸ ۔

۴ ۔ ظفر الملک : "الاشرار" سال طباعت غائب ، ناشر شیخ ضیاء الحق روپڑی ۔ (از کتب خانہ خاص ، انجمن ترقی اردو کراچی) ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) عنایت اللہ خاں لکھتے ہیں :

''۱۸۹۵ع میں آپ بی ۔ اے کے امتحان میں شامل ہوئے اور درجہ اول کے امتیازی فخر کے ساتھ کامیاب ہوئے''۔[۱]

(۳) نرگس صادق صاحبہ لکھتی ہیں :

''مولوی عبدالحق صاحب ، ڈاکٹر ضیاء الدین اور ظفر علی خاں نے ۱۸۹۵ع میں بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا''۔[۲]

علی گڑھ کے ساتھی :

ڈاکٹر عبدالحق کا بیان ہے کہ :

''سید محفوظ علی نے مدرسۃ العلوم مسلمانان (ایم ۔ اے ۔ او کالج) علی گڑھ میں تعلیم پائی ۔ بی ۔ اے میں سید صاحب ، ظفر علی خاں ، حافظ اکرام اللہ اور راقم الحروف سب ساتھ رہے ۔ ۱۸۹۵ع میں تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے وطن چلے گئے''۔[۳]

ان سب سے مولانا شوکت علی ایک جماعت آگے ، اور مولانا محمد علی ایک جماعت پیچھے تھے ۔ البتہ خواجہ غلام الثقلین ، ڈاکٹر ضیاء الدین ، مولوی حمید الدین فراہی ، یہ سب لوگ ان کے ہم جماعت تھے ۔ وہ خود لکھتے ہیں :

''میں نے اور مولوی محفوظ علی نے ایک ساتھ بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا ۔''

ڈاکٹر عبدالحق نے لکھا ہے کہ :

''پرنسپل بیک نے ڈرل کے لیے رنگین اور ریشمی ململ کا کپڑا تجویز کیا ۔ اس ڈرل سے صرف سال آخر کی کلاس مستثنیٰ تھی ۔'' ڈاکٹر عبدالحق اس وقت بی ۔ اے کے پہلے سال میں تھے ، اور یہ واقعہ ۱۸۹۴ع کا ہے کہ جب پرنسپل بیک ان کی کلاس میں آئے اور لباس کے رنگ کے متعلق سوال کیا ۔

---

۱ ۔ عنایت اللہ خاں : مدیر حریت ہفتہ وار ، لاہور ، اپریل ۱۹۲۲ع ، اداریہ نمبر ۳ ۔

۲ ۔ نرگس صادق : ''محمڈن کالج ڈائریکٹری'' مطبوعہ قومی زبان ، کراچی ، ستمبر ۱۹۶۶ع ، ص ۶۰ ۔

۳ ۔ ڈاکٹر عبدالحق : مضامین محفوظ علی بدایونی ، ص ل ، طبع انجمن ترقی اردو کراچی ، اگست ۱۹۶۹ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر ڈاکٹر عبدالحق نے کہا۔ "ڈرل کے لیے اس قماش کا کپڑا مناسب نہیں" ۔[1]

ظاہر ہے کہ جب ڈاکٹر عبدالحق کے ساتھی مولوی ظفر علی خاں بھی تھے ، اور ڈاکٹر عبدالحق بی ۔ اے کے سال اول میں تھے ، تو واقعی انھوں نے ۱۸۹۵ع میں بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا ۔

اساتذہ اور ان کی تربیت :

مجموعی طور پر ان کا علی گڑھ میں قیام پانچ برس رہا ۔ جس میں ایک سال یا اس سے کچھ زائد یا کم ابتدائی تعلیم کا زمانہ ہے ۔ اور میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد بی ۔ اے تک کی مدت چار سال ہے ۔ یہی چار سال کی مدت وہ اہم ترین زمانہ ہے جس نے ان کو علی گڑھ کے ممتاز ترین طلباء کی صف میں لا کھڑا کیا ۔ سرسید کا نورانی چہرہ ، ان کی عظیم شخصیت ، ان کی بے لوث خدمت اور کام کرنے کی مسلسل دھن کو انھوں نے اس عرصے میں خوب دیکھا ، اور شاید وہ کیفیت بھی انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوگی ، جب سرسید احمد خاں اسٹریچی ہال کے باہر زار و قطار روتے ہوئے دیکھے گئے ۔ انھوں نے دریافت کیے جانے پر فرمایا کہ :

"میں روتا اس لیے ہوں کہ کیا اسی تربیت کے لیے ان کے والدین نے انھیں یہاں بھیجا ہے ، اور کیا اسی نمونے کے لڑکے یہاں سے نکلیں گے ، گویا میری تمام محنتیں رائیگاں جائیں گی" ۔[2]

اسی لیے ظفر علی خاں ان کے اشکوں سے متاثر تھے ، جو ملت کی ترقی کے لیے انھوں نے شب و روز بہائے ، اور اسی غم میں اپنی جان گھلائی :

"ریاض قوم کو از بسکہ سینچا اس کے اشکوں نے
بہاریں اس کی رشک رونق گلزار رضواں ہیں"

اس سے پہلے ان کے دادا (مولوی کرم الٰہی) کا با رعب چہرہ بھی ان کی نگاہوں میں تھا ۔ (جن کے سامنے ظفر علی خاں کے باپ بھی نہیں بول سکتے

---

۱ ۔ ڈاکٹر عبدالحق : مضامین محفوظ علی بدایونی ، ص ۱، طبع انجمن ترقی اردو، کراچی ، اگست ۱۹۶۹ع ۔ نقوش ، آپ بیتی نمبر، ص ۱۳۵ ، ۱۳۸ لاہور جون ۱۹۶۴ع ۔
مفصل مضمون کے لیے دیکھیے نقوش آپ بیتی نمبر ۱۳۵ تا ۱۵۴ حصہ اول جون ۱۹۶۴ع ۔

۲ ۔ جیون یار جنگ بہادر : (چیف جسٹس حیدرآباد دکن) خطبۂ تقسیم اسناد ۱۹۳۸ع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے) ۔ انھوں نے اپنے والد کی تادیب بھی سہی تھی ۔ ان تمام پابندیوں نے ان میں ایک شدید احساس پیدا کر دیا تھا ، اور ان اثرات کو لے کر وہ علی گڑھ گئے تھے ۔ وہ سرسید احمد خاں کے احسانات کو تمام عمر یاد کرتے رہے ۔ جیساکہ وہ خود کہتے ہیں :

"وہ خود تو خلد میں ہے کارنامے اس کے سب لیکن
مہ و خورشید کی مانند تاباں و درخشاں ہیں
اسی کی عمر بھر کی کوششوں کا ماحصل سمجھو
اثر جس عام بیداری کے ملت میں نمایاں ہیں
اسی کی پر ہنر شیرازہ بندی کے تصدق میں
مجزا نسخۂ ملت کے اوراق پریشاں ہیں"۱

بقول مولانا صلاح الدین "اس درس گاہ نے پروگراموں کی بجائے پروگرام بنانے والے پیدا کیے ۔ وہ اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اس عظیم خاکے میں رنگ بھرتے چلے گئے ، جو فلاح ملت اسلامیہ ہند کے لیے تیار کیا گیا تھا ، اور یہی اس کا منتہائے نظر تھا ۔ بیداری اور رہبری کی لہریں جو یہاں سے منتشر ہوئیں ، وہ بر صغیر کے ہر گوشے میں پہنچ کر اثر آفریں ثابت ہوئیں ، اُس زمانے کا علی گڑھ ، ڈگری بنانے کی فیکٹری نہیں بنا تھا" ۔۲

سر سید کی رہبری کا پہلو دنیا کی تاریخ میں بے مثال ہے ۔ وہ قوم کے متوسط طبقے کے ہر اُس فرد کو جو علی گڑھ میں تعلیم پانے کے لیے آتا تھا ، اس کو اپنے حلقۂ اثر میں لے کر ایک نمونہ کا انسان بنانا چاہتے تھے ۔ مدرسۃ العلوم کے تعلیمی ماحول میں شرافت ، ضبط نفس ، ایثار ، یک جہتی اور سب سے بڑھ کر روشن خیالی بڑی تیزی سے پھولتی ، پھلتی اور نوجوانوں کے طبائع پر اپنا رنگ جاتی تھی ۔

علی گڑھ ظفر علی خاں کے نزدیک "ایک جاں پرور چمن تھا ، جہاں عرب و عجم کی بلبلیں غزل خوانی کرتی تھیں ، وہ ایسا مرکز تھا ، جو فضائل انسانی کے پیدا کرنے میں معین و مددگار تھا اور معارف اسلامی کا گڑھ بھی"۔ وہاں

---

۱ ۔ مجموعۂ کلام ظفر علی خاں: بہارستان، ص ۳۴۴، طبع لاہور (مکتبۂ کاروان) ۔
۲ ۔ مولانا صلاح الدین احمد : سر سید کا خواب اور اُس کی تعبیر ، ص ۵۶۵ ۔ (اردو ادب کے آٹھ سال، مرتبہ عشرت رحمانی : علمی پریس لاہور) سال طبع ندارد ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اساتذہ علم و روشنی کا منارہ تھے۔ لائق شاگرد اپنے اساتذہ کو کبھی بھی نہیں بھولتے، وہ جن کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہیں، وہ اُن کا ذکر ہمیشہ ادب و احترام سے کرتے ہیں۔

ظفر علی خاں نے جن اساتذہ سے تعلیم پائی، اُن میں پروفیسر آرنلڈ، ماریسن کے علاوہ خود علامہ شبلی کی ذات بھی ایک عظیم شخصیت تھی، اسی لیے وہ اپنے استادوں کو کبھی نہیں بھولے، خصوصاً علامہ شبلی کا ذکر ہمیشہ "استاذی و ملاذی، میرے مخدوم" کے الفاظ سے کیا، وہ خود اعتراف کرتے ہیں:

یہ فیضِ صحبتِ علامہ شبلی کا تصدق ہے
کہ دنیائے ادب میں دھوم ہے میرے مقالوں کی[1]

علامہ شبلی مرحوم:

ظفر علی خاں ہمیشہ اپنے استادوں کے احسانات خصوصاً علامہ شبلی کے احسانات کا ذکر کرتے رہے، اس لیے کہ شبلی کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے بدلے ہوئے حالات میں، جب قوم مغرب سے مرعوب ہو کر شدید ذہنی غلامی میں مبتلا ہو چکی تھی ایک ایسا لائحہ عمل پیش کیا، جس میں ایک طرف قدیم و جدید کی خوش گوار آمیزش تھی، دوسری طرف علوم اسلامیہ کے احیاء کے ذریعے ملک میں ایک علمی و ذہنی انقلاب پیدا کرنا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شبلی جب سے سر سید کے زیر اثر آئے، تو اُنھیں محسوس ہوا کہ علماء شدید بے علمی اور بے خبری کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں"۔[2]

شبلی نے فراخ دلی سے مغربی علوم سے استفادہ کیا، وہ ۱۸۸۳ء میں اپنے بھائی (مہدی) کو علی گڑھ میں داخل کرانے گئے تھے، وہاں سر سید سے ملاقات ہوئی، اُس وقت سے لے کر علی گڑھ کے قیام کے آخر تک انھوں نے نئی طرز فکر کو سمجھنے کی کوشش کی، وہیں پروفیسر آرنلڈ سے رابطہ پیدا ہوا، جس کے بارے میں انھوں نے کہا تھا، "آنکہ رفیق است و ہم استاد مرا"۔ سر سید کے وسیع کتب خانے سے فائدہ اُٹھایا، گبن کی تاریخ کا اردو ترجمہ دیکھا۔[3]

۱۔ ظفر علی خاں: چمنستان، ص ۱۸ (مجموعۂ کلام) ۳۱ دسمبر ۱۹۴۰ء۔
۲۔ مقتدا احمد خاں شروانی: "شبلی کا قیام علی گڑھ میں" ص ۸۳، مقالات یوم شبلی اردو مرکز ۱۹۶۱ء لاہور۔
۳۔ مقتدا احمد خاں شروانی: "شبلی کا قیام علی گڑھ میں، ص ۸۵" مقالات یوم شبلی، اردو مرکز ۱۹۶۱ء لاہور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ گھنٹوں سر سید کے کتب خانے کی الماریوں کے سامنے کھڑے کھڑے کتابیں پڑھتے رہتے تھے ، اور اکثر وہ سر سید سے تاریخی واقعات اور سلاطین مغلیہ وغیرہ کے حالات کھانے کی میز پر دریافت کرتے رہتے تھے ۔[1]

سر سید شبلی کی برابر ہمت افزائی کرتے ، نظم پڑھواتے ، پھر اسے اخبار میں شائع کرتے ، پبلک جلسوں میں ان سے ریزولیشنوں پر تقریر کراتے ، مضامین پڑھواتے ، طلباء کی یونین میں موافق و مخالف تقریریں کراتے ۔ انھیں کی کوششوں سے مولانا شبلی کو ۱۸۹۴ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا ، اسی موقع پر انھوں نے شبلی کی تعریف کی ، اور ان کو عوام میں زیادہ روشناس کرایا ۔[2]

اس طرح شبلی براہ راست سر سید سے متاثر ہوئے ، اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی کیا ۔ سر سید کے زیر اثر رہنے کا لتیجہ تھا ، کہ انھوں نے اپنے ذاتی علم اور تجربے میں اضافے کے ساتھ ساتھ اپنے فرض منصبی کے درجہ میں ترقی بھی پائی ۔[3] (وہ ۱۸۸۲ء کے آخر میں عربی ، فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے تھے ، انھوں نے ۱۸۸۷ء میں پروفیسری کے عہدہ پر ترقی پائی) ۔[4]

اسی لیے ۱۸۸۳ء سے لے کر ۱۸۹۵ء تک اس بارہ سال کے عرصہ میں قابل ذکر نوجوان خالص قومی جوش کے علاوہ ، گہرا علمی ذوق بھی لے کر نکلے ، ان میں مولانا محمد علی ، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں ، ڈاکٹر عبدالحق ، خواجہ غلام الثقلین ، خوشی محمد ناظر اور مولانا ظفر علی خاں تھے ، اسی کے ساتھ مولانا شوکت علی ، سید محفوظ علی بدایونی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ شبلی بی ۔ اے کلاس کو عربی ، فارسی کے علاوہ دینیات کا بھی درس دیتے تھے ۔[5] (اس زمانے میں کالج کے قواعد کے اعتبار سے ایک سال عربی شبلی پڑھاتے تھے اور دوسرے سال قاری مولوی عباس حسین صاحب جارچوی مرحوم ۔) شبلی نے دینیات کی تعلیم میں اتنی دلچسپی پیدا کر دی تھی کہ بقول سید محمود "طالب علم دنیوی تعلیم کی طرف سے اچاٹ ہو گئے ہیں" ۔ اسی کے ساتھ انھوں نے

---

۱ ۔ مقتدا احمد خاں شروانی : شبلی کا قیام علی گڑھ میں ، ص ۸۵ ۔
۲ ۔ حوالہ بالا ، ص ۸۶ ۔
۳ ۔ حوالہ بالا ، ص ۸۶ ۔
۴ ۔ حوالہ بالا ، ص ۸۷ ۔
۵ ۔ ڈاکٹر عبید اللہ خاں : مرتب مقالات یوم شبلی ، ص ۱۰۰ ، اردو مرکز ۱۹۶۱ء ، لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لجنۃ الصلٰوۃ قائم کی ، جس کے ممبر اپنے ساتھیوں کو گھیر گھیر کر مسجد میں لاتے تھے اور صبح کے وقت ہر ہر کمرہ میں "حی علی الصلٰوۃ" پکارتے پھرتے تھے ۔ انھوں نے فارسی شاعری کو وہ ترقی دی ، کہ بڑے بڑے نقادان سخن مثل خواجہ الطاف حسین حالی اور خواجہ عزیز لکھنوی کے ، اُن کی شاعری سے حافظ اور حزیں کے مغالطے میں پڑ جاتے تھے ۔ اور جس شاعری نے اُن کا نام زبان زد خاص و عام کیا ، وہ اُن کی اردو شاعری تھی ، جس کا مطلع علی گڑھ میں فرمایا گیا ۔[۱] لجنۃ الصلٰوۃ کی جماعت کے قیام پر وہ خود فخر کرتے تھے کہ "مجھ کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نئی زندگی کے پیدا ہونے میں میرا بھی حصہ ہے اور اس جوش مذہبی کا بر انگیخت کرا میری قسمت میں تھا "۔[۲]

۲ ۔ اُن (ظفر علی خاں) کے دوسرے استاد پروفیسر تھامس آرنلڈ تھے ، جن کی نصیحتوں سے وہ ہمیشہ فائدہ حاصل کرتے تھے ۔ "وہ ہمیشہ اپنے شاگردوں کو ایسی قیمتی نصیحتیں فرماتے رہتے تھے ، جو آپ کے وسیع تجربے اور ذوق علمی کا حصہ ہیں "۔[۳] "پروفیسر آرنلڈ کی گراں مایہ موعظت اُن کے جن تلامذہ کے آویزہ گوش ہوئی ، اُن کی تعداد اگرچہ قلیل تھی ، لیکن پھر بھی خواجہ غلام الثقلین مرحوم کی طرح جن اہل بصیرت نے اُس پر عمل کیا ، وہ آگے چل کر قوم و ملک کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے ۔ کاش کہ ہر وہ نوجوان جو اعلٰی تعلیم کے حصول کی دھن میں چراغ نیم شبی سے لو لگاتا ہے، اس مشورے پر عمل کر سکے ، مگر جس طرح ہر شخص بو علی نہیں ہو سکتا[۴] ، اسی طرح ہر شخص کو توفیق درس اشارات و شفا ، نہیں دی گئی :

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر[۵]

---

۱ ۔ سید سلیمان ندوی : حیات شبلی، ص ۱۴۹ ، ۱۶۰ ، ۱۸۹ ، معارف پریس ، اعظم گڑھ ۔

۲ ۔ مکاتیب شبلی بنام محمد عمر ، ص ۱۵۰ ، مرتبہ سید سلیمان ندوی : طبع معارف پریس ، اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء ۔

۳ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفاء (خود نوشت سوانح عمری) ، اپریل ۱۹۲۸ء زمیندار ، لاہور ۔

۴ ۔ ایضاً ۔

۵ ۔ ستارۂ صبح ، یکم دسمبر ۱۹۱۶ء ، ایڈیٹر ظفر علی خاں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بقول ڈاکٹر عبدالحق ''پروفیسر آرنلڈ کی حیثیت کالج میں خاص ، بلکہ امتیازی تھی وہ سچے علم دوست تھے ، اُن میں عالمانہ اور طالب علمانہ دونوں صفتیں پائی جاتی تھیں ، میں نے اُنھیں کالج میں انگریزی لباس پہنے نہیں دیکھا ، وہ کالج میں عربی لباس میں آتے تھے ، سر پر عمامہ ، بدن پر عبا و قبا ، پیروں میں سلیم شاہی جوتا ، ہاتھوں میں موٹے دستے کی چھڑی لیے ، جلدی جلدی قدم اُٹھائے ، ٹھیک وقت پر آ جاتے'' ۔[۱] پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی ہمہ گیر شخصیت ان کے شاگردوں میں اتنا ذوق علمی پیدا کر دیتی تھی کہ وہ جس جگہ جاتے ، شاگرد اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے ۔ خود ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے بھی اُن کے کمال علمی کا اعتراف کیا ہے :

تو کہاں ہے اے کلیم ذروۂ سینائے علم
تھی تری موج نفس باد نشاط افزائے علم

اب کہاں وہ شوقِ رہ پیمائی صحرائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

شور لیلی کو کہ باز آرائش سودا کند
خاک مجنوں را غبار خاطر صحرا کند

(کلیات اقبال ، بانگ درا ، ص ۷۸ ، طبع غلام علی ۱۹۷۳ء)

یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ''علی گڑھ کی اقامتی زندگی، اور سر سید کے زیرِ اثر رہنے اور خاص یونی فارم پہننے نے طلباء کو ایک خاص انداز میں سوچنے کا عادی بنا دیا[۲] اور اُن میں شدید قومیت کا احساس بھی پیدا کر دیا ''۔[۳] اور علی گڑھ جا کر ظفر علی خاں کی طبیعت میں تین چیزیں ایسی رچ گئیں ، کہ جن کا اثر تا زندگی باقی رہا :

(۱) سر سید کی بے لوث خدمت کے سبب اُن کے دل میں بھی مسلمانوں کی ترقی کے لیے ہر ممکن سعی کرنے کا جذبہ پیدا ہوا ۔

---

۱ ۔ ڈاکٹر عبدالحق : نقوش ، آپ بیتی نمبر ، ص ۱۳۶ ، جون ۱۹۶۴ء ، لاہور ۔

۲ ۔ ایضاً ۔

۳ ۔ ڈاکٹر معین احسن جذبی : حالی کا سیاسی شعور ، ص ۷۸ ، انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۵۹ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) اُن کے عقاید اسلام میں پختگی پیدا ہوئی اور نماز کی اہمیت کا احساس جا گزیں ہوا ۔

(۳) زمانے کے تقاضوں کے سبب غور و فکر کا نیا اسلوب پیدا ہوا ، جس نے اُن کے مزاج کو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے نئی سیاسی تشکیل کی اہمیت کی طرف متوجہ کر دیا ۔

حاصل کار یہ کہ علی گڑھ کی تعلیم نے اُن کے مشرقی مزاج کو سنوارا ، زبان کو لوچ اور چاشنی بخشی ۔ انگریزی ادب کے مغربی اساتذہ کی تربیت نے اُن کے فن تنقید کو وسعت بخشی ، یہیں ان میں وسعت نظر پیدا ہوئی اور مشرقی تہذیب کی خوبیوں اور مغربی الحاد کے موازنہ کرنے کا موقع بھی ملا ۔ مسلمانوں میں بیداری اور حیات نو پیدا کرنے میں جو حصہ انھوں نے لیا ، وہ علی گڑھ کالج ہی کی بدولت تھا ، اس لیے اس کالج کی خدمات کو کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ اس ادارے نے مسلم قوم کی تشکیل جدید کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا ، قوم میں امید کی ایک نئی کرن پیدا کی ، ایک نئے مقصد کا فہم دیا ۔ مسلمانوں کو مایوسی کے عمیق ترین غار سے باہر نکال کر بار آور سرگرمی کے میدان میں لا کھڑا کیا اور ایسے مسلمانوں کی نسل پیدا کی ، جو اسلام کے ساتھ اپنی بنیادی وفاداری کو خراب کیے بغیر دنیا کے جدید حالات اور اُس کے فکر سے واقفیت رکھتے تھے ۔ اور یہی علی گڑھ مسلمانوں میں قومیت کے احساس کا گہوارہ بنا ۔[۱] جیسا کہ ظفر علی خاں نے خود کہا ہے :

جگایا اُس نے ہم سوتے ہوؤں کو خواب غفلت سے
وہ غفلت بستیاں جس سے ہوئیں ، قوموں کی بربادی
(بہارستان ، ص ۱۴۴ ، عنوان ، اسلامی یونیورسٹی)

ذریعۂ معاش :

ظفر علی خاں کی تعلیم کے دوران دو واقعے ایسے پیش آئے ، جس نے ان کا دل انگریز کی ملازمت سے پھیر دیا تھا ۔ ایک واقعہ اُن کے والد مولوی سراج الدین احمد کے ساتھ پیش آیا تھا اور دوسرا خود اُن کے ساتھ کشمیر میں پیش آیا ۔ اسی لیے بقول اُن کے "یہ امر میرے ہم نشینوں کی بصیرت پر مدتوں پہلے آشکار ہو چکا تھا کہ مجھے انگریز کی خدمت سے نفور تھا ۔ مجھے پنجاب گورنمنٹ

---

۱ ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی : "بر عظیم پاک و بھارت کی ملت اسلامیہ" ص ۳۱۵ ، طبع کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۷ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے سالانہ دعوتیں بھی موصول ہوتی رہیں ، لیکن میں نے در خور اعتنا نہیں سمجھا "۔[1] اسی لیے وہ بی ۔ اے کے امتحان سے فارغ ہو کر سیدھے نواب محسن الملک کے پاس بمبئی چلے گئے ، جنھیں خواجہ غلام الثقلین کی علیحدگی کے بعد ایک پرائیوٹ سکریٹری کی ضرورت تھی ۔ وہاں وہ اُن کی خدمت میں تقریباً ایک سال رہے ، جہاں نواب محسن الملک کی فیض تربیت نے ان کو علمی راہوں پر چلنے کی ضرورت کی طرف متوجہ کر دیا ۔ وہ اس امر کے معترف بھی رہے کہ "اُن علمی مشاغل کے لیے جس کے ساتھ مجھے آج تک وابستگی ہے ، میں محسن الملک ہی کے فیض تربیت کا رہین احسان ہوں "۔[2]

(نواب مہدی علی خان 'محسن الملک' اپنے زمانے کے بہترین مدبر قوم تھے ، جنھوں نے اردو تحریک کے فروغ اور مسلم لیگ کے قیام کے لیے اولوالعزمانہ جد و جہد کی ۔ سر سالار جنگ نے ۱۸۷۴ء میں اُن کی خدمات حیدر آباد کے لیے لے لی تھیں ، وہاں وہ بارہ سو روپے ماہوار پر ناظم بندوبست اور انسپکٹر جنرل صیغۂ مال مقرر ہوئے ، پھر پندرہ سو روپے تنخواہ پر کمشنر بندوبست ہوگئے ، پھر ریونیو سکریٹری (معتمد مال) اور اُس کے بعد معتمد فنانس (فنانشل سکریٹری) اور پولیٹکل سکریٹری مقرر ہوئے اور تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی ، محسن الدولہ ، محسن الملک کا خطاب بھی ملا — سیاسی سازشوں کے سبب ممالک محروسہ سے نکل جانے کا حکم مل گیا — ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو علی گڑھ میں انتقال ہوا) ۔

سرور الملک آغا مرزا دہلوی 'محسن الملک' کے متعلق لکھتے ہیں :

"اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دماغ عطا فرمایا تھا کہ اگر یہ یورپ میں ہوتا ، تو بسمارک اور ڈیزلی بھی اس کے آگے کان پکڑتے "۔[3]

ظفر علی خان لکھتے ہیں کہ :

"بہر حال ایک سال اس طور پر گزرا تھا ، کہ استاذی و ملاذی علامہ شبلی مرحوم سفر حیدر آباد سے واپسی پر بمبئی ٹھہرے اور مجھے حیدر آباد

---

۱ ۔ ظفر علی خان : ازالۃالخفاء (خود نوشت سوانح عمری) ، طبع زمیندار روز نامہ لاہور ، اپریل ۱۹۲۸ء ۔

۲ ۔ ایضاً ۔

۳ ۔ سرور الملک : آپ بیتی نمبر نقوش ، لاہور ص ۶۶۱ ، ۱۹۶۴ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جا کر قسمت آزمائی کرنے کی صلاح دی ۔ یہ عین میرے دل کا مدعا تھا ۔ میں حیدر آباد چلا گیا "۔[1]

حیدر آباد میں قیام :

حیدر آباد کے قیام نے اُن کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ، وہاں کی خاص تہذیب ، منتخب احباب اور اُن کی صحبتیں ، آداب مجلسی ، علمی ماحول اور اسلامی حکومت ، یہ سب چیزیں اپنی جگہ پر ایسی اہم تھیں ، جن میں سے ہر ایک چیز نے ان کے مزاج کو ایک نئے انداز میں ڈھالنے میں خاص حصہ لیا تھا ، وہاں کے قیام سے (مادی منفعت کے علاوہ) جو ذہنی اور علمی فائدے حاصل ہوئے ، اُس کا اعتراف بھی انھوں نے کیا ہے ۔ وہ خود اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ :

"دکن کے مسلم عوام اور سلاطین بہت پہلے سے مسلم اقتدار کی آسودگیوں کے لذت چشیدہ اور مسلم حکمرانوں کی برکتوں کے فیض رسیدہ تھے ، ان عوامل نے اُن کے اندر ایک انفرادیت کا خاص شعور پیدا کر دیا تھا ، جس کا اثر یہ ہوا کہ مملکت آصفیہ کے ارباب حل و عقد نے آگے بڑھ کر مسلمانان ہند کی تہذیبی و تمدنی روایات اور فکر تحقیق کی امانت کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس امانت کو علو ہمتی ، سیر چشمی اور دل سوزی کے ساتھ دو صدیوں تک سنبھالے رکھا ۔ حیدر آباد نے مسلم تاریخ کے ہر نازک لمحے اور ہر اہم موڑ پر عالم اسلام کی فلاح و بہبود کے ہر اقدام میں پیش قدمی کی ، اور دوسرے تمام شرکاء سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔

الطاف عثمانی اور مشرقی روایات کا تحفظ اور اس کے ساتھ وہ ماضی جو بقول ہوش بلگرامی "جس کے نقوش تاریخی صداقت میں گزرے ہیں "۔[2]

اس قدر دانی کا نتیجہ تھا ، کہ لوگ حیدر آباد آنے کے لیے جان دیتے تھے ۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ حیدر آباد نے مشرقی تہذیب مشرقی روایات کا تحفظ کیا اور مشرقی علوم کے احیاء کے لیے روپیہ پانی کی طرح بہایا ۔ اس سرزمین نے صاحبان علم و فن کو نہ صرف فکر معاش سے آزاد کیا ، بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے

---

۱ ۔ اداریہ زمیندار ہفتہ وار کرم آباد ۔ یکم جنوری ۱۹۱۰ء (ایڈیٹر ظفر علی خاں) ۔

۲ ۔ ظفر علی خاں : خود نوشت سوانح عمری بنام ازالۃالخفاء ، شائع شدہ زمیندار لاہور ، اپریل ۱۹۲۸ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن کی ذہنی صلاحیتوں کے پیش نظر ایسے منظم طریق کار مرتب کیے ، جن سے ایک طرف مشرقی علوم کی اشاعت میں آسانی ہوئی ، دوسری طرف مغربی علوم کو مادری زبان کے ذریعے پھیلا کر اردو کی اہمیت کو بین الاقوامی طور پر تسلیم کرا لیا گیا ۔ خاندان نظام دکن کی عموماً اور میر عثمان علی خاں کی علم دوست نگاہ ، اور علم پرور طبیعت نے ہمیشہ معارف نوازی اور غریب نوازی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ سینکڑوں گوشہ نشین اور بوریا نشین صاحبان علم کے جوہر یہیں جا کر چمکے ۔ اس طرح زوال دہلی کے بعد ، حیدر آباد ایک مخصوص تہذیب کا حامل ، ایک مرکز علم و ادب اور ایک محافظ عزت و آبرو بن گیا ـــ گویا حیدر آباد اسلام کی عالمگیر تہذیب کا محافظ تھا اور مغربی علوم و فنون کو ترجمے کے سانچے میں ڈھالنے کی ایک ٹکسال بھی ۔

حیدر آباد اس خوبی پر ناز کر سکتا ہے ، کہ تحریک آزادی کے علمبر دار علامہ سید جمال الدین افغانی نے تقریباً دو سال تک رسول یار جنگ (ایک علم دوست شخصیت) کے یہاں قیام کیا اور یہیں انھوں نے الرد علی الدہرین ، رسالہ لکھا ۔

بقول نواب مشتاق احمد "یہاں ہندوستان کے ہر حصے سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے اور یہاں کی زمین کچھ ایسی راس آ رہی ، کہ ہزاروں ، سینکڑوں علمی خاندان اسی سر زمین کے ہو کے رہ گئے اور اسی زمین کا پیوند بھی ہو گئے ۔ پہلے مرحلے میں بنگال و بہار سے لوگ آئے ، دوسرے مرحلے میں یو ۔ پی کے اہل کمال آئے اور اپنی مراد کی جیبیں بھریں ۔ تیسرے مرحلے میں پنجاب سے آئے ، ان ہی آنے والوں میں ظفر علی خاں ، استاد گرامی جالندھری ، ترک علی شاہ ترکی جیسے نامورانِ سخن یہاں پہنچے ، یہیں اُن کے کلام کو قدر دانی کے چلن سے جلا ملی ، ڈاکٹر مظفر الدین قریشی ، پروفیسر کشن چند ، چودہری برکت علی ، ڈاکٹر عبدالحکیم ، ڈاکٹر شاہ نواز ، خان فضل محمد خاں ، پروفیسر محمود احمد (برادر ظفر علی خاں) یہ سب وہ بلند پایہ نام ہیں ، جنھوں نے علمی خدمتیں مختلف انداز میں کیں اور بلند پایہ علمی کتابیں بھی لکھیں ، چنانچہ جامعہ عثمانیہ کی تقریباً ستر کتابیں فرزندان پنجاب کی ہیں "۔[۱]

اسی لیے حیدر آباد علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا، اور شعر و شاعری کا بھی ۔ دہلی و لکھنؤ کے منتخب شعراء یہاں جمع ہوگئے تھے ۔ جلیل مانک پوری ،

---

۱ ۔ نواب مشتاق احمد خاں (جالندھری): حیات فخر، ص ۸۴، طبع مارچ ۱۹۶٦ع لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داغ دہلوی، ظہیر دہلوی جیسے ناموران سخن، شاہ دکن سے داد سخن لے رہے تھے، خود عمائد سلطنت بھی نہ صرف سخن فہم و سخن سنج تھے ، بلکہ شعر گوئی میں بھی کمال رکھتے تھے ، جن میں مہاراجا کشن پرشاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ جبھی تو شبلی نے لکھا تھا ''داغ ، شرر ، سید علی بلگرامی ، سید حسین بلگرامی یادگار زمانہ کو دیکھنا چاہو تو سب یہاں موجود ہیں'' ۔[1]

(مولانا) ظفر علی خاں یہاں ۱۸۹۶ء کے آخر میں (بمبئی سے) پہنچے تھے اور تیرہ برس قیام رہا ۔ آن کا مکان بھی مولانا شبلی کے مکان کے متصل ہی تھا اور قریب ہی سید ہمایوں میرزا بیرسٹرایٹ‌لاء کا مکان بھی تھا ۔ اس لیے انھیں وہاں مشرقی طرز کی انجمنوں میں شریک ہونے اور جلسوں میں نظمیں پڑھنے کے مواقع ملتے رہے ۔[2]

اسی زمانے میں چند وکلا (غلام قادر خاں مرحوم ، شیخ ولایت حسین مرحوم اور شیخ عبدالرحیم) نے ہمایوں میرزا بیرسٹر کے مشورے سے ایک انجمن موسوم 'افتخار دکن' قائم کی تھی ، جس کے اغراض میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی درستی ، مسلمان لڑکیوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنا ، اراکین میں برجستہ تقریر کی مہارت پیدا کرنا اور معاشرے کی اصلاح شامل تھی ۔ پہلے اس کے جلسے ہمایوں میرزا کی صدارت میں ہوئے ، پھر شیخ ابراہیم فاروقی (فاروق یار جنگ ، رکن ہائی کورٹ حیدر آباد) کے مکان پر ہوتے رہے ۔ فاروقی صاحب کا مکان بھی علامہ شبلی کے مکان کے قریب تھا ۔ شبلی بھی ان ماہانہ جلسوں میں شریک ہوتے تھے اور ظفر علی خاں بھی ۔[3]

---

۱ ۔ شبلی : مکاتیب شبلی حصہ دوم، ص ۱۰۴ (خط نوشتہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء)، مرتبہ سید سلیمان ندوی ، طبع معارف پریس ، اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء ۔

۲ ۔ (۱) سید سلیمان ندوی : حیات شبلی ، ص ۲۷۹ ۔ ''حیدر آباد میں مولوی عبدالغنی وارثی ، نواب ضیا یار جنگ بھی تھے اور علامہ شبلی کے پاس جمع ہونے والوں میں مولوی مسعود علی ندوی ، ڈاکٹر عبدالحق ، سید محفوظ علی، خواجہ غلام الثقلین بھی قابل ذکر ہیں ۔ یہ لوگ اکثر جمع ہوتے ، ادبی دلچسپیاں رہتیں ، شعر و شاعری کے تذکرے رہتے'' ۔

(۲) مولانا شبلی یہاں ۱۹۰۱ء میں ناظم محکمہ علوم فنون ہوگئے تھے، آن کا انتخاب چار سو روپے مشاہرہ پر ہوا تھا ۔ آن کا قیام تین سال چھ ماہ رہا ۔ ڈاکٹر عبدالحق : چند ہم عصر ، ص ۹۷ (بتغیر ادنی الفاظ) ، طبع انجمن ترقی اردو ، کراچی ۱۹۵۰ء ، داغ دہلوی اپریل ۱۸۸۵ء میں حیدر آباد پہنچے تھے (بحوالہ نقوش لاہور ، آپ بیتی نمبر ، ص ۱۶۹۴) ۔

۳ ۔ ہمایوں میرزا بیرسٹر ، نقوش آپ بیتی نمبر ، ص ۱۸۰۴ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ایک اور انجمن اصلاح تمدن کے نام سے بھی وہاں قائم کی گئی تھی ، جس میں ظفر علی خاں نے ایک طویل نظم بھی پڑھی تھی ۔[1] مولوی عبدالحق اور سید محفوظ علی بدایونی کے مکانات بھی وہیں قریب تھے ، ہم جماعت ہونے کے سبب اور پچھلے تعلقات کے باعث آپس میں بےحد بے تکلفی تھی ۔ بقول نواب معشوق جنگ ”کم سے کم یہ بات تو ظاہر بظاہر تھی ، کہ زبان کے سلسلے میں مولانا ظفر علی خاں اپنے بے تکلف دوست سید محفوظ علی سے مشورے لیتے تھے“ گویا سید صاحب اُن کے ادبی مشیر تھے (یہی سبب تھا کہ مولانا ظفر علی خاں نے ”دکن ریویو“ نکالنے کے بعد انھیں اپنا مشیر ، شریک کار بھی بنایا تھا) ۔

ملازمت :

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ظفر علی خاں علامہؒ شبلی و محسن الملک کے مشورے سے ۱۸۹۶ع کے آخر میں حیدر آباد پہنچے تھے اور (نواب محسن الملک کی سفارش پر) نواب افسرالملک کمانڈر ان چیف افواج نظام دکن کے تحت وہاں فوج میں لفٹیننٹ ہو گئے ، گو یہاں اس ملازمت میں ایک سال سے زائد ہی رہے اور یہاں اُن کو نیزہ بازی اور شہ سواری کے ہنر دکھانے کا موقع بھی ملا، لیکن اُن کی آزاد طبیعت اس حاکم و محکوم کے ضابطہ دارانہ اصول زندگی کے خلاف تھی ، اس لیے افسر جنگ سے زیادہ نباہ نہ ہو سکا ۔

یہ بات ابھی تک حل طلب ہے کہ وہ یقینی طور پر کتنا عرصہ فوج میں رہے اور پھر دوسرے محکمے میں کس طرح منتقل ہوئے ؟ لیکن بظاہر ملازمت افواج سے علمی سلسلے میں لانے کے لیے محسن الملک کی رہنمائی نے کام کیا ۔[2] اور واضح ثبوت کی بنا پر وہ ۱۹۰۰ع میں معتمدی عدالت و امور عامہ کوتوالی میں صدر مترجم کے عہدے پر فائز تھے ۔[3] یہاں آ کر اُن کا حلقۂ احباب اس لیے اور بھی وسیع ہو گیا ، کہ وہ بوجوہ مولوی عزیز مرزا کے زیادہ قریب ہو گئے تھے ۔ مولوی عزیز مرزا ریاست حیدر آباد کی تمام قومی ، ملکی اور تمدنی تحریکوں کے روح رواں تھے ۔ وہ علمی ذوق اور قومی درد رکھتے تھے اور دوسروں میں اس

---

۱ ۔ یہ منتخب نظم بہارستان (مجموعۂ کلام ظفر علی خاں) میں شامل ہے ۔ نیز بحوالۂ مجلۂ دکن ریویو، ۱۹۰۴ع حیدر آباد دکن میں شائع ہوئی تھی ۔

۲ ۔ شورش کاشمیری : نقوش شخصیات نمبر ، ص ۵۹۷ ، اکتوبر ۱۹۵۶ع ۔

۳ ۔ رسالۂ جلوۂ محبوب دکن ، شمارہ جولائی ۱۹۰۰ع ، حیدر آباد دکن ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احساس کی قدر کرتے تھے۔[1] اسی لیے آن کے[2] مولوی عزیز مرزا کی مجلس میں علمی چرچے رہتے تھے ، وہ اپنی گونا گوں مصروفیتوں کے باوجود علمی کاموں کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ یہ علمی شوق آن کے دم کے ساتھ رہا ۔ ہندوستان کے مشہور اردو رسالوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو ، جس میں آن کے بیش بہا مضامین نہ شائع ہوتے ہوں ۔[3] (چنانچہ مولانا ظفر علی خاں جس زمانے میں دکن ریویو نکال رہے تھے ، تو آن کے مضامین اس میں بھی چھپتے تھے) ۔

مولوی عزیز مرزا علمی کاموں کو نہ صرف خود پسند کرتے تھے ، بلکہ دوسروں کی ہمت افزائی بھی کرتے تھے ، مولوی عزیز مرزا جس زمانے میں ہوم سکریٹری تھے ، اسی زمانے میں مولانا ظفر علی خاں نے ''افسانہ'' معہ دکن ریویو نکالا ، تو آن ہی کی بدولت ظفر علی خاں کو سرکاری کاموں میں اس لیے رعایت دی جاتی رہی ، کہ انھوں نے دو کتابوں کے ترجمے شائع کیے تھے ۔ اس طرح سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ امرائے دکن سے آن کی علمی خدمات[4] کی داد ملتی رہی اور آن کے زور قلم کا سکہ بھی لوگوں کے دلوں پر بیٹھتا رہا ۔ وہ شاعری کے میدان میں بھی حالی جیسے نقاد سخن سے داد لیتے رہے ۔[5]

ریاست کا سیاسی ماحول :

ان تمام ادبی ماحول کے باوجود ریاست میں جو سیاسی عنصر اپنا کام کر رہے تھے ، وہ حسب ذیل تھے :

۱ ۔ انگریزی ریذیڈنٹ کا زبردست سیاسی دباؤ ۔

۲ ۔ ریاستی امراء کی باہمی کشمکش اور آن کی سازشیں ، جن میں مقامی و غیر مقامی کا سوال کم اہم نہ تھا ۔

---

۱ ۔ ڈاکٹر عبدالحق: چند ہم عصر، ص ٦٦ ، انجمن ترقی اردو ،کراچی، طبع سوم ۱۹٦۰ع ۔

۲ ۔ مولوی عزیز مرزا ، علی گڑھ کالج کی اس پہلی کھیپ ۱۸۸۱ع میں سے تھے ، جو وہاں سے گریجویٹ بن کر نکلے ۔ انھوں نے نواب وقار الملک کے ماتحت رہ کر کام کرنا سیکھا تھا ۔ بحوالہ ڈاکٹر عبدالحق : چند ہم عصر، ص ٦٦ طبع ۱۹٦۱ع ۔

۳ ۔ ڈاکٹر عبدالحق : چند ہم عصر ، ص ٦۷ (در ضمن ذکر مولوی عزیز مرزا مرحوم) طبع ۱۹٦۰ع کراچی ۔

۴ ۔ بحوالہ دکن ریویو ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۰۴ع ۔

۵ ۔ بحوالہ بالا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳ - نظام دکن کی خوشنودی حاصل کرنے کی مختلف مہمیں -

اسی لیے جدید تعلیم یافتہ طبقہ (خصوصاً علی گڑھ کالج کے فارغ التحصیل نوجوان) انگریزوں کی حکمت عملی اور سیاسی حرفتوں سے پوری طرح عملاً واقف ہو رہا تھا ، جس کے نتیجے میں وہ انگریز کی حکمت عملی کی تائید کے بجائے اُس کی منافقانہ پالیسی سے ناراض ہونا شروع ہو گیا تھا - اور دوسری طرف حیدر آباد دکن، علی گڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا مرکز بننا شروع ہوگیا تھا - (جس کے نتائج بعد میں یوں نکلے کہ مولوی عزیز مرزا ، ظفر علی خاں اور مولانا عبدالعلیم شرر کو ریاست سے نکل جانا پڑا) -

ریاستی امراء کی باہمی کشمکش اور سازشیں کس طرح کام کر رہی تھیں ، اُس کی مثال مرزا فرحت اللہ بیگ کا وہ بیان ہے کہ جب وہ عزیز مرزا کے قریبی عزیز ہونے کے سبب تلاش ملازمت میں حیدر آباد آئے ، اُس وقت مولوی عزیز مرزا ہوم سکریٹری تھے ، انھوں نے مرزا فرحت اللہ بیگ کو بابو نند لال سیل یا سین معتمد فینانس کے پاس بھیجا ، بابو نند لال نے مرزا صاحب کو ملازمت کا پورا یقین یہ کہہ کے دلا دیا کہ "آج خدا خدا کر کے میں مولوی عزیز مرزا صاحب کے احسانوں کا بدلہ دینے کے قابل ہوا ہوں اور کل یا پرسوں تک تمھاری تقرری کا حکم پہنچ جائے گا" - اور اس کے بعد خود ہی اُس نے مدار المہام (وزیر فینانس) سر کیلس واکر سے آکر یہ بیان کیا ، کہ اس جگہ پر مولوی عزیز مرزا اپنے ایک نالائق آدمی کو ٹھونسنا چاہتے ہیں - لہذا آپ اس جگہ کا جلدی انتظام کر دیجیے -[1] اور اس جگہ کے لیے ایک نام بھی پیش کر دیا - دو دن بعد جب مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم، بابو نند لال سے جا کر ملے ، تو وہ صاف انکار کر گیا کہ آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے - حالانکہ اس جگہ کے لیے خود اُس نے مولوی عزیز مرزا صاحب

---

۱ - مرزا فرحت اللہ بیگ : نقوش آپ بیتی نمبر ، ص ۵۹۶ ، لاہور ۱۹۶۴ء -

نوٹ : مرزا فرحت اللہ بیگ حیدر آباد میں ترقی پا کر ڈسٹرکٹ اور سشن جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے - وہ اپنے پر لطف مضامین خصوصاً "نذیر احمد کی کہانی ، کچھ اُن کی ، کچھ میری زبانی" کے سبب صاحب طرز انشاء پرداز مشہور ہوئے ہیں - طنز و مزاح میں اُن کا خاص انداز ہے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب سے کہا تھا کہ ''اگر کوئی آدمی ہو تو مجھے دیجیے'' ۔ اسی بنا پر عزیز مرزا صاحب نے مرزا فرحت اللہ بیگ سے کہا تھا کہ ''فرحت میاں ! میں نے کئی موقعوں پر اُس کی مدد کی ہے ، لہٰذا میں اس کو خط لکھ دیتا ہوں ۔ کل تمھارا تقرر وہاں ہو جاتا ہے'' ۔ بابو لند لال کے اس جواب ملنے پر مرزا صاحب نے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا ہے ۔ ''حیدر آباد میں کچھ عرصہ رہ کر جب مسٹر سیل یا (مسٹر سین) کا رنگ دیکھا تو اُس وقت معلوم ہوا کہ ''دنیا اس طرح چلائی جاتی ہے ، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کے لیے کتنی بڑی سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے ۔'' (بحوالہ سابق) ۔

مولانا ظفر علی خاں کے تعلقات مولوی عزیز مرزا سے بے حد تھے ۔ جب مرزا فرحت اللہ بیگ مولوی عزیز مرزا سے ملنے کے لیے دہلی سے پہنچے تھے تو وہاں اُن کے پاس ڈاکٹر عبدالحق ، عبدالحلیم شرر اور مولانا ظفر علی خاں موجود تھے ۔ ایک تو یہ واقعہ (مرزا فرحت اللہ بیگ کی ملازمت کا حصول اور اس کا المیہ) اُن کی آنکھوں کے سامنے گزرا ، اور ظاہر ہے کہ وہ بھی عزیز مرزا سے قربت کے سبب اس واقعے سے متاثر ہوئے ہوں گے ، دوسرا واقعہ یہ بھی ہوا کہ ''ادھر مولوی عبدالحلیم شرر کو تلاشِ معاش لکھنؤ سے حیدر آباد کھینچ لائی تھی اور اُنھیں امید دلائی گئی تھی کہ انھیں مولوی سراج الحسن (محسن الملک کے بھانجے) ناظمِ تعلیمات حیدر آباد کے تحت کوئی معقول ملازمت دے دی جائے گی اور موجودہ اینگلو انڈین مسٹر مرے مدد گار ناظم تعلیمات کو ترقی دے کر کسی اور شعبے میں بھیج دیا جائے گا ۔ اور اُن کی جگہ مولانا عبدالحلیم شرر مامور کیے جائیں گے ۔ مگر مسٹر واکر (مدارالمہام فینانس حیدر آباد) کی توجہات سے اُمید کا گھر حسب معمول خالی رہا[۱] ۔''

واکر صاحب مدارالمہام فینانس ہونے کے سبب تمام دفاتر پر چھائے ہوئے تھے اور اس اونچے طبقے سے تعلق رکھنے کے سبب ، ظفر علی خاں کی آنکھوں کے

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : خود نوشت سوانحِ عمری موسوم بہ ازالۃ الخفا نوشتہ اپریل ۱۹۲۸ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے ، انگریزوں کی ساری عیاریاں عیاں ہوتی جا رہی تھیں اور سازشوں کی کوئی بات اُن سے چھپی بھی نہیں رہتی تھی کہ :

''پنجاب اور برطانوی ہند کے دوسرے علاقوں کی طرح دیسی ریاستوں میں بھی کاسہ لیسان خوان فرلنگ ، کی کمی نہیں[1] ۔''

انھی خیالات کی عکاسی کرتے ہوئے اُن کی ایک نظم واکر نامہ ، کے عنوان سے پیسہ اخبار ، لاہور میں شائع ہوئی ۔

یہ نظم پوری پوری اُن تلمیحات پر مشتمل تھی ، جس کا علم عام آدمی کو نہیں ہو سکتا تھا اور ظفر علی خاں کی شعلہ بیانی ، شعر گوئی اور انگریز دشمنی کے سبب سب کو یقین ہو گیا تھا کہ ہو نہ ہو یہ نظم صرف ایک ہی شخص کہہ سکتا ہے ۔ اور وہ ظفر علی خاں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے چنانچہ بقول اُن کے ''مسٹر گارڈن واکر معین المہام فینانس[2] کے ملوکیت مآب دل میں یہ شبہ ڈال دیا گیا تھا کہ اس نظم کا مصنف میں ہی ہوں ۔ اس ہنگامہ خیز نظم کے بعض اشعار جنھوں نے سیاسی حلقوں میں اُن دنوں ایک کھلبلی سی ڈال دی تھی، مجھے اب تک یاد ہیں اور قارئین کرام کے لیے اُن کا اعادہ لطف سے خالی نہ ہوگا ۔ نظم کا مطلع ملاحظہ ہو :

نہ بنگالی سے گھبرا ، اور نہ مدراسی کی پرواہ کر
مگر سجدہ میں جھٹ گر پڑ ، اگر آئے نظر واکر

(بنگالی سے مراد بابو نند لال سیل ہیں ، جو مسٹر واکر کے ایک بلند پایہ مدد گار تھے اور مدراسی سے مراد مولوی احمد حسین تھے ، جو اپنی گونا گوں قابلیتوں کے صدقے میں زمانے کے حوادث کا کامیابی سے مقابلہ کرتے ہوئے آج بھی دولت آصفیہ کے ایک منصب جلیل پر فائز ہیں) ۔

دوسرے شعر میں اُس افتاد کا نقشہ (جو مسٹر واکر کی برطانوی نخوت کے ہاتھوں آصف جاہیوں کے جلال و جبروت پر پڑی تھی) ، یوں کھینچا ہے :

پڑی پھرتی ہے ننگے سر نظام الملک کی دولت
اک اینگلو انڈین کے ہاتھ سے چادر اتروا کر

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفاء (خود نوشت سوانح عمری) زمیندار لاہور اپریل ۱۹۲۸ء ۔
۲ ۔ ظفر علی خاں : اداریہ زمیندار ہفتہ وار ، کرم آباد یکم جنوری ۱۹۱۰ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیدر آباد دکن میں استعمار مغرب کے شہد کی ان مکھیوں کی ملکہ ایک پارسی زادہ دانش مند تھے ، جو نواب فریدون الملک کے نام سے مشہور ہیں ، بے حد خلیق اور بے حد متواضع بزرگ ہیں ۔ یوں تو وہ ہر کس و نا کس سے ہنس کر ملتے ہیں ، لیکن انگریز کی صورت دیکھتے ہی آپ کا چہرہ اُردی بہشت بن جاتا ہے ، اور دونوں لبوں کے گوشے بنا گوش سے جا ملتے ہیں ، چنانچہ یہ ساری کیفیت اس ایک شعر میں نمایاں کی گئی ہے :

تملق ہو تو ایسا ہو ، پھٹی ہیں کان تک باچھیں
کسی کے کنج لب کا بن گیا ہے پردہ در واکر

اشعار تو بہت سے تھے ، جن میں واکر صاحب کے فیوض نامتناہی کی تفصیل اسی انداز سے بیان کی گئی تھی ، لیکن وہ ذہن سے اتر گئے ، اور آخری شعر یاد رہ گیا ، اور وہ یہ تھا :

نظام الملک آصف جاہ ، اگر لیں کام قوت سے
تو آئے دوسرے دن سے ہی لندن میں نظر واکر

اس نظم کے اصلی نگارندہ کا نام تو آج تک پردۂ خفا میں ہے ۔ لیکن حیدرآباد کے سیاسی و ادبی حلقوں میں اس کی اشاعت نے جو ہیجان پیدا کیا ، وہ دیکھنے کے قابل تھا ۔ پیسہ اخبار لاہور کے جس پرچہ میں یہ نظم چھپی ، وہ اس قدر مقبول ہوا ، کہ اس کے لیے بے شمار برق درخواستیں بھیجی گئیں ، یہاں تک کہ یہ پرچہ نایاب ہوگیا ۔ "

"یہ وہ سیاسی ماحول تھا ، جس کی بوقلمونیاں شاعر کی نظر کے سامنے گذر رہی تھیں ، اس طرح ظفر علی خاں جیسے شاعر کے لیے ان تمام جذبات کو چھپانا ایک مشکل کام تھا ، لہذا ان تمام تخیلات نے شعر کا قالب پہن لیا — مسٹر واکر کے قلب کی کیفیت جو اس نظم کے مطالعہ سے ہوئی ہو گی ، اُس کو تو وہی بہتر جانتے ہیں ، لیکن ایک خفیف سا اندازہ اس پیچ و تاب کا ، جن سے اُن کا سراپا ، ہر شعر پڑھ کر لپٹ جاتا تھا ، اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ مسٹر جینکن انسپکٹر جنرل پولیس ، اس خدمت پر مامور کیے گئے تھے ، کہ واکر نامہ کے مصنف کا پتہ لگائیں ، چنانچہ خاص طور پر ایک کارندہ لاہور بھیجا گیا تھا کہ نظم کا مسودہ ،

---

۱ ۔ ادارہ" زمیندار ہفتہ وار کرم آباد ۔ حوالہ سابقہ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کار پردازان پیسہ اخبار سے حاصل کرے[1] ۔ بہر حال واکر صاحب کے حاشیہ نشینوں کو اُس گستاخ شاعر کا نام تو معلوم نہیں ہو سکا ، جس نے انھیں کھری کھری باتیں کہہ سنائی تھیں ، اس لیے اُن کے شبہات کو ایک مقامی قانون کی دقیانوسی دفعات کی پناہ ڈھونڈھنی پڑی ، جس کا مفاد یہ تھا ۔ اگر کسی بیرونی اخبار میں ریاست کے کسی شخص کی کوئی قابل اعتراض تحریر شائع ہو ، اور لکھنے والا گم و بے نشان ہو تو ایسی تحریر کی ذمہ داری اس شخص پر عائد ہوگی ، جس میں اس کی نگارش کا سلیقہ بدرجہ اتم پایا جائے ۔ میری روشنیٔ طبع از بسکہ میرے لیے بلا ہو چکی تھی ، اس لیے حیدر آباد کے انگریزی حلقوں میں واکر نامہ کی تصنیف کا الزام مجھ پر تھپ گیا ، کہ مجھ ہی میں اس قسم کے اشعار کہنے کا سلیقہ بدرجۂ اتم موجود ہے[2] ۔ "

وہ دبے الفاظ میں اس امر کی تردید کرتے ہیں کہ واکر نامہ اُن کی طبیعت کی جدت طرازیوں کا نتیجہ نہیں ہے ۔ لیکن یہ بات یقین کے درجے کو پہنچ گئی تھی کہ بہر حال " واکر نامہ کے مفروضہ مصنف ہونے کے لحاظ سے انگریزوں کے دل میں میری نسبت یہ شبہہ ضرور بیٹھ گیا ، کہ میری فطرت اس استعداد کی دشمن ہے ، جس کے وہ (ہندوستان کی سر زمین پر اپنے آسمانی باپ کی رحمت نہانی ظاہر کرکے) ڈیڑھ سو سال سے خوگر ہیں۔ "

ان الفاظ سے ہویدا ہے کہ اس نظم کے مصنف وہی تھے ۔ اپنا نام تو پردہ میں رکھ رہے تھے ، لیکن اس پردے کے پیچھے سے ان کی آواز اور ان کا انداز تکلم صاف غمازی کر رہا تھا ، کہ وہ اپنی انگریز دشمنی کو شعر کے ساز میں بیان کر رہے تھے ، تا کہ حیرت و استعجاب باقی رہے : ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

---

١ ۔ پیسہ اخبار سے یہ خبر بھی معلوم ہوئی ، کہ منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور کے پاس سی ۔ آئی ۔ ڈی کا ایک آدمی خاص طور سے بھیجا گیا تاکہ شاعر کا نام معلوم کر سکے ، لیکن اُس کا نام بتایا نہیں گیا ۔ البتہ حیدر آباد میں یہ بات طے پا گئی تھی کہ اس نظم کا نگارندہ سوائے ظفر علی خاں کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا ۔

٢ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفاء ، (ذاتی حالات) اپریل ١٩٢٨ع ، طبع زمیندار روزنامہ ، لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس راز کو ان کے سب احباب جانتے تو تھے ہی—لیکن فطرت کا یہ بھی راز کھل کر رہا ۔ وہ خود کہتے ہیں ۔ "میری فطرت کا یہ راز انگریزوں پر تو پہلی مرتبہ واکر نامہ کی اشاعت کے سلسلے میں ظاہر ہوا' مگر ہم نشینوں کی بصیرت پر مدتوں پہلے آشکار ہو چکا تھا[1] ۔"

وہ اسی چھپی ہوئی نفرت کے سبب پنجاب میں سرکاری ملازمت کی مسلسل دعوت کو رد کرتے رہے تھے ، اور اب حیدر آباد میں پھر اسی ذہنیت سے واسطہ پڑا تو اُنھیں اپنے اس غصے کا اظہار واکر نامہ کی شکل میں کر دینا ہی پڑا ۔ لیکن اس نظم کی اشاعت کے سبب حیدر آباد کی فضا اُن کے لیے مکدر ہو گئی ۔ اس لیے وہ ۱۹۰۵ء میں فن دباغت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے باہر جانے کی درخواست کر چکے تھے ۔ وہ سرمایہ کی کمی کے سبب تعلیم کے لیے باہر تو نہ جا سکے ، لیکن وہ ۱۹۰۶ء میں چھٹی لے کر اپنے دوست سید محفوظ علی مرحوم[2] کے پاس صالی لینڈ ضرور پہنچے ۔ اور وہاں کافی عرصے قیام کیا ۔ لیکن ڈاکٹر عبدالحق اس واقعہ کو کسی اور نہج سے لکھتے ہیں :

"بہر حال ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر وہ رخصت لے کر بمبئی چلے آئے ، یہاں اُن کی ملاقات اُن کے پرانے دوست سید محفوظ علی سے ہو گئی جو ۱۹۰۷ء میں صالی لینڈ سے واپس آ چکے تھے ۔ یہ پرانے دوست ایک جگہ رہنے لگے ، اور خیال کے سرپٹ گھوڑے دوڑانے لگے ۔ بمبئی شہر کی شان و شوکت ، تجارت کی گہما گہمی اور لوگوں کی دولت و ثروت دیکھ کر اُن کی آنکھیں کھل گئیں ۔ دو چار جاننے والے وہاں پہلے سے موجود تھے ، بعد میں جب ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھا ، اور بمبئی کے اندرونی حالات سے پردہ اٹھا ، تو انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہ مجرب

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفا (ذاتی حالات) اپریل ۱۹۲۸ء ، طبع زمیندار روزنامہ ، لاہور ۔

۲ ۔ محی الدین بدایونی : طنزیات و مقالات سید محفوظ علی ، ص ۳۵ ، طبع انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۷۴ء ۔

نوٹ ۔ سید محفوظ علی اکتوبر ۱۹۰۳ء میں جسٹس محمود مرحوم کی سفارش پر جج مقرر ہوئے ، وہاں وہ ۱۹۰۷ء تک اس عہدے پر فائز رہے ۔ اس سلسلے میں قابل ذکر یہ بات ہے کہ ظفر علی خاں صالی لینڈ جا کر سید محفوظ علی مرحوم کے پاس تقریباً ایک سال رہے ۔ واپسی پر دونوں ساتھ آئے اور پھر تجارت کا پروگرام بنایا گیا تھا ۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تولدیل سیٹھ جو دن بھر دکانوں پر بیٹھے اپنے منیموں کو آرڈر دیتے ، اور کارکنوں سے چٹھیاں لکھواتے رہتے ہیں ، لاکھوں، کروڑوں کے مالک ہیں ۔ عالیشان محلوں میں رہتے ہیں ، اعلیٰ درجے کی موٹروں میں سفر کرتے ہیں ، گھوڑ دوڑ اور جوئے میں ایک ایک رات میں ہزاروں کی بازیاں لگا دیتے ہیں ، رات بھر عیش و عشرت کرتے ہیں اور دن میں دس بجے سو کر اٹھتے ہیں ۔ یہ گھامڑ جو الف کے نام بے نہیں جانتے ، ایسا کون سا بڑا کام کرتے ہیں کہ اُن پر ہن برستا ہے ۔ اگر ہم نے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ، اور جان مار کر علم سیکھا ہے ، اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا تو کیا اتنا بھی نہ کر سکیں گے جو یہ جاہل تاجر کر گزرتے ہیں ۔ ہم یورپ اور امریکہ کے تاجروں سے زیادہ بے تکلفی اور مساوات کے ساتھ مل سکتے ہیں ، معاملات پر زیادہ قابو کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہیں ، ہم جیسی شستہ اور فصیح انگریزی میں اُن کو مراسلات لکھیں گے اس کا کرائے کے کلرک کیا مقابلہ کر سکتے ہیں ۔"

غرض یہ بات کئی روز تک موضوع بحث رہی ۔ رات کو خواب بھی اسی کے آتے تھے۔ انھوں نے یہ بھی سن رکھا تھا "لکھد چاکری اَدھم بیوپار" ۔ نوکری سے دونوں بیزار تھے ، اور اُسے انتہائی ذلت اور غلامی سے بدتر سمجھتے تھے۔ غرض دن رات یہی دھن سوار تھی ، اور بڑے بڑے پروگرام بناتے تھے ۔ ابھی سے رہنے کے لیے مالا بار ہل پر کوٹھیوں کا معائنہ کرنے لگے ۔ سواری کے لیے موٹر ضروری ہے ۔ بڑے بڑے تاجر اور لکھ پتی ، کروڑ پتی سیٹھوں سے ملاقات کرنی ہے ۔ وکٹوریہ یا دوسری گاڑیوں میں جانے سے آدمی نظر سے گر جاتا ہے ، اس لیے دن میں کئی کئی پھیرے موٹر خانوں کے بھی ہو جاتے تھے ۔ بعض اوقات ان منصوبوں کے متعلق اختلاف بھی ہو جاتا ، تو بحث بڑی تیز اور گرم ہو جاتی ، مگر تھوڑی دیر بعد پھر ہنسی خوشی اصل موضوع پر گفتگو ہونے لگتی ۔ خیال کی دنیا بہت وسیع ہے ۔ اُس کی سیر میں جو لطف آتا ہے ، وہ کسی اور تفریح اور کسی عیش میں نہیں ملتا ۔ اور جب ایسے دو قابل ادیب اور شاعر اس دنیا میں مل بیٹھیں گے ، تو کیا کیا نہ گل کھلائیں گے ۔

غرض ان دونوں صاحبوں نے بمبئی کی تجارت گاہوں ، کمپنیوں ، مشہور دکانوں کا غور سے معائنہ کیا ، اور مختلف اقسام اور مختلف ممالک کے سامانوں کی جانچ پڑتال کی ، ایک نوٹ بک جو ہر وقت اُن کی جیب میں رہتی ، جہاں کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیز کام کی نظر پڑی ، فوراً ٹانک لی ۔ دیکھتے بھالتے ، بحث و تکرار اور مشورے کے بعد جب اصل مرحلے طے ہو گئے ، اور بات پختہ ہو گئی ، تو انھوں نے اپنے مشاہدوں ، تجربوں ، مشوروں کی بنا پر ایک کام کا پروگرام طے کر لیا ، اور کلیات سے جزئیات تک پھر نظر ڈالی ، کہ کوئی ادنٰی سے ادنٰی بات بھی نہ چھوٹنے پائے ، اس میں بڑی سردردی کرنی پڑی ۔ اس دوران بعض ایسے معاملات بھی پیش آئے ، جن پر گھنٹوں بحث رہی ۔ آخر خدا خدا کرکے یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا ، اور سب متفقہ طور پر طے شدہ امور جو کوئی دو سو (۲۰۰) صفحات پر پھیلے ہوئے تھے ، نہایت عمدہ کاغذ پر ٹائپ کرائے گئے۔ نہایت نفیس سنہری جلد کی کتاب بن گئی ۔ دوسرے دن انھوں نے اپنے بعض ہم خیال اور ہم دانش دوستوں کو گرین ہوٹل میں فرسٹ کلاس ڈنر دیا ، اور یہ کتاب اُن کے سامنے پیش کی ، اس کے بعض حصے سنائے ، اور کچھ زبانی تشریح کی ، سب نے اُسے پسند کیا ۔ دونوں کو دلی مبارکباد دی ، اور کامیابی کی دعائیں کیں ۔

دوسرے دن اتوار تھا ، انتظام وغیرہ میں صرف ہوا ۔ تیسرے دن اللہ کا نام لے کر ایکسپورٹ اور امپورٹ کا دفتر کھولا ، اس کا نام اورینٹل کمرشیل ایجنسی رکھا ، جو پہلے ہی طے ہو چکا تھا ۔ ایک شاندار بورڈ اردو انگریزی دونوں زبانوں میں خوبصورت حروف میں لکھوا کر لگایا گیا ۔ سامان کی فرمائشیں پہلے ہی غیر ملکوں کو جا چکی تھیں ۔ جاپان سے ریشم اور اونی سامان ، چین سے چینی ظروف ، تصویریں اور پردے ، افریقہ سے ہاتھی دانت کا سامان ، فرانس سے زیبائش اور آرائش کی اشیاء اور نامعلوم کہاں کہاں سے ، کیا کیا درآمد کیا گیا ۔ سامان ایسا نفیس اور دلکش ، کہ دیکھ کر جی خوش ہو ۔ مگر خوشی کچھ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہی ۔ تجارت جسے معمولی چیز سمجھے ہوئے تھے علم دریا نکلی ۔ ہر فن اور ہر پیشہ کے کچھ گر ہوتے ہیں ۔ اس کے ساتھ تجربہ ، اور طبیعت کی مناسبت لازمی شرطیں ہیں ۔ یہ دونوں گریجویٹ جن کی سات پشت میں سے کسی نے تجارت کو ہاتھ نہیں لگایا تھا ۔ اور جو نہ کبھی تجارتی ماحول میں رہے ۔ بیس پچیس سال اسکول ، کالجوں میں گزارے ۔ اس کے بعد دو چار دفتروں کی خاک چھانی — بس یہ تھی اُن کے تجربے اور دنیا شناسی کی ساری کائنات ۔ اس برلے پر درآمد برآمد کی خام خیالی نہ تھی تو کیا تھی— نتیجہ یہ ہوا کہ پونجی کم ہوتی گئی، مال کی نکاسی برائے نام ہوئی، اور جب انتظام و صبر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی گنجائش باقی نہ رہی ، تو بصد حسرت و یاس دکان بڑھانا پڑی[1]۔"

آخر کار دونوں دوست مع سامان کے پھر واپس اپنی جگہ آ گئے، اور ملازمت ہی کا سہارا تلاش کیا ۔ اور بقول ڈاکٹر عبدالحق "ہمارے دونوں دوست ایک لٹے پٹے قافلے کے مسافروں کی طرح آ گئے ۔ بچا کھچا سامان بھی ساتھ ہے ، جس سے اُن کی نفاست ذوق کا پتہ چلتا ہے ۔ ان میں سے بعض اشیاء حیدر آبادی دوستوں نے خرید لیں ۔ ایک دو چیزیں اب بھی میرے پاس بطور یادگار باقی ہیں ۔ ظفر علی خاں رسی تڑا کر بھاگے تھے ، پھر اسی تھان پر آ گئے ، اور طوق غلامی خوشی خوشی اپنے گلے میں ڈال لیا ۔ اب پھر دونوں دوست ایک جگہ ہو گئے ، اور خوش تھے ۔ یہ خوشی یکجائی کی وجہ سے تھی ۔ اور جس قدر دانی کے وہ مستحق تھے ، وہ انھیں نصیب نہیں ہوئی[2]۔"

درباری سازشیں اور مولانا کی واپسی :

حیدر آباد میں بعض صاحبان کا خیال تھا ، کہ "واکر نامہ" ہی اُن کے اخراج کا باعث ہوا ۔ لیکن مولانا (ظفر علی خاں) نے واضح طور پر اس کی تردید کی ہے ، اور وہاں سے نکالے جانے کے بارے میں ایک دوسرا ہی واقعہ بیان کیا ہے ، وہ یہ ہے :

"سر مائیکل اڈوائر حیدر آباد کے ریذیڈنٹ تھے ، اُس زمانہ میں ایک سنیما کمپنی آئی ہوئی تھی ۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے بعض پرانے طالب العلموں نے اُسے (کمپنی کو) اس بات پر آمادہ کر لیا ، کہ ایک رات کے تماشے کی آمدنی علی گڑھ کے لیے وقف کر دے ۔ رات کے وقت جب کھیل ہوا تو تھیٹر امراء ، اعیان دولت اور متوسطہ کے تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ۔ کمپنی والوں نے اطالوی معاشرت کا ایک حیا سوز نظارہ دکھایا کہ مرد عورتوں کے ساتھ بے محابا مل کر ناچ رہے تھے ۔ کھیل کے خاتمے پر مجھ سے فرمائش کی گئی ، کہ میں موزوں الفاظ میں کمپنی کا شکریہ ادا کروں — میں نے ایک تقریر کی ، جس میں برسبیل تذکرہ مشرق اور مغربی تہذیب کا مقابلہ کرتے ہوئے ، ناچ والی متحرک تصویر کا

---

۱ ۔ مقدمات عبدالحق : مقدمہ مضامین سید محفوظ علی ، ص ۲۶۶ ، طبع انجمن ترقی اردو کراچی ۔

۲ ۔ حوالۂ بالا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ دیا ، اور کہا کہ ''اگر ہندوستان کے مردوں اور عورتوں نے بھی ان اطالویوں کی نقلیں شروع کر دیں ، تو پھر ہمارے ایمان و ایقان کا خاتمہ ہے[۱] ۔''

اشرف عطاء نے اپنی کتاب میں اس تقریر کے بعض دوسرے جملوں کا بھی اضافہ کیا ہے ، کہ مولانا نے یہ بھی فرمایا ''یہ نیم برہنہ رقص بے حیائی اور بے غیرتی کا کھلا مظاہرہ انگریزی تہذیب میں تو برداشت کیا جاسکتا ہے اور اسے برطانیہ کی برہنہ تہذیب کا طغرائے امتیاز قرار دیا جا سکتا ہے ، لیکن اسلام اور اس کی تہذیب ایسے برہنہ رقص کی متحمل نہیں ہو سکتی ۔ اسلام تو غیر محرم عورتوں کو دیکھنے کی ممانعت کرتا ہے چہ جائیکہ ہم برہنہ رقص دیکھ کر خوشی سے بغلیں بجائیں ، اور اس بے حیائی کا مظاہرہ کرنے والوں کا شکریہ ادا کریں کہ انھوں نے برہنہ رقص کرکے ہمارے معاشرے کی دیواروں میں سوراخ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ شرم و حیاء تو مشرقیوں کی متاع عزیز ہے ، اگر یہ لٹنی شروع ہو گئی ، تو پھر قوم کی بے غیرتی اور بے حیائی میں کسر باقی نہیں رہے گی — اس لیے میرا ضمیر اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ میں ایسے حیا سوز مظاہروں کا شکریہ ادا کروں[۲] ۔''

مولانا نے اس کے بعد دوسرے دن کا جو واقعہ بیان کیا ، اس کی تفصیل انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے :

''دوسرے دن جب میں دفتر گیا ، (ان ایام میں ، میں اسسٹنٹ ہوم سکریٹری تھا ۔) تو مولوی عزیز مرزا مرحوم ہوم سکریٹری نے مجھے طلب کرکے مہاراجہ سرکشن پرشاد ، مدار المہام کا ایک مراسلہ دکھایا جس میں جناب عالی شان ریزیڈنٹ کے ایک حکم کی بنا پر مجھ سے واقعہ دیشب کے متعلق جواب طلب کیا گیا تھا ۔ اور جناب مائیکل اڈوائر اپنے مخصوص جلالی لہجہ میں مجھ پر یوں برسے تھے ، کہ نظام گورنمنٹ کے ایک عہدہ دار نے کل رات علانیہ طور سے مغربی نسائیت پر جو بے باکانہ نکتہ چینی کی ، اس کی نسبت اس سے سختی سے باز پرس کی جائے[۳] ۔''

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفاء ، خود نوشت سوانح عمری ، شائع شدہ زمیندار اپریل ۱۹۲۸ء ۔

۲ ۔ اشرف عطاء : مولانا ظفر علی خاں ، ص ۸۹ ، طبع لاہور ۱۹۶۲ء ۔

۳ ۔ ظفر علی خاں : خود نوشت سوانح عمری ، حوالہ بالا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا نے اس کا جواب اُسی وقت قلمبند کر کے مولوی عزیز مرزا مرحوم کو دے دیا، کہ "میرا رویہ کسی لحاظ سے بھی قابل اعتراض نہیں تھا — اور مہاراجہ سرکشن پرشاد کو بھی مزید تحقیقات کے بعد اطمینان ہوگیا۔" لیکن اڈوائر صاحب کی تشفی اس سے کیوں کر ہو سکتی تھی؟[1]

حیدر آباد کی درباری سازشیں :

مولانا ظفر علی خاں، مولوی عزیز مرزا سے بہت قریب تھے، دونوں میں اسلامی جذبے کی شدید محبت تھی، دونوں مسلمان قوم کے احیاء کے لیے ہمیشہ سوچتے رہتے تھے، (مولوی عزیز مرزا قیام مسلم لیگ کے سلسلے میں بھی ڈھاکہ گئے تھے، اور محسن الملک بھی وہاں پہنچے تھے۔) اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حیدر آباد کی کوئی تحریک ایسی نہ تھی جس میں مولوی عزیز مرزا شریک نہ ہوتے ہوں، اسی طرح مولوی عزیز مرزا ہوم سکریٹری ہونے کی حیثیت سے بھی حیدرآباد کی متوسط و اعلیٰ سوسائٹی میں ایک بلند درجہ رکھتے تھے، اس لیے درباری سازشوں میں سربلند جنگ کا نام بھی لیا جاتا ہے، جو اُن کے (عزیز مرزا) قریبی عزیز تو تھے ہی، لیکن عزیز مرزا سے باطناً خفا رہتے تھے، اس لیے وہ عزیز مرزا کو زک پہنچانے کے لیے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے تھے، اسی زمانے میں مولانا ظفر علی خاں ولی عہد دکن (میر عثمان علی خاں) کے اتالیق بھی رہے تھے، ظاہر ہے اس طرح سرکاری طور پر وہ عزیز مرزا سے قریب تھے اور ولی عہد سے بھی قریب ہو گئے تھے، درباری سازشوں نے عزیز مرزا سے بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی — اسی زمانے میں برار کی واپسی کا قضیہ تو چل ہی رہا تھا، کہ اغیار کو مولانا ظفر علی خاں کی پرانی نظم 'واکر نامہ' کے ساتھ ہی اب یہ نیا واقعہ رونما ہوا (اطالوی کمپنی کی آمد) اور مولوی عزیز مرزا ہوم سیکریٹری سے بھی بدلہ لینے کے لیے ظفر علی خاں (اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری) کو بھی زک دینی ضروری تھی، مولوی عزیز مرزا بھی قومی جذبے سے پر تھے، اور وہ ریاست حیدر آباد کو مسلمانوں کا ایک نیا مرکز ضرور بنانا چاہتے تھے۔[2]

۱۔ ظفر علی خاں: خود نوشت سوانح عمری، حوالۂ گذشتہ۔

۲۔ نوٹ: مولوی عزیز مرزا کی قومی خدمات کے سلسلے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے مسلم لیگ کے سکریٹری بنائے گئے تھے (بعد میں اُن کے ایک صاحبزادے حیدرآباد ہائی کورٹ کے جسٹس ہوئے)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاستوں میں معمولی معمولی باتیں بھی بے حد کام کرتی تھیں ، چنانچہ یہ ہوا بھی دے دی گئی کہ وہ ولی عہد کے ساتھ ایک نئی سازش تیار کر رہے ہیں ، یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ مل کر حیدرآباد کے مسلم حکمران کو "ہز میجسٹی" کا خطاب دیے جانے کے لیے کوشاں ضرور تھے - انھوں نے ایک موقع پر خود بیان کیا ، کہ "میں اپنے ضمیر سے شرمندہ ہوئے بغیر یہ اعلان کرتا ہوں ، کہ میں کسی سازش میں شریک نہیں تھا ، اور نہ کسی سازش کا وجود تھا - وہاں ہمارا جرم یہ ضرور تھا کہ ہم حیدر آباد سے محبت کرتے تھے ، کہ حیدر آباد کے حکمران کو ہز میجسٹی کا خطاب دے کر ایک خود مختار حکمران تسلیم کر لیا جائے ، اگر یہ سازش ہے ، اگر یہ جرم ہے تو حیدرآباد کا ہر مسلمان اس جرم کا مرتکب ہے -"

اس بات کو سازش کے تحت ہوا دینے میں ، خواجہ حسن نظامی مرحوم اور شیخ ضیاء الحق روپڑی کا نام بھی شریک کیا جاتا ہے - چونکہ خواجہ صاحب پیر زادہ ہونے کی حیثیت سے ایک خاص طبقے میں شہرت رکھتے تھے ، اور مہاراجہ سرکشن پرشاد وزیر اعظم حیدرآباد سے اُن کے تعلقات صوفیانہ راہ و رسم کے سبب استوار تھے ، اس لیے ہو سکتا ہے کہ وزیر اعظم کو یہ بات بعض اسباب کی بنا پر ناگوار گزری ہو - اور خواجہ حسن نظامی مرحوم نے دہلی کے چیف کمشنر کو یہ بات پہنچائی ، جنھوں نے وائسرائے کو مطلع کیا ، دلی کے سرکاری حلقوں سے یہ بات انگریزوں کی پالیسی کے خلاف تھی ، جس کے نتیجہ میں مولوی عزیز مرزا ، صفی الدین ، مولوی عبدالحلیم شرر اور ظفر علی خاں کو اڑتالیس گھنٹے میں حیدر آباد سے نکل جانے کا حکم مل گیا[1] -

"غرض اس طرح میر محبوب علی خاں کے دور میں نواب محسن الملک ، نواب وقار الملک ، مولانا ظفر علی خاں ، مولوی عبدالحلیم شرر ، نواب اعظم یار جنگ بہادر ، مولوی چراغ علی ، مولوی عزیز مرزا حیدر آباد آئے ، اپنے علم و فضل اور قابلیت کا سکہ منوایا ، مملکت اسلامیہ حیدرآباد

---

۱ - شورش کاشمیری : نقوش لاہور ، شخصیات نمبر ، ص ۵۹۷ ، (بہ تغیر ادنٰی الفاظ) ۱۹۵۶ء - مزید تفصیل کے لیے دیکھیے مولوی قمر الدین احمد بدایونی علیگ کی کتاب محفل عزیز (حیات عزیز مرزا) مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۶۲ء ، ص ۴۳ حصہ اول -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خدمت کی ، پھر انگریزوں کی ریشہ دوانیوں اور ملکی تعصبات اور سازشوں کی بھینٹ چڑھ کر رخصت ہوئے [۱]۔"

بہر حال ۹ اکتوبر ۱۹۰۹ع کا دن اُن کے لیے اہم دن تھا ، اس لیے کہ اُس دن انہیں حیدر آباد سے چلے جانے کا حکم ملا ۔ اُس وقت اُن کے دل کی کیفیت کیا ہوگی ، اور انھوں نے کس طرح اس جدائی کو برداشت کیا ہوگا ، یہ تاثرات اُن ہی کے الفاظ میں بیان کرنے بہتر ہوں گے :

"۹ اکتوبر ۱۹۰۹ع کو ہماری قسمت نے دفعۃً پلٹا کھایا یعنی مشیئت ایزدی عتاب الٰہی کی شکل میں نازل ہوئی ۔"

"اگر تیرہ سال تک دولت آصفیہ کی سلک ملازمت میں منسلک رہنے کے بعد بلا اس بات کے آگاہ کیے ہوئے ، کہ میرا جرم کیا ہے ، صرف اس مبہم علت میں کہ میں نے مولوی عزیز مرزا مرحوم کے ساتھ مل کر دولت آصفیہ کے ساتھ خفیہ ساز باز میں حصہ لیا ، اور مجھے اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر حیدر آباد کو جو میرا دوسرا وطن عزیز تھا ، چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ، تو یہ سب کچھ سر مائیکل اڈوائر کی عنایات کا نتیجہ تھا [۲]۔"

"ہم اپنے آقائے ولی نعمت حضور آصف جاہ سادس خلد اللہ ملکہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ ، کے فرمان واجب الاذعان کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر ، دل میں بہت سے ارمان اور حسرتیں لیے ہوئے ، اُس سرزمین سے رخصت ہوئے ، جسے تیرہ سال سے ہم نے اپنا وطن ثانی سمجھ رکھا تھا ، جس کے در و دیوار سے ہمیں خوئے محبت آتی تھی ، اور جس کی الفت کا سودا اس وقت تک سر میں ایسا سمایا ہوا ہے ، کہ مرتے دم تک نہ نکلے گا ۔"

---

۱ ۔ نواب مشتاق احمد خاں : حیات فخر ، ص ۸۴ ، طبع ۱۹۶۶ع لاہور ۔

۲ ۔ سر مائیکل اڈوائر بعد میں پنجاب کے گورنر بنے ، اور ظفر علی خاں کے ساتھ جو نظر بندی کا واقعہ پیش آیا ، اُس میں بھی اُن کا غم و غصہ شامل تھا ۔ دیکھیے سر مائیکل کے کارناموں کے لیے "حیات اقبال کے آخری دو سال" ڈاکٹر عاشق بٹالوی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے مزید لکھا کہ :

"حیدر آباد دکن کو خیر باد کہتے ہوئے جو کیفیت ہمارے قلب پر طاری ہوئی ، اُس کا اندازہ اُس وقت کوئی کر سکتا ہے ، جب ناخن گوشت سے جدا ہو رہا ہو ۔ تیرہ سال کا بنا بنایا گھر آن کی آن میں اجڑ گیا ، دیرینہ صحبتوں کی وہ شمع جسے ایک عمر کی مہر افروزی نے روشن کیا تھا ، باد حوادث کے ایک جھونکے سے بجھ گئی ۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم ، بہار آخر شد

لیکن ہم "عسیٰ ان تکرھوا شیأً وّھو خیر لکم" (قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو ، اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو) کے ارشاد پاک کو اس افتاد کی کلید سمجھ کر جو ہم پر پڑی تھی، اور اُن بد اندیشوں کے مطاعن کو جن کی معاندانہ در اندازیوں سے ہم اس حال کو پہنچے تھے ، ان کے مقتضائے طبیعت پر محمول کرکے اس توشہ کے ساتھ ، جو ہمارے ضمیر کی بے لوثی نے ہمارے ہمراہ کر دیا تھا ، ہر پھر کر وہیں آ گئے ، جہاں سے چلے تھے ، وہ خدا جس نے اپنی مخلوقات کے لیے رزق کا اگر ایک دروازہ بند کر رکھا ہے ، تو ہزاروں کھول رکھے ہیں ، اگرچہ ہماری روزی کا کفیل تھا ، لیکن جب ہمارے آقائے ولی نعمت نے جن کے ظل الٰہی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے ، کہ وہ اپنے غلاموں کو خواہ اُن کی خطاء کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو ، فاقہ کشی کی سزا کبھی نہیں دیتے ، ہم کو اپنے فیضان عام سے محروم نہ رکھا ، اور عمر بھر کے لیے ہمارا معقول وظیفہ مقرر کر دیا ۔ باقی رہی ہماری گنہ‌گاری یا بے گناہی ، سو اس کا فیصلہ ایک نہ ایک دن زمانہ خود ہی کر دے گا ، اس لیے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں خلد اللہ ملکہٗ کے ضمیر صافی سے کوئی بات زیادہ مدت تک پوشیدہ نہیں رہ سکتی [۱] ۔"

حیدر آباد کو خیر باد کہتے وقت انھوں نے گوناگوں زیر باریاں برداشت کیں ، لیکن یہ عزم کے پکے اور حوصلے کے ثابت ، ایسے نہ تھے جو زمانے کے سامنے سپر ڈال دیتے ۔

۱ ۔ اداریہ زمیندار ہفتہ وار ، کرم آباد ، جنوری ۱۹۱۰ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب وہ پنجاب پہنچ گئے تو اُن کی خدمات مختلف طریقوں سے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ، چنانچہ پنجاب کے ایک کالج نے پروفیسری کی خدمت انھیں دینی چاہی، دوسرے سربرآوردہ کثیر الاشاعت اخبارات لاہور کے مالکوں نے اپنے اخبارات کا اہتمام گراں قدر مشاہرے پر کرنا چاہا ، (پیسہ اخبار اور وکیل امرتسر) اور "ریاست الدور" میں ایک منفرد خدمت اُن کے لیے تجویز ہوئی ۔ لیکن اس مرتبہ انھوں نے تمام چیزوں کی طرف سے رو گردانی کرلی تھی ، اس لیے کہ جب وہ گھر پہنچے ، تو ان کے والد مولوی سراج الدین احمد سخت علیل تھے ، انھوں نے مرتے وقت جو وصیت کی ، وہ یہ تھی کہ "اخبار زمیندار سے غافل نہ ہونا ، میں نے اسے اپنے خون سے سینچا ہے ۔"

وہ خود لکھتے ہیں :

"٦ دسمبر ۱۹۰۹ء کی صبح ہمارے لیے صبح قیامت بن کر طلوع ہوئی تھی یعنی قبلہ و کعبہ جناب مولوی سراج الدین احمد خاں صاحب کا سایہ ہمارے سر سے ہمیشہ کے لیے اُٹھ گیا ۔ مال کا نقصان جو ہماری جیبوں کی طاقت سے بڑھ کر ہو چکا تھا ، آبرو پر بھی اس حد تک جو منتہائے ذلت تھی ، حرف آ چکا تھا ۔ اب لے دے کر ایک جان حزیں باقی رہ گئی تھی ، اس کے خرمن پر بھی ایک بجلی گری ، اور وہ شخص جس کا وجود قوم کے ایک بہت بڑے طبقہ کے لیے آیۂ لطف و رحمت اور ملک کے ایک بڑے حصے کے لیے دلیل خیرو برکت ہونے کے علاوہ ہماری آزادیوں اور فارغ البالیوں کا کفیل اعظم تھا ، مٹی میں جا ملا۔"

انھوں نے مستقبل کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ :

"جن خاندانی اور قومی ذمہ داریوں کا بوجھ یک بیک اس جان فرسا سانحہ نے جس کے لیے ہم تیار نہ تھے ، ہمارے کندھوں پر لا ڈالا ہے ، وہ گراں و وزنی ہے کہ جو اُس بار امانت سے کسی طرح کم نہیں ، جس کی تاب ارض و سما نہ لا سکتے تھے ۔ خدا ہی ہے جو ہم اس حق کو برداشت کرنے سے پوری طرح عہدہ برآ ہو سکیں[1] ۔"

یہی سبب تھا کہ انھوں نے ملازمتوں کے ان امکانات پر غور و فکر کرنا چھوڑ دیا ، اور اُن تمام عنایت آمیز دعوتوں کو شکریے کے ساتھ ردکر دیا ، اور اپنے منصوبوں کو بروئے کار لانے کی اُدھیڑ بن میں لگ گئے ۔

---

۱ ۔ اداریہ زمیندار ہفتہ وار ، کرم آباد ، جنوری ۱۹۱۰ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

در اصل حیدر آباد کی مجلسی زندگی نے خود ان میں اظہار و ابلاغ کی صلاحیتوں کو بہت بہتر بنا دیا تھا ۔ اس ماحول نے انھیں بہت سی باتیں سکھائی تھیں ۔ ایسے بلند سطح احباب کی صحبتیں میسر تھیں ، جن کے شستہ ادبی ماحول نے ان کے مذاق علمی کو چمکا دیا تھا ، جس نے اُن کی زبان کو نکھارا ، اور بیان کو بھی ۔ گویا حیدرآباد کی حیثیت مغلیہ سلطنت کے جانشین کی سی تھی اور وہ تہذیب ، مغلیہ تہذیب کی نمایندہ تھی ، اور وہاں کے دربار میں مغل دربار کی تمام تہذیبی روایات کو برتنا پڑتا تھا ، عوام اور چغتائیہ خاندان کے تمدن و تہذیب اور آداب زندگی کے سبب بہت حد تک (جاگیرداری نظام کے باوجود) مسلم معاشرہ میں ڈھل چکے تھے ، جس کی نمایندگی حیدرآباد دربار کر رہا تھا ۔ وہاں اقتصادی تاراجی کا پتہ نہ تھا ۔ لیکن (اب) انگریزی سیاست کا غلبہ ریاست کے معاملات میں عوام کے لیے ناقابل برداشت تھا ۔ اسی لیے حیدر آباد سے جدائی کا قلق اُن کو ہمیشہ رہا ، لیکن کیا کیا جائے : ع

"تدبیر کند بندہ ، تقدیر کند خندہ"

وہ جس شوق سے حیدر آباد آئے تھے ، اتنی ہی حرماں نصیبیوں کے ساتھ وہاں سے واپس ہوئے اور بقول عرفی : ع

ہمہ شوق آمدہ بودم ، ہمہ حرماں رفتم

لیکن حیدر آباد سے نکلتے وقت کی مشکلات اُن کی صلاحیتوں کے اجاگر کرنے کا پیش خیمہ ہیں ۔ اور وہ وہاں سے نئے عزائم کے ساتھ اپنے وطن واپس آئے ، اور اپنی صلاحیتوں سے اپنی ایک نئی دنیا بسا لی ۔

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : اداریہ زمیندار ہفتہ وار، کرم آباد، جنوری ۱۹۱۰ع ۔
سر مائیکل ایڈوائر ۱۹۱۳ع تا مئی ۱۹۱۹ع پنجاب کے گورنر رہے ۔ انھوں نے پنجاب میں سخت ترین مظالم کیے ۔ یہاں تک کہ مئی ۱۹۱۹ع میں مارشل لا امرتسر میں لگا کر سینکڑوں بے قصور انسانوں کو بھون ڈالا ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ ڈاکٹر عاشق بٹالوی : "حیات اقبال کے دو سال" ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

سیاسی شعور کی تشکیل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ اول

علی گڑھ کالج اور سرسید کی شخصیت کے اثرات

مولانا ظفر علی خاں کے سیاسی شعور کی تشکیل میں چھ شخصیتوں نے بھر پور حصہ لیا تھا اور ساتویں چیز بین الاقوامی سیاسی حالات تھے ، ان عوامل نے آن میں ذہنی پختگی پیدا کی ، اور خار زار سیاست میں چلنا سکھایا ۔ اسی سبب سے وہ ایک مضبوط عزم کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول کے لیے بڑھتے چلے گئے ، اور اس کے لیے انھوں نے قلم سے نیزہ کا کام لیا ، اور اپنی ولولہ انگیز فکر کو نثر و نظم کے قالب میں ڈھالتے رہے ، اور عمل کے میدان میں بھی وہ گھن گرج کے ساتھ دشمن کے سامنے صف آرا ہو کر اپنی بلند حوصلگی اور استقامت کا ثبوت دیتے رہے اور اس بلند حوصلگی کا خراج تحسین دوستوں سے ہی نہیں ، بلکہ دشمنوں سے بھی حاصل کرتے رہے :

"الفضل ما شهدت به الاعداء"

جن شخصیتوں کا ہم نے سطور بالا میں اشارةً ذکر کیا ہے ، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) مولوی سراج الدین احمد والد ۱۸۵۲ء تا ۱۹۰۹ء ۔

(۲) سرسید احمد خاں مرحوم ، ۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء ۔

(۳) علامہ شبلی مرحوم ، ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء ۔

(۴) نواب محسن الملک مرحوم ، ۱۸۳۷ء تا ۱۹۱۲ء ۔

(۵) مولوی عزیز مرزا مرحوم ، ۱۸۳۷ء تا ۱۹۰۶ء ۔

(۶) سید جمال الدین افغانی مرحوم، ۱۸۳۸ء تا ۱۸۹۸ء ۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تمام شخصیتوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

مولوی سراج الدین (والد) کے اثرات :

سب سے پہلے انھوں نے انگریز کی فرعونیت کے سبب اس سے نفرت کا سبق اپنے والد سے سیکھا ، جب آن کے والد نے ایک انگریز کی پٹائی آس کے غلط رویے کے سبب کی تھی ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ آن کے سامنے نہ گذرا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو ، لیکن یہ نفرت کا جذبہ اپنے والد سے وراثت میں ملا ، کہ انگریز کے دباؤ کو کسی طرح بھی قبول نہ کیا جائے ۔

اسی طرح دوسرا واقعہ میکڈانل گورنر یو ۔ پی کے خلاف اردو تحریک میں حصہ لینے کا پیش آیا ، جبکہ اُن کے والد نے محسن الملک کی اردو تحریک کو آگے بڑھانے میں حصہ لیا ۔

بقول حکیم احمد شجاع مرحوم :
"مولوی سراج الدین احمد صاحب نے پنجاب و کشمیر میں باقاعدہ اردو مہم سرکاری محکمے کے ذریعے چلائی ، اور سینکڑوں خطوط کے پتے اردو میں لکھوائے تاکہ اس کی مقبولیت کا اندازہ حکومت کو ہو سکے ۔ لاہور کی صحبتوں میں انگریز کی اردو دشمنی کے خلاف اپنی تمام ہمتوں کو صرف کیا ، اس طرح ہندو ذہنیت کو منفی پروپیگنڈا کرنے سے روکا[1]۔"

اُن کے والد نے کشمیر میں ملازمت کے دوران بیگار کی رسم ختم کرانے میں بھی حصہ لیا ۔ اس طرح سعادت مند بیٹے نے یہ بات اپنی گرہ میں باندھ لی کہ میں بھی غلط رسم و رواج کے خلاف اپنی کوششوں میں کوئی کمی نہیں کروں گا (جس کا عملی اظہار اُن کی مابعد زندگی میں ہوا) ۔

اُن کے والد تہذیب الاخلاق میں بھی کبھی کبھی مضامین لکھتے تھے ۔ "تہذیب الاخلاق نے تعصب ، تقلید اور بیہودہ رسم و رواج کو ڈھیلا کیا اور سرسید کو اس سلسلہ میں اپنے بعض دوستوں سے بھی مدد ملی ، جن کے مضامین تہذیب الاخلاق کی تائید میں نکلتے تھے[2]"۔ اس طرح والد کی دلچسپی کا اثر خود ظفر علی خاں کی صلاحیتوں پر پڑا ، اور اپنے والد اور پھوپھا مولوی محمد عبداللہ (پروفیسر مہندرا لا کالج پٹیالہ) کی سخت نگرانی نے ہی ایک لگن کا عادی بنا دیا ، (کہ محنت سے کام کیا جائے) اور تعلیم کے دوران کئی مقامات پر رہنے کے سبب انھیں اجنبی ماحول میں رہنے کا ڈھنگ بھی سکھا دیا ، اور دوسروں کے اچھے اطوار سیکھنے کی صلاحیت پیدا کر دی ۔

---

۱ ۔ از حکیم احمد شجاع مرحوم لاہور (انٹرویو) اگست ۱۹۶۸ء ، نیز زمیندار اخبار لاہور و نقوش لاہور ۱۹۶۷ء ۔

۲ ۔ معین احسن جذبی : حالی کا سیاسی شعور ، ص ۵۴ ، طبع انجمن ترقی اردو ، علی گڑھ ۱۹۵۹ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی گڑھ اور سرسید کی شخصیت کے اثرات :

اس کے بعد اُن کے سیاسی شعور کو نکھارنے میں سرسید احمد کی شخصیت اور علی گڑھ کالج کے ماحول نے زبر دست کام کیا اور بقول ڈاکٹر عبدالحق "سیاسی زندگی کا سنگ بنیاد اسی وقت رکھا گیا تھا ، جب انھوں نے سرسید کو دیکھا ۔ علی گڑھ کے ماحول میں زندگی گزارنے کے سلسلے میں خاص بات یہ تھی کہ وہاں جو قومیت کی ہمک تھی ، وہ کسی دوسری جگہ نہیں پائی جاتی تھی ۔ یہ کالج کے بانی سرسید ہی کا طفیل تھا ، کہ انھوں نے مسلمانوں میں قومیت کا احساس پیدا کیا ، اور اس احساس کو ان اکابر قوم سے تقویت ملتی تھی جو کسی نہ کسی تقریب میں یا سرسید کے پاس آتے تھے ۔ سرسید کی صحبت نے اُن میں وسعت نظر بھی پیدا کی' ۔ "اسی لیے سرسید کے زمانے سے علی گڑھ مسلمانوں کی قومی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا[۲]" :

ہر اک دل میں لگا دی اک نئی ایسی لگن اُس نے
کہ آتش زیر پا اس وقت تک سارے مسلماں ہیں

ریاض قوم کو از بسکہ سینچا، اس نے اشکوں سے
بہاریں اُس کی رشک رونق گلزار رضواں ہیں

علی گڑھ میں کیا قائم وہ دارالعلم سید نے
ثنا خواں ہیں پرائے جس کے ، اپنے جس پہ نازاں ہیں

(بہارستان ، ص ۱۴۴)

شبلی کی شاگردی اور اُن کے اثرات :

علامہ شبلی کی شاگردی نے اُن میں مشرق سے محبت ، اسلامی تاریخ کے مطالعے کا شوق ، نماز کی لگن اور عالم اسلام سے محبت سکھائی ۔ شبلی اپنا ایک الگ سیاسی مزاج بھی رکھتے تھے ۔ اُستاد شاگرد دونوں راجپوت تھے ، یہ راجپوتی رنگ اسلام کی بھٹی میں نکھرا ، اور خدمت اسلام کے پرخلوص جذبے نے دونوں کو عمل کے میدان میں لا کھڑا کیا[۳] ۔

شبلی کی شاگردی نے اُن میں ادبی و علمی ذوق و شوق تو پیدا ہی کیا ، لیکن ظفر علی خان نے اسلامی تاریخ کا شوق براہ راست اُن سے سیکھ کر یہ بھی

---

۱ ۔ حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۶ ، کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۷ء ۔

۲ ۔ ڈاکٹر عبدالحق : آپ بیتی نمبر ، نقوش ، ص ۳۵، طبع ۱۹۶۴ء ۔

۳ ۔ سید سلیمان ندوی : حیات شبلی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیکھا کہ اسلامی آثار کو بچانے کے لیے ماحول سے ہٹ کر کس طرح کام کیا جا سکتا ہے۔ شبلی کو علم کلام کا شوق اس حد تک تھا کہ بقول علامہ سید سلیمان ندوی ''کلامیات اُن کی وسعت علمی کا جزو تھا۔ اسلامی علوم و فنون سے شیفتگی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی محسوس کیا، کہ کس طرح گستاخ ہاتھوں نے اسلام کے چمن کو برباد کرکے رکھ دیا ہے۔ وہ یورپ کی دستبرد سے ہمہ تن فریاد تھے۔ اسی جذبے نے ہندوستانی سیاست اُن کے سامنے اس طرح پیش کی، کہ یہ ملک ہندو و مسلمانوں کا متحدہ وطن ہے لیکن اسلامی سیاست میں وہ پورے پین اسلامی تھے'۔ گویا شبلی نے پین اسلام کا شعور اُن میں (ظفر علی) پیدا کیا، خود اُن کی شاعری اور نثری کاوشیں اسلامی مفاد کے تحفظ کے لیے وقف ہو گئیں تھیں۔ وہ دنیائے اسلام میں کہیں تکلیف دیکھتے، تو بے چین ہو جاتے تھے[۲]۔

اُن کی زندگی کے علمی و ادبی کارناموں میں مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں اور سب سے اہم خدمت اسلام سیرۃ النبی کی ضخیم جلدیں ہمارے لیے باعث فخر و ناز ہیں۔

محسن الملک ۱۸۳۷ع-۱۹۱۲ع:

ظفر علی خان بی۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد محسن الملک کے پاس بمبئی پہنچے تھے جہاں وہ ایک سال اُن کی خدمت میں رہے اور بعد میں اُن کے مشورے سے حیدر آباد پہنچے تھے۔ وہ ایک جہاں دیدہ اور زیرک اللسان تھے، بقول سرور جنگ ''اگر یورپ میں ہوتے، تو بسمارک سے کم نہ ہوتے''۔ ظفر علی خان نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ اُن کی علمی کوششوں اور عالم اسلامی سے محبت نے اُن کو (ظفر علی خان) بے حد متاثر کیا۔ خود ظفر علی کے والد نے محسن الملک کی زیر ہدایت اردو کی حمایت میں، اردو تحریک چلائی۔ یہی تحریک مسلمانوں کے رجحانات کی آئینہ دار تھی۔ وہ سرسید کے بعد مسلمانوں کے لیڈر بنے۔ مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ کرکے ۱۳ مئی ۱۹۰۰ع کو علی گڑھ کے ٹاؤن ہال میں ایک عام جلسہ کیا اور ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی۔ اس تحریک کا اتنا اثر ہوا، کہ خود گورنر کو علی گڑھ آکر تحریک کی

۱۔ خان عبیداللہ خان: مقالات یوم شبلی، ص ۷، اردو مرکز لاہور، طبع ۱۹۶۱ع۔

۲۔ (الف) ۱۸۷۶ع میں شبلی نے جنگ روس و روم کے زمانے میں ترکوں کی اعانت کے لیے سفر کیا اور سلطان روم کی خدمت میں حاضر ہوکر
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخالفت کرنا پڑی ، اور محسن الملک کو استعفٰی دینا پڑا ۔ اور بڑی مشکلوں کے بعد اس شرط پر واپس لیا ، کہ وہ ذاتی حیثیت سے سیاسی معاملات میں حصہ لے سکیں گے ۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

ان الفاظ سے خطاب کیا تھا :

تازگیٔ بدر و حنین از تست　　زیب و طراز حرمین از تست
جز تو کہ داست، اے شہ انجم سپاہ　　آنکہ بود شرع نبی را پناہ
دین نبی از تو بہست ؟　　بازوئے اسلام قوی از تو ہست

(ب) ۱۸۹۶ء میں آزاد اخبار لکھنؤ میں مسئلہ آرمینیا پر ترکوں کے خلاف الزامات کی پر زور تردید کی ۔ مابعد کے واقعات بھی ہمارے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں ، کہ شبلی اور ظفر علی کا نظریہ پین اسلام کس حد تک ایک ہو گیا تھا ، کہ دونوں کی آواز ایک ہی تھی ، جس میں کسی دوئی کا شائبہ نظر نہ آتا تھا ۔

(ج) ۱۹۰۸ء میں جب نوجوان ترکوں کی زیر قیادت سلطان عبدالحمید نے دستوریت کا اعلان کیا ، تو شبلی ایک ایک نوجوان ترک ، اور ایک ایک فرد سے انجمن اتحاد و ترقی کی تعریف کرتے تھے ، اور سلطان عبدالحمید کے لیے یہ فقرہ ان کی زبان پر تھا کہ وہ محمد علی شاہ ایران کی طرح اپنے ملک کو خانہ جنگی میں برباد نہیں کرے گا ۔ ۱۹۱۱ء میں جنگ طرابلس کے زمانے میں وہ ترکوں کی جاں بازی اور شجاعت کے قصے مزے لے لے کر بیان کرتے تھے ، اور ان کی جواں مردی کے قصے بیان کرنے اور دہرانے میں بڑھاپے میں جوانوں کی سی اکڑ پیدا ہو جاتی تھی ، ۱۹۱۶ء میں جنگ بلقان میں شہر آشوب اسلام لکھی، جس کے اشعار حسب ذیل ہیں :

حکومت پر زوال آیا ، تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک
بکھرتا جاتا ہے شیرازۂ اوراق اسلامی
چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کب تک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سر رضا علی لکھتے ہیں کہ :

"سر ڈینی راس کلکتہ مدرسہ کے پرنسپل تھے ، عربی کے بڑے عالم تھے۔ ایک دن ماریسن نے دوران گفتگو پوچھا ، "آپ اسلامی ممالک سے واقف ہیں ، آپ کے نزدیک آج اسلامی دنیا میں تہذیب و شائستگی کا سب سے بہتر نمونہ کون ہے ۔ انھوں نے جواب دیا ، محسن الملک ۔ ماریسن نے کہا ، کیا آپ تہذیب و شائستگی میں محسن الملک کا درجہ مفتی عبدہ سے بالاتر سمجھتے ہیں؟ سر راس نے کہا، میرے نزدیک محسن الملک آج اسلامی دنیا کے سب سے بڑے مقرر ہیں اور عام کلچر میں بھی مفتی عبدہ سے بالاتر ہیں[۱]۔"

بقول سر رضا علی "محسن الملک کا شمار دنیا کے سب سے بڑے مقرروں میں تھا ، تقریر کرتے وقت اُن کو حاضرین پر ایسا قابو و اختیار ہوتا تھا ، جیسا برتن بناتے وقت کمہار کو مٹی پر ۔ تحریر میں زبردست آمد ہوتی تھی ، گفتگو کا انداز بڑا دلکش تھا ۔ کشش کا یہ عالم تھا کہ جہاں ہوتے ، سب کی آنکھیں اُن کی طرف لگی ہوتیں ۔ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ روئے سخن میری طرف ہے ، بذلہ سنجی نے موصوف کی فطری خوش مزاجی کو اجاگر کر دیا تھا" ۔ اور بقول شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد "یہ معلوم ہوتا تھا کہ "چنبیلی کے پھولوں کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے" ۔ بلا کے ذکی الطبع تھے ، معاملے کو فوراً بھالپ لیتے تھے ۔ انھوں نے ہی تحریک علی گڑھ کو ہندوستان کے طول و عرض میں پہنچایا ، بلکہ افغانستان اور ایران تک بھی ۔ وہ مردم شناس تھے ، جلد رائے قائم کر لیتے تھے ، اور غلط ہونے پر بدل لیتے تھے ، ہر شخص کو خوش رکھنا چاہتے تھے[۲]۔"

وہ مزید لکھتے ہیں کہ :

"محسن الملک کی ذاتی قابلیت اور لیاقت کے ماسوا ، انھوں نے تین اہم کام ، قومی زندگی میں ایسے کیے ، جو ملت اسلامیہ کی تاریخ میں بیداری کا سنگ میل رکھتے ہیں :

(۱) علی گڑھ کی خدمت ۔

(۲) اُردو کا تحفظ ۔

(۳) سیاسی بیداری کا سنگ بنیاد (مسلم لیگ کا آغاز) ۔

۱۔ سر رضا علی : اعمال نامہ ، ص ۱۲۷ ، طبع ۱۹۴۳ع دہلی ۔

۲۔ " " ، ص ۱۲۰ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اپنے علم و یقین سے کہتا ہوں ، کہ محسن الملک نے علی گڑھ رہ کر جو کچھ کیا ، وہ تمام تر خلوص و سچائی پر مبنی تھا ۔ آن میں ذاتی وقار قائم کرنے یا بڑھاپے میں سبز باغ دکھا کر اپنی ذاتی غرض حاصل کرنے کا ہرگز ہرگز کوئی شائبہ نہیں تھا ۔ اگر کالج کو نقصان عظیم سے بچانے کے لیے ضرورت ہوتی ، تو وہ سید محمود سے بہت کم درجے کے ٹرسٹی کے پاؤں پکڑنے ، اور قدموں پر ٹوپی رکھنے کے لیے تیار ہو جاتے[۱] ۔"

مولوی عزیز مرزا (۱۸۶۵ء تا ۱۹۱۲ء) :

مولوی عزیز مرزا مرحوم کی شخصیت اور آن کے بلند کردار کا اثر ظفر علی خاں پر براہ راست پڑا ۔ ظفر علی خاں نے آن کی بہت سی خوبیاں اپنا لائحۂ عمل بنالی تھیں :

"کالج کے زمانے میں مولوی عزیز مرزا اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم اپنے دور کے بہترین علمی اور ادبی مذاق رکھنے کے طالب علم تھے ، آن کے ہمعصر آن دونوں کی قدر کرتے تھے مگر کالج کے ارباب حل و عقد کی آنکھوں میں ہمیشہ کھٹکتے رہے[۲] ۔"

بقول ڈاکٹر عبدالحق "آن کی ذات سے دس بیس نہیں ، لاکھوں بندگان خدا کی بہبودی وابستہ تھی ، آن پر قوم کی رہبری و سرداری کے لیے ملک کی نظر انتخاب تھی ، اور جن کی ذات سے ایسی توقعات تھیں ، جو اتنی بڑی قوم اور ایسے وسیع ملک میں کسی دوسرے سے پوری ہوتی نظر نہیں آتی ہوں ، ہزار افسوس و حسرت کے قابل ہے اس کی موت اور اس کا جس قدر ماتم کیا جائے ، مولوی عزیز مرزا کام کرنے میں بجلی ، اور محنت کرنے میں آندھی و طوفان تھے" ۔ دوسرے یہ کہ "باوجود کثرت کار کے علمی شوق آن کو لگا رہا" ۔ یہی لگن انھوں نے ظفر علی خاں میں پیدا کر دی تھی ، آن کی تیسری صفت جس کو ظفر علی خاں نے اپنایا ، وہ مولوی عزیز مرزا کے بے تکلف بات کرنے کی صفت تھی ۔

حیدر آباد کے قیام نے مولوی عزیز مرزا کی طبیعت میں ادبی شوق تیز کر دیا تھا ، اور قومی ، ملکی ، تمدنی تحریکوں میں دلچسپی بھی زیادہ کر دی تھی ، کیونکہ حیدر آباد میں کوئی علمی یا سوشل سوسائٹی ایسی

---

۱ ۔ سر رضا علی : اعمال نامہ ، ص ۸۷ ۔
۲ ۔ " " ص ۷۵ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ تھی ، جس کے عزیز مرزا پریذیڈنٹ/وائس پریذیڈنٹ نہ ہوں ۔ چوتھی صفت مولوی عزیز مرزا کی "قومی درد کا جذبہ ، اور وسعت اخلاق تھی ، نماز کے پابند ، زندگی سادہ تھی ، وہ صاف گو تھے ، دل میں بغض و کینہ نہ تھا ۔ انھوں نے انتقام کا کبھی خیال نہ کیا ، جن لوگوں نے اُن سے برائی کی ، انھوں نے ہمیشہ اُن کو معاف کر دیا ۔ حیدر آباد سے جانے کے بعد مولوی عزیز مرزا مرحوم نے اپنی زندگی قومی کاموں کے لیے وقف کر دی تھی ۔ انھوں نے پرانے بزرگوں کی طرح ملک و قوم کی خدمت بے نفسی اور ہمدردی کے ساتھ کی ۔ قومی خدمت پر کمر باندھ لی ، تو اسے خوش اسلوبی ، بے نفسی اور بے ریائی سے انجام دیا[۱] ۔"

مولوی عبدالحق نے مولوی عزیز مرزا کی جن خوبیوں کو گنایا ہے ، ظفر علی خاں کی ذات پر ان تمام باتوں کا بےحد اثر ہوا ۔ وہ ظفر علی خاں کے محسن تھے ، خدمت قومی کا جذبہ انھیں بمبئی سے ڈھاکے لے گیا ، مولوی عزیز مرزا نے مسلم لیگ کے قیام کے لیے کام کیے ، اُسی کے باعث انھیں پہلا جنرل سکریٹری بنایا گیا تھا ۔

ظفر علی خاں کا سیاسی شعور ان سب لوگوں کی خدمت ملی کے سبب بیدار ہوا ، اور اُن میں خدمت قومی کی وہ دھن پیدا ہو گئی ، جس نے آخری وقت تک اُن کا ساتھ نہیں چھوڑا ۔

سید جمال الدین افغانی :

حیدر آباد کے قیام نے انگریزوں کی منافقانہ پالیسیوں ، اور ریاستی معاملات میں دخل اندازیوں ، اور ریشہ دوانیوں کو جس طرح اُن پر واضح کر دیا تھا ، وہ ہی کیا کم تھا کہ ایک نئی شخصیت بلکہ بین الاقوامی شخصیت نے براہ‌راست تو نہیں ، البتہ بالواسطہ طور پر اُن پر ایسا اثر ڈالا ، جس نے اُن کی زندگی میں سوچنے سمجھنے کے نئے مواقع بین الاقوامی حالات کے تحت بخش دیئے ۔ اور ان (جمال الدین) کی تحریروں نے اُن میں ایک ولولہ اور عزم پیدا کر دیا ، بقول ڈاکٹر چارلس ایڈمز "اس حیرت انگیز انسان کی سرگرمیاں عملاً نہ صرف پورے عالم اسلام بلکہ ان یورپی ممالک میں رہیں ، جن کی حکومتیں مسلمان قوموں کے معاملات سے سیاسی واسطہ رکھتی ہیں ۔ افغانستان ، ایران ، ترکی ، مصر ، ہندوستان ، ان سب ممالک سے جس شخصیت کا قوت آمیز ربط پیدا ہوا اور یہ سب

---

۱ ۔ ڈاکٹر عبدالحق : چند ہم عصر ، ص ۹۹ ، طبع سوم کراچی ۱۹۶۰ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممالک اس ربط سے متأثر ہوئے ، یہ شخصیت سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۹-۱۸۹۷) کی تھی' ۔

تحریک تجدد (اسلام) کے بانی سید جمال الدین مصر سے خارج ہونے کے بعد ۱۸۷۹ع میں ہندوستان آئے ، اور حیدر آباد میں مقیم ہوئے اور ۱۸۸۳ع تک قیام رہا ۔ یہاں انھوں نے ایک کتاب الرد علی الدھرین" لکھی ۔ جس میں اسلام پر حملوں کا جواب دیا گیا تھا ۔ (مصر سے اُن کے اخراج کا باعث صرف یہ تھا کہ وہ مصر میں نمائندہ اسمبلی کا قیام عمل میں لانا چاہتے تھے، جس کا وعدہ توفیق پاشا نے کر لیا تھا ، لیکن بعد میں وہی اُن کے نکالنے کے درپے ہو گیا ۔ خود فرانس اور برطانیہ دونوں نے متحد ہو کر خدیو سے مطالبہ کیا تھا ، کہ وہ کسی قسم کی نمائندہ حکومت کے قیام سے محترز رہیں اور بقول پروفیسر براؤن ''مصر پر دباؤ ڈالا گیا تھا ، کہ اُن کو وہاں سے نکال دیا جائے ۔'' اسی تحریک نے ۱۸۸۲ع میں اعرابی بغاوت کی شکل اختیار کرلی ، جس کے بعد برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا ۔ آخرالامر آپ (سید صاحب) پیرس پہنچ گئے ، اور یہاں بین الاقوامی پروپیگنڈے کا کام شروع کر دیا ۔ اُن کے نظریات فراس میں بھی پھیل گئے ۔ اسی بنا پر انھوں نے ایک اخبار کے کالم میں ارلسٹ ارزیال سے اسلام اور سائنس کے موضوع پر مباحثہ کیا ، جس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ اسلام اس قابل ہے کہ اپنے آپ کو عہد حاضر کی تہذیب کے مطابق بنا لے ۔ ۱۸۸۴ع میں شیخ محمد عبدہ مفتی بھی پیرس پہنچ گئے اور عربی کا ایک ہفت روزہ اخبار ''عروۃ الوثقیٰ جاری کیا ۔ اس کا پہلا پرچہ ۱۳ مارچ ۱۸۸۴ع کو نکلا ، اور آخری ۱۶ اکتوبر ۱۸۸۴ع کو ۔

''اس پرچے نے مختصر زمانہ' اشاعت میں عالم اسلام پر جو گہرا اثر ڈالا وہ یہ تھا کہ بقول علامہ محمد رشید ، اگر یہ اخبار جاری رہتا تو مسلمانوں میں ایک عام بغاوت پھیل جاتی ۔ یہ اخبار اسی نام کی ایک خفیہ تنظیم کا علمبردار تھا ، جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو متحد کرکے اُن کو خواب غفلت سے جگائے اور پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کرے ، اور ان کا مقابلہ کرنے کے طریقے بتائے ۔''

(رسالہ المنار ، جلد ہشتم ، ص ۴۵۵ مصر)

---

۱ ۔ ڈاکٹر ایڈمرز : اسلام اور تحریک تجدد مصر میں ، ص ۱۳ ، مترجمہ عبدالمجید سالک ، مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۵۸ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جرجی زیدان کے حوالے سے ڈاکٹر چارلس مذکور اپنی کتاب میں واضح کرتے ہیں :

"وہ انتھک جوش عمل ، بے نظیر جرأت اور بے باکی اور تقریر و تحریر میں غیر معمولی فصاحت کے سرمایہ‌دار تھے ، وہ بیک وقت فلسفی ، ادیب ، خطیب و صحافی تھے ، اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ اتحاد اسلام کے بے حد مساعی تھے ۔ اسی جد و جہد میں انھوں نے اپنی پوری قوتیں صرف کر دیں ، اسی کی خاطر دنیا سے انقطاع اختیار کر لیا ، نہ کسی سے منفعت کے طالب ہوئے ، نہ شادی کی ، البتہ اپنے مداحوں اور شاگردوں میں زندگی کی وہ روح پھونک دی ، کہ ان کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہو گئیں ، ان کے قلم تیز و طرار ہو گئے ۔ مشرق کو ان سے فائدہ پہنچا اور ہمیشہ پہنچتا رہے گا[1] ۔"

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ :

"اُن کی تمام کوششوں اور مسلسل شورشوں کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا ، کہ تمام مسلم اقوام ایک حکومت اسلامی کے تحت متحد ہو جائیں ۔ اُن سب پر ایک خلیفۃ المسلمین کا قطعی اور کلی اقتدار ہو ، جیسا اسلام کے ہر افتخار دور میں ہوتا تھا ۔ مسلمان ملکوں کی حالت انحطاط سید صاحب کو ہمیشہ غمگین رکھتی تھی ، اُن کا عقیدہ تھا کہ اگر یہ ممالک ایک دفعہ تسلط اور مداخلت کے بوجھ سے آزاد ہو جائیں اور اسلام کے قانون میں سے ایسی اصلاحات نافذ کر دی جائیں ، جن سے یہ زمانۂ حال کے تقاضوں کی تکمیل کر سکے ، تو مسلمان قومیں یورپین قوموں کے سہارے ، یا اُن کی نقالی کے بغیر اپنے لیے ایک جدید اور شاندار زندگی کا نظام تیار کر سکتی ہیں ۔ کیونکہ دین اسلام اپنے تمام لوازم میں ایک آفاقی مذہب ہے ، جو اپنی داخلی ، ، روحانی قوت کی وجہ سے یقینی طور ہر ایک ایسی اہلیت رکھتا ہے ، کہ تمام بدلے ہوئے حالات سے مطابقت پیدا ہو سکے ، البتہ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے سیاسی انقلاب کا راستہ تجویز کرتے تھے[2] ۔"

---

۱ - چارلس ایڈمرز : اسلام اور تحریک تجدد مصر میں ، ص ۱۷ ، مجلس ترقی ادب لاہور ، ۱۹۵۸ع ۔

۲ - ایضاً ، ص ۱۸ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے کہ ان کے خیال میں تدریجی اصلاح و تعلیم ایک غیر یقینی عمل ہے۔ وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنے زمانے کے مسلمان حکمرانوں کو معزول یا مقتول دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے کہ وہ اپنی نجات کے لیے مسلمانوں کو جد و جہد سے روکتے ہیں، اسی لیے انھوں نے ایک دفعہ پروفیسر براؤن سے کہا تھا "جب تک چھ سات سر نہ کاٹ دیئے جائیں کسی اصلاح کی امید نہیں ہو سکتی"۔ اسی ضمن میں انھوں نے شاہ ایران اور وزیر اعظم کا ذکر بھی کیا۔[1]

وہ اسلام کے احیاء کی مخلصانہ خواہش رکھتے تھے، اور اسی جذبے کے تحت مسلمان حکومتوں میں جا کر اصلاح کے لیے کوشش کی طرف آمادہ کرتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے مذہبی رواداری کو برقرار رکھنے کی بے حد کوشش کی۔ وہ ہمیشہ اپنی تقاریر سے اسلام کے تاریخی اور فلسفیانہ مواقف کو زمانہ حاضرہ کے سائنسی فکر کے کارناموں سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے تھے[2]۔"

مصر میں مفتی شیخ عبدہ نے، ایران میں ملک المتکلمین نے جو کارنامے سر انجام دیے، ہندوستان میں انہی مقاصد کو مولانا ظفر علی خاں نے پورا کرنے کی کوشش کی۔

یہ تینوں افراد سید مرحوم کے شاگرد تھے۔ شیخ عبدہ نے مصر کو دنیائے تصوف کے اشغال سے نکال کر علم و فضل اور علمی سرگرمیوں کے وسیع تر میدانوں میں پہنچا دیا۔[3] ملک المتکلمین نے ایران میں محمد علی شاہ کی بے آئینی حکومت کے خلاف ملک میں انقلاب برپا کرا دیا۔

بقول مولانا ابوالکلام آزاد "سید جمال الدین صاحب کا اصلی کارنامہ یہ تھا کہ وہ جہاں گئے، انھوں نے اپنی تحریک زندہ رکھنے کے لیے نئے جمال الدین پیدا

۱۔ پروفیسر براؤن : انقلاب ایران، ص ۴۵۔

نوٹ : واضح رہے کہ شاہ ایران ناصر الدین شاہ قاچار اور وزیر اعظم کو انھی کے اشارے پر قتل کر دیا گیا تھا۔

۲۔ اسلام اور تحریک تجدد مصر میں، ص ۲۰۔

۳۔ ایضاً، ص ۳۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا ۔"

سید صاحب نے اپنی کتاب الرد علی الدہریین ، میں واضح طور سے ان امور سے بحث کی ہے جن سے قوموں کو مسرت حاصل ہو سکتی ہے ۔ وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) عوام کے قلوب و اذہان کو ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی سے پاک کیا جائے ، تاکہ اسلامی نظریہ کے مطابق توحید الٰہی کے لیے دماغ کا تزکیہ کیا جا سکے ۔

(۲) عوام یہ بھی محسوس کریں ، کہ وہ حسن کردار کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس کے خواہش مند ہوی ہیں اور اس حسن کردار کی آخری تکمیل تقویٰ سے ہوتی ہے ، جس کے لیے ہر قسم کی ذاتوں کی تقسیم ختم ہو جاتی ہے ۔

(۳) اس کے لیے لوگوں کے عقائد درست کیے جائیں ، اور عقل کے ذریعے دلائل کی بنا پر مذہبی عقائد کو تسلیم کیا جائے ۔

(۴) یہ ضروری ہے کہ ایک طبقہ کا کام عوام کی تعلیم ہو ، اور وہ عوام کی اخلاق تربیت کا بھی ذمہ لے ۔ اور دوسرا طبقہ غیر فطری جذبات سے جنگ کرے ، ضبط و نظم کا ذوق پیدا کرے ، یہ دونوں کارکن یعنی تعلیم پھیلانے والا ، اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کرنے والا ، اسلام کے ضابطوں کے لحاظ سے کام کریں ۔[۲]

---

۱ ۔ مولانا ابوالکلام آزاد : "الہلال" جولائی ۱۹۱۶ء ۔
تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو :
(۱) تاریخ انقلاب مشروطیت ایران ، فارسی ، ملک المتکلمین کے کارنامے ۔
(۲) نظیر حسنین زیدی : انقلاب ایران ، ص ۹۴ ، ذکر ملک المتکلمین طبع کراچی ۱۹۶۶ء ۔
دیکھیے تفصیل کے لیے از ص ۹۴ تا ۱۰۸ انقلاب ایران مؤلفہ راقم حوالہ بالا ۔
۲ ۔ ڈاکٹر چارلس ایڈمرز : اسلام اور تحریک تجدد مصر میں ، ص ۲۱ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بین الاقوامی سیاسی حالات کا رد عمل

بین الاقوامی سیاسی حالات[1] نے بھی آن (ظفر علی خان) کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ۔ انھوں نے محسوس کر لیا کہ اسلام کو مٹانے کے لیے یہ صلیبی تحریکیں اپنے عروج پر ہیں ۔ ان صلیبی تحریکوں نے جن جن ممالک کو نقصان پہنچایا ظفر علی خاں کی ہمدردیاں آن ممالک کی طرف ہو گئی تھیں ، اور وہ اپنی شاعری و صحافت کے ذریعے آس مظلوم طبقے کی حمایت کرتے رہے ۔

---

۱ ۔ قاضی عبدالغفار نے حیات اجمل ، ص ۱۱۳ ، ۱۱۴ (طبع علی گڑھ ۱۹۵۰ع) میں ان سیاسی بین الاقوامی حالات پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے ۔ ذیل میں ہم مختصراً ان حالات کو بیان کرتے ہیں تاکہ ظفر علی خاں پر اس کا رد عمل بیان کیا جا سکے یا اندازہ ہو سکے کہ کس طرح وہ اسلام کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو گئے تھے ۔

بین الاقوامی سیاست کا پس منظر :

''اٹھارھویں صدی کے آغاز تک اسلامی اور ایشیائی دنیا کے ضعف اور یورپین سامراج کی دست درازیوں کی انتہا ہو چکی تھی ، ایشیائی ممالک میں ہر طرف جمود اور اضمحلال کے آثار نمایاں تھے ، اور ان کے بکھرے ہوئے قومی شیرازے یورپین راج کی تیز ہوا کے جھونکوں سے اور زیادہ منتشر ہوتے جا رہے تھے ۔ ایرانی اور عجمی تہذیب کے اثرات تقریباً مٹ چکے تھے ، علوم و فنون کی ترقی میں ایشیائی اقوام (سوائے جاپان کے) بہت پیچھے رہ گئیں تھیں ۔

اُسی زمانے میں عرب کے ایک دور افتادہ گوشے میں محمد بن عبدالوہاب نجدی عربوں کے انحطاط کے اسباب پر غور کر رہا تھا ، اور وہابیت کی تحریک تجدد سے نکل کر دنیائے اسلام پر چھانے کی تیاری کر رہی تھی ۔ اس تحریک کے اثرات ہندوستان میں بھی پہنچ چکے تھے ۔ اُدھر ترکی میں جنگ کریمیا کے بعد سے اصلاحات ، ترقی اور دستوریت کی دھیمی دھیمی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں ۔ رشید پاشا اور مدحت پاشا کا نام عوام کی زبانوں پر آ گیا تھا ۔ وسط ایشیاء میں فرقہ نقشبند اپنی طاقت جمع کر رہا تھا ۔ تاریخ کے اس دور میں فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر کے سامراج

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کا ایک تازیانہ ایشیائی اقوام کی کمر پر مارا ۔ اور بالآخر وہاں عبدالقادر نے فرانسیسی سامراج کے خلاف اپنا جھنڈا بلند کیا ۔ مصر پر انگریزوں کی گرفت سخت ہو چکی تھی ۔ مصری سوڈان میں مہدی کی بغاوت (جو در اصل آزادی کی جنگ تھی) کو کچلنے کے لیے برطانیہ کے آہنی پنجہ نے مصری جسد قومی کا خون نچوڑ لیا تھا ۔ جب الجزائر اور مصری سوڈان میں آزادی کی تحریکیں جاں بلب تھیں ، تو مصر انیسویں صدی کے آخر میں عوامی تحریکوں کا مرکز بن گیا تھا ، سید جمال الدین افغانی ، شیخ محمد عبدہ ، مفتی محمد مصطفیٰ کامل سے احرار وطن نے مصری عوام کے سامنے زندگی کا ایک نیا تخیل پیش کیا (باوجودیکہ اعرابی پاشا کی شکست نے کچھ عرصے کے لیے مصری قوم پرستوں کی آواز کو تھکا دیا تھا ۔ لیکن برطانوی سامراج کا کانٹا دل میں کھٹکتا رہا ۔ آدھر چین اور مشرق ترکستان میں عوام کی بے چینی کے آثار نمایاں ہوئے ۔ مشرق دنیا کے دل میں ایک نئی امنگ پیدا ہوئی ، اس وقت سلطان عبدالحمید خاں نے آل عثمان کا تاج اپنے سر پر رکھا ۔ رشید پاشا اور مدحت پاشا کی اصلاحی تحریک کے دروازے بند کرکے ملک کی بیداری کو روکنے کی کوشش کی ۔ لیکن یہ بیداری دراصل سیکولرازم کا دوسرا نام تھا ۔ سلطان عبدالحمید نے (۱۸۷۶ء کے آخر میں) عالم شباب میں فرنگ کی ہر چیز کو اصلی روپ میں دیکھ لیا تھا ، اسی لیے اس کا یقین اسلامی روایات پر اور زیادہ پختہ ہو گیا تھا ۔ ترکی کے کچھ نوجوانوں نے جدیدیت کا شکار ہو کے سیکولرازم کے نعرے لگائے ۔ مدحت پاشا اور رشید پاشا کی اصلاحی تحریکوں کی تائید خصوصی طور پر برطانیہ کی طرف سے ہوئی جیسا کہ جوزف کاروین ، رکن پالیمان نے برطانوی پارلیمنٹ میں ۳۱ جنوری ۱۸۶۰ء کو خارجی پالیسی کی بحث کے دوران کہا ، "سلطان عبدالحمید نے اس سیکولرازم کو روکنے کے لیے پارلیمنٹ توڑی ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کو استبدادیت کے ظلم کے مماثل قرار دیا گیا ، حالانکہ انھوں نے بے حد اصلاحات کی تھیں ، انھوں نے فوج کو منظم کیا ، معاشرتی اور اخلاقی اقتدار قائم کرنے کی انتھک کوششیں کیں ۔ اُن کی سوچ کا اندازہ یہی تھا کہ ترکی کی بقا در اصل عالم اسلام سے وابستہ ہے اور دنیا بھر کی سامراجی طاقتوں کا منہ موڑنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں میں مرکز خلافت کی حفاظت کا جذبہ پیدا کیا جائے ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
اُس وقت سید جمال الدین افغانی بھی اسی کوشش میں مصروف تھے۔ سلطان عبدالحمید خاں نے سید صاحب کو ۱۸۹۲ء میں پیہم اصرار سے اپنے پاس بلایا، اور تحریک اتحاد اسلامی کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ ۱۸۹۷ء میں سید صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اسی سال چند یہودی سرمایہ داروں کی ایک خفیہ کانفرنس ہوئی۔ (ڈاکٹر ہرزل کی ڈائری) اس کانفرنس میں مسلم اتحاد پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ سلطان عبد الحمید کو ایک تحریری یادداشت پیش کرنے کا منصوبہ بھی بنا لیا گیا، اور اسی ضمن میں یہودیوں کا ایک وفد سلطان سے ملا، اور درخواست کی کہ انھیں فلسطین کے علاقے میں کچھ آراضی پر مالکانہ حقوق مرحمت فرما دیے جائیں، اس کے عوض سلطان کو منہ مانگی قیمت ادا کرنے کی پیش کش کی۔ لیکن سلطان کی غیرت نے اُس کو ٹھکرا دیا۔
(بحوالہ صیہونیت کے بانی ڈاکٹر ہرزل کی ڈائری شائع شدہ ۱۹۳۴ء بحوالہ عبدالغفار قاضی: حیات اجمل)
سلطان عبدالحمید نے ایک فرمان جاری کیا، کہ ڈاکٹر ہرزل کو اطلاع کر دی جائے کہ وہ فلسطین میں صیہونیت کے قیام کا خیال دل سے نکال دے، کیونکہ ایسی حکومت، سلطنت عثمانیہ کی قبر پر ہی تعمیر کی جاسکتی ہے، چنانچہ ترکی کے جدت پسند نوجوانوں کو اس بغاوت کے لیے ہموار کر لیا گیا۔ انھوں نے پہلے ہی جنیوا میں انجمن اتحاد و ترقی کی بنیاد رکھ دی تھی، بعد میں اس کا صدر دفتر پیرس اور پھر مقدونیہ میں منتقل کر دیا گیا اور ترک احرار نے سلطان عبدالحمید کو ختم کرنے کے ساتھ اپنے ملک کے اسلامی نظام زندگی اور اسلام کو بھی ختم کر دیا[۲]۔"
(از راقم: بلا شبہ اگر عثمانیہ خلافت ختم نہ ہوتی تو فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام عمل میں نہ آتا۔ اور آج جو فلسطینی مسلمانوں کی خون کی ندیاں بہہ گئی ہیں، اس پر عالم اسلام میں سکوت مرگ طاری ہے اور کہیں سے صدائے احتجاج بھی نہ پیدا ہو سکی۔ ("فاعتبروا یا اولی الابصار")

دیکھیے تفصیل کے لیے مصنفہ شہزادی این۔ ڈی لوسکنان خاتون انگلستان:
(۱) "بست سالہ عہد حکومت سلطان عبدالحمید خاں، شہنشاہ ترکی" مترجمہ مولوی محمد انشاء خاں، ایڈیٹر "وکیل" امرتسر، بار سوم اپریل ۱۸۹۷ء، مطبع روز بازار۔ امرتسر۔
(۲) تاریخ خاندان آل عثمان تا عبدالحمید ثانی، طبع از وکیل امرتسر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریکات میں عملی حصہ

مسلم لیگ کا جلسۂ تاسیس : مولانا ظفر علی خاں نے اپنے دوست سید محفوظ علی کے ساتھ بمبئی سے ڈھاکہ کا طویل سفر طے کیا ۔ مولوی عزیز مرزا بھی حیدر آباد سے ڈھاکہ پہنچے تھے ، اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کے موقع پر نواب وقار الملک کی صدارت میں مسلمان لیڈروں کا ایک سیاسی جلسہ ہوا ، جس میں انھوں نے ایک اہم ترین خطبہ پڑھا ۔ اس تقریر کے بعد نواب سلیم اللہ رئیس ڈھاکہ نے مندرجہ ذیل ریزولیشن پیش کیا ۔ حکیم اجمل خاں ، مولانا محمد علی اور ظفر علی خاں نے اس کی تائید کی ۔

وہ ریزولیشن یہ تھا : ”قرار پایا کہ یہ جلسہ (جو ہندوستان کے مختلف حصوں کے اُن نمائندوں پر مشتمل ہے جو ڈھاکہ میں مجتمع ہوئے ہیں) یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ایک ایسی انجمن قائم کی جائے ، جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ ہو ۔ اُس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل قرار پائے :

۱ ۔ حکومت برطانیہ سے وفاداری ۔

۲ ۔ مسلمانان ہند کے سیاسی حقوق و وقار کی حفاظت ۔

۳ ۔ دوسری جماعتوں کے خلاف مسلمانوں میں جذبات عداوت کی نشو و نما کا انسداد ۔

مسلم لیگ کا دستور وضع کرنے کے لیے ساٹھ ارکان کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی ۔ پھر وہ دستور تمام اراکین کے پاس غور و تنقید کے لیے بھیجا گیا[۱] ۔

اس طرح ڈھاکہ میں مسلم لیگ کے قیام کی تاریخ ہی عملاً اُن کی سیاسی زندگی کے آغاز کا دن تھا ۔ اور اس دن ہی سے مسلمان قوم کے حقوق کے تحفظ کا خیال ، اور ہمسایہ مسلم ممالک سے تعلقات اور اُن کی بہبودی و بہتری کے لیے خواہاں رہنا ایک فوری امر تھا ۔ اور یہ بات جغرافیائی حدود سے بالا تھی ، لہذا اپنی آزادی کھونے کے بعد ملت میں دوسری مسلم قوموں سے روابط کا ایک شعور پیدا ہو گیا[۲] ۔“

لہذا اس شعور سے ہی حکومت برطانیہ کی مسلم کش پالیسیاں واضح ہو گئیں ، اور اہل وطن (ہندوؤں) کا خود غرضانہ جذبہ تقسیم بنگال کے خلاف

---

۱ ۔ حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۵۵ ، طبع کراچی یونیورسٹی ، ۱۹۶۷ء ۔
۲ ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی : ملت اسلامیہ ، ص ۳۳۲ ، کراچی یونیورسٹی ، ۱۹۶۷ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شدت سے اُبھرا ، دوسری طرف خود حکومت برطانیہ کے تقسیم کے متعلق وعدے پورے نہ ہو سکے ۔

۱۹۰۹ء میں ظفر علی خان نے حیدر آباد سے واپسی کے بعد صحافت کو اپنا لیا ، اور قلم کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت اُن کا اہم مشن بن گیا ۔ اُن کے اخبار کا مقصد قومی مفاد کا تحفظ تھا ۔ وہ ۱۹۱۱ء میں زمیندار کو کرم آباد سے لاہور لے آئے ، اور پنجاب کے دارالخلافہ میں اہل علم و فکر کے ساتھ نشستوں نے انہیں عمل کے میدان میں نئے راستے دکھائے ۔ چودھری سر شہاب الدین مرحوم کی زیرکی نے اُن کو سیاست کے میدان بھی دکھائے ۔ اس طرح لاہور کے مستقل قیام کے دوران اُن کے قلم کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع مل گیا ۔ تقریر میں وہ پہلے ہی بے باک تھے (یہ فن انھوں نے محسن الملک سے سیکھا تھا) ۔ اُن کی سیاست کا رنگ شروع ہی سے حریت و آزادی کی طرف تھا ، آہستہ آہستہ اُن کے قلم نے زمیندار کو بھی ایک نیا ولولہ بخشا اُن کی تحریر و تقریر میں غیر معمولی بےباکی ظاہر ہوئے بغیر نہ رہ سکی ، یہاں اسلام کی طرف میلانات و رجحانات کی اشاعت کا سوال نہیں تھا ، بلکہ اسلام کی برتری اور مسلمان حکومتوں سے لگاؤ اُن کا سرمایہ ایمان بن گئیں ۔

نتیجہ کے طور پر اُن کے مزاج کی تمکنت اُنھیں ان وفاداریوں کی فہرست سے دور کر رہی تھیں ، جو مسلم لیگ کے قرار داد مقاصد میں سے ایک تھی ، اس کا سبب وہ بین الاقوامی بدعہدیاں تھیں ، جو یورپ اور خصوصاً انگریزوں کی طرف سے ظہور میں آ رہی تھیں ۔

طرابلس پر حملہ

۱۹۱۱ء میں افریقہ میں اٹلی کی قزاقی نے مسلمانانِ عالم کو ایک جھٹکا دیا ، اور ظفر علی خان کے الفاظ میں یہ نئی صلیبی جنگ کا آغاز تھا ۔ اُن کے تاثرات ایک زخمی شیر کی طرح شعر کی صورت میں واضح طور سے سامنے آ رہے تھے ۔ انھوں نے بے باکی سے کہا :

سمجھ رہے ہیں یہ اہل یورپ کہ ہم مسلماں کو لوٹ لیں گے
کہ اس میں کس بل نہیں ہے کل کا ، وہ آج کمزور منحنی ہے

بتا رہی ہے دراز دستی اطالیہ کی طرابلس میں
کہ آج کشور کشا وہی ہے ، جسے ذرا مشق رہزنی ہے

14636

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹلی کی اسی دراز دستی پر فرانسیسی وزیر خارجہ نے کہا تھا ، ”طرابلس اب خانۂ زنبور بن گیا ہے ، اور اٹلی نے ایسی حالت پیدا کر دی ہے ، جس کا نتیجہ اُس کے لیے ، اور خود ہمارے لیے برا ہے۔“

مسلمانوں پر ظلم و ستم اُن کو بے چین کیے ڈال رہا تھا ، اور وہ ایک مجبور و گرفتار شیر کی طرح ، (غلامی کے پنجرہ میں) اپنے تاثرات کا اظہار دن بدن غصے کے عالم میں کر رہے تھے ، اور خدا سے اٹلی کے لیے غضب کی دعا مانگ رہے تھے :

خدا کا ہو غضب اٹلی پہ نازل
دیا جس نے مسلمانوں کو چرکا

اور جب اٹلی میں بھونچال آیا ، تو اُس کو قہر الٰہی سمجھ کر کہا ، کہ اب دعا کو اثر کا شکوہ باقی نہیں رہا :

لگے بھونچال سے کشتوں کے پشتے
نمونہ بن گیا ، روما سقر کا

جہاز اک غرق اُس کا ہو گیا ہے
یہ پہلا وار ہے دور قمر کا

(بہارستان، ص ۱۸۶)

ہندوستان میں مسلم قوم کا ضمیر پوری طرح جاگ اٹھا تھا ، اور شمالی ہند میں (مولانا) ظفر علی خاں مسلمان قوم کے ترجمان بن گئے تھے ۔ طرابلس کی جنگ اور اُس کے بعد ترکی کی بلقانی ریاستوں پر متحدہ حملوں نے یہ ثابت کر دیا تھا' کہ وہ (اہل یورپ) ترکیہ اور اسلام کو یورپ سے خارج کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ حملے دول یورپ کی سازش و ترغیب سے ہوئے تھے ، اور برطانیہ ان سازشوں میں برابر کا شریک تھا ۔ اسی لیے برطانیہ نے طرابلس میں اٹلی کے قبضہ کو تسلیم کرنے میں پہل کی ۔ اور بلقان میں مسٹر اسکویتھ وزیر اعظم برطانیہ اور سر ایڈورڈ گرے وزیر خارجہ نے بلقانی ریاستوں کی فتح میں ، باب مسیحیت کے افتتاح کا خواب دیکھا ۔ اور طرابلس میں شہیدوں کی قربانیوں نے مسلمانوں کو جھنجھوڑ دیا ، بقول سید سلیمان ندوی ”ہم ہندوستان کے مسلمان ، طرابلس

---

۱ ۔ سید سلیمان ندوی : برید فرنگ ، ص ۵ ، طبع مکتبۃ الشرق کراچی ، طبع ۱۹۵۰ ع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بہت ممنون ہیں ، کہ اس سرزمین کے شہیدوں نے خاک و خون میں تڑپ کر اپنی نیم بسمل آواز سے ہمیں بیدار کیا[1] ۔"

ہر چند مولانا ظفر علی کا مسلک وہی تھا جو مسلم لیگ کا تھا ، جس کی ایک دفعہ تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری بھی تھی ، اور وقت کے اعتبار سے کانگرس اور مسلم لیگ (دونوں) کا لائحہ عمل وفاداری کے سلسلے میں ایک ہی تھا (کانگرس کے جلسوں میں بھی انگریز حکام کا استقبال اور خیر مقدم فراخ دلی سے کیا جاتا تھا) لیکن انھوں نے اس شدت کا اظہار نہیں کیا تھا ، جس سے حکومت برطانیہ کی گرفت کی سختی اور زیادہ ہو جاتی ۔ اس لیے وہ ابھی تک ان تمام تلخ حقیقتوں ، اور آتش بیانیوں کے باوجود (جبکہ آن کا قلم و زبان دونوں انگریزوں کے خلاف مصروف جہاد تھے) وہ زیب داستان کے لیے یہ فقرہ ضرور کہہ دیتے تھے ، "خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے" ۔ آس دور میں ایسے حالات کے اعتبار سے جو عقیدت مسلمان کو تاج برطانیہ سے ہو سکتی تھی ، وہ تو اظہر من الشمس ہے ۔ لیکن ہندوستان کی سیاست میں بہر حال ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا ، کہ جب کھلم کھلا بغاوت کے لیے خود کو پیش کر دیا جائے ۔ ابھی اس بغاوت کی آگ کو تقریروں کے دم سے آہستہ آہستہ سلگایا جا رہا تھا ۔ آسی زمانہ میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا ، جس کی تفصیل (روئداد) خود انھوں نے بیان کی ہے :

"سیاسیات میں میری ذہنیت کے اس تدریجی نشو و نما نے قارئین کرام کو یہ نکتہ سمجھا دیا ہو گا کہ میری وفادارانہ عقیدت اس نظام جہاں بینی سے ، جس کا ایک ایک رکن اپنے وقت کا فرعون بے ساماں ہے ، اپنا پیوند قطع کرکے صرف تاج دار انگلستان تک محدود ہو کر رہ گئی تھی ، جسے برطانیہ کے دستور اساسی نے نمایندگان جمہور کے فیصلوں کی پابندی پر مجبور کر رکھا ہے ، اور جسے وزرائے سلطنت کی وضع کی ہوئی حکمت عملی کے آگے ، خود میری طرح سر تسلیم خم کرنے کا خوگر بنا دیا گیا ہے ۔ افلاطون کے عالم مثال کی طرح اس جلالی تمثال کی مدح سرائی کرنا ،

---

۱ ۔ سید سلیمان ندوی : برید فرہنگ ، ص ۱۹۳ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک پرانا اشراق شغل تھا ۔ جو ملکہ وکٹوریہ کے مدح سرا مرزا غالب کی ادبی روایات اور میری مشرقی فطرت کو ترکے میں ملی تھی ۔ میرے بعض دوست میری اس افتاد طبیعت کا کبھی کبھی مضحکہ بھی اڑاتے تھے ۔ چنانچہ میرے ایک محترم ہم چشم کا یہ فقرہ جو انھوں نے زمانۂ قیام انگلستان میں استعمال فرمایا ، میرے کانوں میں ابھی تک گونج رہا ہے کہ ''ظفر علی خاں اور کرشنا ورما ، میں صرف اس قدر فرق ہے کہ کرشنا ورما اپنی کہانی میں الف ابجد سے تائے تمت تک انگریزوں کو کوستا چلا جاتا ہے لیکن ظفر علی خاں زیب داستان کے لیے خاتمہ پر یہ فقرہ بڑھا دیتا ہے کہ ''خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے'۱ ۔''

انھوں نے آگے چل کر لکھا ہے کہ :

'' یکم فروری ۱۹۱۲ء کو مسلمانان لاہور نے ایک عظیم الشان جلسے میں جناب جارج پنجم کے مراجعت فرمائے انگلستان ہونے پر مبارکباد کے ایک برقی پیغام کی روانگی کا فیصلہ کیا ۔ اس تقریب میں ، میں نے اپنی وضع کی پابندی کرتے ہوئے ایک نظم لکھی ۔ اگرچہ اس میں شاعرانہ غلو سے کام لیا گیا تھا ، لیکن وہاں یہ تمنا بھی ظاہر کر دی گئی تھی کہ کاش کہ ٹرکی و انگلستان کے درمیان دوستانہ مراسم قائم ہو جائیں ، مزید برآں یہ کہ اسی نظم میں مسلمانان ہند کی بے چارگی کا راز بھی ان الفاظ میں فاش کر دیا تھا :

رہے آباد وہ صیاد یا رب جس نے دے دی ہے
چہکنے کی اجازت بلبلوں کو گلستانوں میں۲

بہر حال موچی دروازے کے باہر اور گول باغ کے جلسوں میں ، اُن کی نظمیں مسلمانوں کے تأثرات کو ظاہر کرتی تھیں ۔ اور اُن کی آتش بیان تقریریں مسلمانوں کے جذبات کی آئینہ داری کرتی تھیں—بقول اشرف عطاء ''وہاں ہر روز بیس بیس ہزار پچیس پچیس ہزار مسلمانوں کے اجتماع میں انگریز کی ذہنیت اور سامراجیت کے بخیے آدھڑتے نظر آتے ۔ اُن کی

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفاء (خود نوشت سوانح عمری) طبع زمیندار روزنامہ لاہور ۔ ۲۹ اپریل ۱۹۲۸ء ۔

۲ ۔ ظفر علی خاں : خود نوشت سوانح عمری ''ازالۃ الخفاء'' ، زمیندار ۲۹ اپریل ۱۹۲۸ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سحر بیانی سارے مجمع کو مسحور کر دیتی - وہ تقریر کرتے تو اُن کے منہ سے شعلے برستے ، زہر میں بجھے ہوئے تیر نکلتے ، جو حاسدان ملت بیضاء کے سینوں میں پیوست ہو جاتے - مغربیوں کے مظالم ، بلقانیوں اور طرابلسیوں کی بپتا سنا کر خود روتے اور مجمع کو رلاتے ، خود تڑپتے اور سننے والوں کو تڑپا دیتے - لاہور کے ان جلسوں میں مولانا محمد علی اور خواجہ غلام الثقلین (پانی پتی ، حالی کے نواسے) نے بھی کئی بار شرکت کی - ایک جلسے میں جو مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں ہوا ، علامہ اقبال نے بھی شرکت کی ، اور ایک نظم پڑھی - اس نظم پر مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا ''ہم بھی نظم لکھتے ہیں ، لیکن ڈاکٹر اقبال کی اور ہی بات ہے - وہ جب بھی نظم کہتے ہیں ، تو اُس میں جبرئیل کی پرواز کا رنگ ہوتا ہے''- اُس کے بعد جب انھوں نے یہی نظم ''خون شہدا'' ایک دفعہ شاہی مسجد میں پڑھی تو اس سے مسجد میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا'' -[1]

اٹلی کے ظلم و ستم لوگوں کے دلوں پر کیوں نہ تیر چلاتے اس لیے کہ مولانا محمد علی نے لکھا تھا ''اٹلی کے اس ظلم ستم سے پانچ ہزار چھ سو[2] عرب اور ترکوں میں سے ۱۸۰۰ آدمی مارے گئے ، اور اس نقصان میں ستر ملین مسلمانوں کے دل دھڑک رہے ہیں'' - اقبال نے سچ کہا ہے :

''چمکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں''[3]

۸ ستمبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ طرابلس پر قبضہ کرے گا ، حالانکہ وہ دسمبر ۱۹۱۰ء کو اعلان کر چکا تھا ، کہ ہم ترکی سلطنت کی سالمیت چاہتے ہیں - اٹلی کو فرانس کے اس رویے کے خلاف ناراضگی تھی ، کہ فرانس ٹیونس پر قابض تھا - اُس نے اطالویوں کی شکایت رفع کرنے کے لیے خفیہ طور پر رضامندی دے دی اور برطانیہ نے بھی سکوت اختیار کر لیا - مزید یہ کہ اُس نے مصر کی غیر جانبداری کا اعلان کر کے اٹلی کی

---

۱ - اشرف عطا : مولانا ظفر علی خاں ، ص ۴۴ ، مکتبۂ کارواں ، کچہری روڈ ، لاہور ۱۹۶۲ء -
۲ - مولانا محمد علی مرحوم : (ایڈیٹر 'کامریڈ' ہفتہ وار) ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۱ء ، ص ۳۵۵ -
۳ - ڈاکٹر اقبال : بانگ درا -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوصلہ افزائی کی ، اور ترکوں کو براہ مصر طرابلس الغرب میں فوجیں بھیجنے سے روک دیا ۔ ابھی انور بے ترک اور مقالی ، عربوں کی تنظیم کرکے مدافعت میں مشغول تھے کہ ۱۹۱۲ء کے آغاز میں ترکوں کے خلاف یونان ، بلغاریہ اور سرویا کا اتحاد قائم ہو گیا ، اور سلطنت عثمانیہ کی مسیحی آبادی کی حفاظت کے لیے ان سب نے ترکوں کو جنگ کا الٹی میٹم دے دیا ۔ ترکوں کو مجبوراً اٹلی سے صلح کرنا پڑی ، اور وہ طرابلس سے اپنی فوجیں بلانے پر مجبور ہوگئے ۔ اور بلقان میں جنگ شروع ہوگئی ۔ ترکوں کو محض اس وجہ سے مسلسل شکستیں ہوئیں کہ ان کی افواج میں کثرت سے مقامی عیسائی آبادی کے لوگ تھے ، جن کو حملہ آوروں کے ساتھ ہمدردی تھی ، اور دشمن کے خفیف سے دباؤ کے ساتھ یہ عیسائی سپاہی بھاگنے لگے تھے (دستوری انقلاب ۱۹۰۸ء کے بعد فوج اور ملکی انتظامات میں وہ تمام اصلاحات نافذ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا جو حکومت ترکی کو مدنظر تھیں) ۔ دوسری طرف خود دول یورپ نے خلیفہ اور نوجوان طبقے کے درمیان اس طرح در اندازیاں کیں ، کہ دونوں میں اختلاف شدید ہو گیا ۔ اس ملک کا ڈھانچہ عملاً شکست و ریخت کے قریب پہنچ گیا ، اور بلقان میں ترکوں کا بڑا سخت نقصان ہوا[1] ۔

بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی : ”لیبیا پر اٹلی کا قبضہ ، مراکش پر فرانسیسی انتداب کا قیام یہ سب واقعات ۱۹۱۲ء میں پیش آئے ۔ ان تمام واقعات نے مسلمانوں پر بہت گہرا اثر ڈالا ، اور برطانیہ پر بہت نکتہ چینی ہوئی[2] ۔“

ہندوستان میں ردِ عمل

ہندوستان میں مجاہدین طرابلس کی امداد کے لیے چندے جمع ہونے لگے ۔ اٹلی کے مال کا بائیکاٹ کیا گیا ، اس وقت تک مسلمان ترکی ٹوپی عام طور سے پہنتے تھے ، جو اٹلی سے بن کر آتی تھی ، چنانچہ یہ ٹوپیاں ساختہ اٹلی ہونے کے سبب جلا دی گئیں ۔

---

۱ ۔ حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۸۱ ، طبع ۱۹۶۷ء ، کراچی یونیورسٹی ۔

۲ ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی : ”ملت اسلامیہ“ ، ص ۳۳۴ ، طبع کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۷ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۱۲ء میں ترکی کے خلاف جو جنگ شروع کرائی گئی تھی ، اس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں ہمالیہ سے لنکا تک غم و غصہ کی آگ بھڑکا دی -

ہندوستان کے مسلمان جو اب تک سرسید کے مسلک پر تھے ، اور ان کے زمانے میں ترکی کے موافقت کے زور کو برطانیہ کی ناراضگی کے خوف سے روکا گیا تھا ، اب وہ فضا ختم ہو چکی تھی ، اور پوری قوم اس گھٹن کو محسوس کر رہی تھی ، بلکہ اس فضا کو ختم کرنے کے لیے میدان میں آ چکی تھی -

سرسید کا علی گڑھ اب سید جمال الدین کی تحریک کا مرکز بن گیا تھا - ظفر علی خاں اگرچہ علی گڑھ سے دور تھے ، لیکن سید افغانی کے مسلک کے نمائندے لاہور میں تو موجود تھے ، جو برطانوی سامراج کے عزائم کا شدید مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے - اب نہ ڈر اس بات کا تھا ، کہ علی گڑھ کی امداد بند کر دی جائے گی ، اور نہ اس امر کا خوف تھا کہ حکومت برطانیہ کے دباؤ کے تحت یہ تحریک ختم کر دی جائے گی - کلکتہ میں پورے زور و شور سے چندہ جمع کیا گیا ، جس کے لیے حکومت کو اجازت دینا پڑی -

مولانا محمد علی نے طبی وفد کی تشکیل میں بڑا حصہ لیا - علی گڑھ کے طلباء نے رضا کارانہ (طور پر) اپنی خدمات پیش کیں ، اور کئی نامور ڈاکٹر اس سلسلے میں آگے بڑھے ، اور ۱۶ نومبر ۱۹۱۲ء کو یہ وفد ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی صدارت میں بمبئی سے روانہ ہوگیا -[۱] (لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند نے خود اس وفد کو رخصت کیا تھا) - تنہا حکیم اجمل خاں مرحوم نے اس وفد کے لیے دلی کے عام مسلمانوں سے پچاس ساٹھ ہزار روپیہ جمع کیا تھا -[۲]

ظفر علی خاں نے مسلمانان ہند کے سیاسی زاویہ نگاہ کو ۱۹۱۲ء میں اس طرح بیان کیا ہے :

تجھ سے اے ترکی ہمارا برقرار اعزاز ہے
تو ہمارے واسطے سرمایۂ صد ناز ہے

ہم اگر بے دست و پا ہیں ، تو ہے خضر دست گیر
ہم اگر بشکستہ پر ہیں ، تو پر پرواز ہے

---

۱ - (مزید تفصیل کے لیے بھی) خلیق الزماں چودھری Path Way to Pakistan pp. 18, 22 -

۲ - قاضی عبدالغفار : حیات اجمل ، ص ۱۶۲ ، انجمن ترقی اردو ، علی گڑھ ۱۹۵۰ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گونجتی تھی محفل عالم کبھی جس ساز سے
تو اسی ساز بلند آہنگ کی آواز ہے

نام ہے قائم گر اب تک دہر میں اسلام کا
سرور کون و مکاں کا یہ بھی اک اعجاز ہے

آتی ہے اٹلی کی شامت ، موت ہے سر پر سوار
اس لیے کھولے ہوئے اپنا دہان آز ہے

عشق لندن دل میں ، سودا سر میں استنبول کا
ہم مسلمانوں کی پستی کا یہ اصلی راز ہے

(بہارستان ، صفحہ ۲۹۵)

مولانا ظفر علی خاں نے انجمن ہلال احمر کے لیے چندہ جمع کرنا شروع کیا اور ترکی کے وزیر اعظم کی خدمت میں وہ روپیہ پیش کرنے کے لیے روانہ ہو گئے[۱] ۔

سفر یورپ :

بہر حال آپ ہندوستان سے ۱۰ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ولایت تشریف لے گئے ۔ پہلے آپ سیدھے لندن پہنچے ، وہاں سے فرانس ، اور دوسرے یورپی ممالک سے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ آئے ۔ یہاں آپ نے کافی قیام کیا ۔ ترکی کے تمام سربرآوردہ اصحاب سے ملے ، جن میں غازی طلعت پاشا ، غازی انور پاشا ، جمال پاشا ، شہزادہ سعید حلیم پاشا ، شیخ عبدالعزیز شادیش ، ڈاکٹر نسیم عمر ، ڈاکٹر کمال عمر اور ڈاکٹر فواد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ قیاس ہے کہ وہ اپریل ۱۹۱۳ء میں قسطنطنیہ پہنچ گئے تھے ۔

جنگ بلقان میں جو علاقے ترکی کے قبضے سے نکل کر بلقانی ریاستوں کے قبضے میں چلے گئے تھے ، ان میں سے بہت سے مسلمان اناطولیہ آنا چاہتے تھے ، اس لیے حکومت ترکیہ نے ان مہاجرین کے لیے نو آبادیوں کے قیام کی تجویز کی ، مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا ظفر علی خاں نے کامریڈ اور زمیندار کے ذریعے ان نو آبادیوں کی تجویز کو بہتر سے بہتر صورت میں کامیاب بنانے کے لیے

---

۱ ۔ عبداللہ بٹ : گولڈن جوبلی نمبر زمیندار ، جنوری ۱۹۵۲ء ، بحوالہ سر مائیکل اڈوائر سابق گورنر پنجاب ۔ نیز بحوالہ زمیندار ، لاہور ۔ ۲۴ جنوری ۱۹۲۴ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبردست جدوجہد کی تھی ۔ مولانا کے قیام کے دوران ان نو آبادیوں کے لیے موزوں ترین جائے وقوع کے تعین کی خاطر حکومت کی طرف سے ایک کمیشن کا تقرر ہوا ، اس کمیشن میں مولانا کا نام بھی شامل کر دیا گیا تھا ، چنانچہ انھوں نے بھی کمیشن کے ساتھ اناطولیہ کے مختلف حصوں کا دورہ کیا ۔ اور نو آبادیوں کے متعلق ایک عمدہ رپورٹ مرتب کر کے حکومت ترکی کو پیش کی ، آن کا ارادہ تھا کہ ان نو آبادیوں میں ہندوستان کے مسلمان بھی آ کر آباد ہوں ، تا کہ اس طرح ہندوستانی مسلمان اور ترکوں کے درمیان گہرے روابط کے قیام کی صورت نکل آئے ۔ افسوس کہ پے در پے حوادث و آفات نے اس تجویز کو کامیابی کی منزل پر پہنچانے کی مہلت نہیں دی۱ ۔ اس دوران آپ شتلجہ کے محاذ پر بھی گئے ، جہاں غازی انور پاشا (شہید اسلام) کی معیت میں اس حصے کا معائنہ کیا ۔

اسی زمانے میں انھیں سلطان خامس کے دربار میں حاضری کا موقع ملا ، ان تاثرات کو خود انھوں نے بیان کیا ہے ۔ ''معرفی کی رسم ادا کرنے کے بعد ، عثمانی و ہندوستانی مجلس نو آبادی ہائے مہاجرین کے صدر نشین ڈاکٹر اسعد پاشا (شاہی طبیب) کے ساتھ ٹھیک تین بجے یلدیز کوشک پہنچے اور خالد خورشید (باش ماہین جی اول) کے کمرے میں کچھ دیر انتظار کرتے رہے ، لطفی بے سابق ماہین جی جو انگریزی زبان روانی سے بول سکتے تھے ، اسی دن یورپ سے لوٹے تھے ، انھیں ہماری ترجمانی کا ایما ہوا ، کوئی نصف ساعت انتظار کے بعد ہماری طلبی ہوئی ، اور متعدد شاندار اور دلآویز ایوانوں کو طے کرتے ہوئے ہم ڈاکٹر اسعد پاشا اور لطفی بے کے ہمراہ ایک وسیع کمرے کے دروازے پر پہنچے ، جس کی بہترین آرائش اس کی بہترین سادگی تھی ، کمرے کے وسط میں تیس کروڑ مسلمانان عالم کے خلیفہ خادم الحرمین الشریفین امیرالمومنین محمد خان خامس جو اسلام کے آخری سیاسی امیر ہیں ، کھڑے تھے ، —— محمد فاتح اور سلیمان —— کے اس جلیل القدر جانشین کو دیکھتے ہوئے ، جو خیالات ہمارے دماغ میں اور جو کیفیات ہمارے دل میں برق کی طرح دوڑ گئیں ، ان کی شرح کا یہ وقت نہیں —— اس کے علاوہ مسلمانوں کے لیے یہ خیالات اور کیفیات شرح سے مستثنیٰ ہیں'' ۔

''ہم اور ہمارے دونوں ساتھی ڈاکٹر مختار احمد انصاری ، ڈائریکٹر آل انڈیا میڈیکل مشن ، اور احمد فواد پاشا ، (ممبر ایگزیکٹو کمیٹی نیشنل ڈیفنس ایسوسی ایشن) دروازے پر شعار اسلامی کو مدنظر رکھتے ہوئے

---

۱ ۔ عبدالحمید مرزا : بحوالہ ڈائری مولانا ظفر علی خاں ، زمیندار گولڈن جوبلی نمبر ۱۹۵۳ء ، ص ۲۷ - ۲۸ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آداب بجالائے اور آگے بڑھے ، آں حضرت نے تین قدم آگے بڑھ کر خندہ پیشانی سے ہمارے سلام کا جواب دیا ، کمرے میں چار کرسیاں رکھی تھیں ، ایک اعلیٰ حضرت کی ، اور باقی ہم سب تین لوگوں کے لیے -

اعلیٰ حضرت کی کرسی کے قریب ایک تپائی پر ایک کشتی چوبدار نے پہلے ہی لا کر رکھ دی تھی ، جس میں ہماری نذر تھی ، لطفی بے اگرچہ ترجمانی کے لیے موجود تھے ، لیکن ایسی حالت میں جبکہ اعلیٰ حضرت زبان فارسی سمجھ اور بول سکتے تھے ، ہم نے لطف بے کی وساطت مناسب نہ سمجھی اور گفتگو برابر فارسی میں ہوتی رہی -

''اس نذر کی تقریب کے سلسلے میں مولانا نے علامہ اقبال کی نظم ''فاطمہ'' کو نشان زدہ کرکے ، اور زمیندار کا ایک خاص نمبر پیش کیا[1] -''

اس کے بعد وہ خود لکھتے ہیں ، ''امیرالمومنین کی ذرہ نوازی ملاحظہ ہو ، کہ وہ ہمارے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ، اور کشتی کا ڈھکنا اپنے دست اطہر سے تھامے رہے تاکہ ہم دونوں چیزیں بآسانی نکال سکیں -''

اعلیٰ حضرت کی یہ تواضع اور فروتنی دیکھکر بے اختیار ہمارے منہ سے نکل گیا ، کہ مسلمانوں کا امیر ایسا ہی ہونا چاہیے - اعلیٰ حضرت نے کتاب لے کر فرمایا ''میں اس کتاب کا مطالعہ کروں گا'' - ہم نے عرض کیا - جس زبان میں یہ کتاب لکھی گئی ہے ، وہ حضور کے ساڑھے سات کروڑ دعا گوؤں کی زبان ہے ، اس لیے یقیناً اس زبان کا حضور پر بہت بڑا حق ہے[2] -''

زمیندار کا نسخہ لے کر اعلیٰ حضرت نے ہماری درخواست پر از راہ لطف و عنایت و مکرمت اجازت بخشی ، کہ یہ اخبار باقاعدہ طور پر ملازمان اقدس و اعلیٰ کے پاس پہنچتا رہے ،——یہ ایک ایسا بڑا شرف ہے کہ جس کے لحاظ سے ہم اردو اخبار نویسوں کو عموماً ، اور زمیندار اخبار کے قارئین کو خصوصاً مبارک باد دیتے ہیں -

''کشتی جو ہم نے نذر کی ، پیرس کی ساختہ تھی ، اگرچہ بادشاہوں کے لائق تو نہ تھی ، اس لیے کہ اس کی قیمت چھ پاؤنڈ جیسی ہیچ میرز رقم

---

۱ - عبدالحمید مرزا : زمیندار ، گولڈن جوبلی نمبر ، لاہور ، جنوری ۱۹۵۳ع - از ڈائری ظفر علی خاں ، ص ۲۸ -

۲ - ڈائری مولانا ظفر علی خاں '' '' '' '' ، ص ۲۸ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی“ اعلیٰ حضرت کے مذاق سلیم نے محض ہماری دل دہی کے لیے اس کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی“۔ یہ کہہ کر اعلیٰ حضرت کرسی پر تشریف فرما ہوئے ۔ اور لوگوں کو بیٹھنے کے لیے اشارہ فرمایا ۔ اور ہم نے اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر حضور انور کے سمع مبارک تک مسلمانوں کا یہ پیغام ان الفاظ میں پہنچایا :

”جہاں پناہ ! ساڑھے سات کروڑ مسلمانان ہند کی طرف سے جنھیں اسلام کی سیزدہ صد سالہ روایات نے حضور کے تخت و تاج کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے ، کمترین حضور کی خدمت میں محبت آمیز ارادت و عقیدت کی ناچیز نذر پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہے ۔ حضور اس الفت ، اس محبت کا اندازہ نہیں لگا سکتے ، جو مسلمانان عالم کو عموماً اور مسلمانان ہند کو خصوصاً حضور کی ذات مبارک کے ساتھ ہے ، کہ حضور حرمین شریفین کے خادم ، اور اسلامیوں کی کشتی کے ناخدا ہیں ۔ ہندوستان میں ہمارے دو بادشاہ ہیں (۱) جارج خامس ، دوسرے محمد خامس ۔ جارج پنجم ہماری جان کے مالک ہیں—لیکن محمد خامس کا قبضہ ہمارے دلوں پر ہے ۔ اور ہماری دلی تمنا ہے کہ ان دونوں تاجداروں کے تعلقات برادرانہ رہیں ، تاکہ ہماری جان حزیں ہمارے دل ناشاد سے نہ الجھنے پائے ۔“

انھوں نے مزید فرمایا کہ ”جہاں پناہ ! سپہ سالار احمد عزت پاشا سے کمترین نے کچھ دن ہوئے ، یہ خیال ظاہر کیا تھا ، کہ ہم مسلمانوں کو اگر زندہ رہنا ہے ، تو صرف ایک مقصد کے لیے—اور وہ مقصد صرف ایک لفظ میں مضمر ہے یعنی انتقام :

و لکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب

لیکن یہ انتقام توپ و تفنگ کے ذریعے سے نہیں لیا جائے گا ، بلکہ بنکوں ، یونیورسٹیوں اور اقتصادی جد و جہد کی وساطت سے ۔ ہم کو امید رکھنی چاہیے کہ جہاں پناہ کا عہد اس انتقام کا دیباچہ ہوگا ، اور اسلام پھر کھوئی ہوئی عظمت و جلالت کو پائے گا ، بحق حضور سرور کائنات ، علیہ افضل التحیات ۔“

---

۱ ۔ عبدالحمید : زمیندار گولڈن جوبلی نمبر لاہور ، جنوری ۱۹۵۳ع ، ص ۲۹ ، از ڈائری ظفر علی خاں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہماری گزارش ختم ہو چکی ، تو فرمایا ۔ ''میں مسلمانان ہند کا جنھیں اخوت اسلامی کے رشتے نے میرا بھائی بنا رکھا ہے ، دل و جان سے ممنون ہوں ۔ انھوں نے آڑے وقت میں ہمارا ہاتھ بٹایا ، مصیبت کے وقت کام آئے ، میرا دلی شکریہ اُن کی محبت آمیز ہمدردی کے لحاظ سے اُن تک پہنچا دو — میں خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں ، کہ وہ اپنی رحمتیں اور برکتیں ہندوستان پر نازل کرے ۔''

آگے چل کر مولانا نے اپنی ڈائری میں یوں لکھا ہے کہ ''اعلیٰ حضرت نے یہ الفاظ ایسے رقت آمیز لہجہ میں ارشاد فرمائے کہ ہمارا دل بھر آیا ، اور آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے ، ہم نے بڑھ کر عرض کی کہ جہاں پناہ ! اگر اجازت عطا فرمائیں ، تو کمترین اپنے کروڑوں ہم وطنوں کی طرف سے حضور کے دست اقدس کو بوسہ دینے کا شرف حاصل کرے ۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ، کہ تقبیل کی تو اجازت نہیں ہے ، البتہ سنت فخرالمرسلین کے اتباع کو مدنظر رکھتے ہوئے میں مصافحہ کروں گا ۔ یہ کہہ کر حضور انور نے اپنا دست مبارک بڑھایا اور مصافحہ سے ہماری اور مسلمانان ہند کی عزت کو دوبالا کر دیا ۔''

آخر میں حضور نے فرمایا ، کہ مجھے تم سے مل کر نہایت خوشی حاصل ہوئی ، اور تمہارے خیالات سے میں نہایت محظوظ ہوا ، یہ ارشاد فرما کر لطفی بے کو ارشاد فرمایا ، کہ ''انھیں لے جاؤ ، اور قہوہ پلاؤ ۔'' یہ رخصت کا اشارہ تھا ۔ اعلیٰ حضرت تو محل میں تشریف لے گئے ، اور ہم ان دل پزیر ، اور دل آویز یادگاروں کو دل میں جگہ دیتے ہوئے ، قہوہ اور شربت پینے کے بعد یلدیز کوشک محل سے رخصت ہوئے ۔''

مولانا نے اس باریابی کے دوران ایک فارسی قصیدہ بھی پیش کیا تھا ۔ و ھو ھذا :

بنظر انور زمان صدر صفہ شہریاری و مہر سپہر تاجداری خاقان ابن الخاقان سلطان بن سلطان شہنشاہ بحر و بر خادم الحرمین الشریفین امیرالمومنین خلیفۃ المسلمین اعلیٰ حضرت سکندر شوکت سلیمان حشمت محمد خان خامس مدظلہ العالی خلد اللہ ملکہ ، افاض علی العالمین برہ و احسانہ :

بہ سلطان از غلامانش ہمیں یک التجا باشد
کہ ما در پائے او باشیم او در چشم ما باشد

خلافت مدعا جوید ، کہ ما از آن سلطانیم
اخوت برملا گوید ، کہ او از آن ما باشد

———

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ز دست رفت اگر رومیلیا ، دل بد مکن شاہا
بدست آوردۂ ملکے کہ باجش آسیا باشد

مسخر کشور دل را نمود اقبال سلطانی
همی نازیم جانہا را کہ در راہت فدا باشد

بیک جنبش گر ابرویت اشارت می کند ما را
ز مشرق تا بہ مغرب صد قیامت رونما باشد

ہلال او بدر شد ، کاهیدنش لازم بود اما
خوش آن کاهش کہ صد افزولیش الدر قضا باشد

حذر اے دشمنان ملت بیضا ازاں ساعت
کہ در دست امیر ما لوائے مصطفیٰ باشد

حدیث انتم الاعلون از یادم نخواہد رفت
محال است این کہ مغلوب خیر الوری باشد

اگر خولش حیات تازہ بخشد ، جسم مذہب را
بخون غلطیدن ملت بکیش ما روا باشد

پیام الفت از دہلی بہ استنبول آوردم
مثال بوئے گل هستم کہ بر دوش صبا باشد

(کمترین وابستگان دامن خلافت ظفر علی مدیر جریدۂ زمیندار) - ۱۳ رجب ۱۳۳۲ھ/۲ جون ۱۹۱۳ع[1] -

انھوں نے قسطنطنیہ سے واپسی کے بعد مصر میں وہاں کے علما سے ملاقاتیں کیں جن میں علامہ سید رشید رضا مدیر ''المنار'' کا اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے - اسی دوران یہ اطلاع ملی کہ حمیدیہ جہاز کے شہرۂ آفاق کپتان غازی رؤف پاشا اسکندریہ میں موجود ہیں - آپ نے غازی ممدوح کو خط لکھا ، جس میں ملاقات کی آرزو کا اظہار تھا - غازی موصوف نے جواب میں لکھا کہ میرا جہاز ''سوئز'' میں ہوگا - آپ تشریف لائیے ، مجھے آپ سے مل کر بے حد مسرت ہوگی - چنانچہ مقررہ وقت پر آپ نے غازی موصوف اور جہاز کے سٹاف سے

---

۱ - حوالہ سابقہ از ڈائری مولانا ظفر علی خان ، نقل کردہ عبدالحمید خان ، زمیندار لاہور گولڈن جوبلی نمبر ، جنوری ۱۹۵۲ع -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملاقات کی ، وہیں نماز مغرب بھی ادا کی، رؤف پاشا نے آپ کو وہ توپ دکھائی، جس کے ذریعے حمیدیہ جہاز اطالوی فوجوں پر گولہ باری کر کے واپس آ رہا تھا ، تو مولانا نے (انتہائی جوش محبت میں) اس توپ کو بوسہ دیا ۔ رخصت کے وقت غازی رؤف پاشا نے اپنا اور حمیدیہ جہاز کے سٹاف کا فوٹو پیش کیا ۔

جولائی ۱۹۱۳ع میں آپ بمبئی پہنچے - یہاں آپ کا پرجوش خیر مقدم ہوا ۔ بمبئی سے دلی آئے تو استقبال کرنے والوں کے ہجوم کی اتنی کثرت تھی ، کہ ایک نوجوان اس ہجوم میں کچلا گیا ، اور اسی وقت جاں بحق ہوگیا ۔ مولانا نے جب اس کی ماں سے اظہار افسوس کیا ، تو اس خاتون نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنے جذبات عقیدت کا اس طرح اظہار کیا کہ ”ایسے ہزار فرزند بھی اگر اسلام کی راہ میں قربان ہو جائیں ، تو مجھے کوئی فکر نہیں“ ۔ اس واقعے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ممالک اسلامی کے تحفظ کا خیال کرنے والوں کے متعلق ہندوستان میں کیا جذبات تھے ۔

مولانا الطاف حسین حالی نے انھیں تار دیا تھا ، کہ ”وہ راستے میں پانی پت ٹھہریں ، تاکہ میں ایک نظم پڑھوں“ ۔ لیکن ظفر علی خاں سیدھے لاہور پہنچ گئے ، تو حالی نے ۳ اگست کو وجاہت حسین جھنجھانوی کو خط لکھا ، کہ مولانا ظفر علی خاں کی سفر مغرب سے واپسی پر میری طرف سے مبارکباد دیجیے ۔ میں نے انھیں تار دیا تھا ، کہ وہ راستے میں ٹھہریں ، لیکن ہمارے واجب التعظیم مسافر بالا بالا ہو کر لاہور پہنچ گئے (گویا وہ ۳ اگست تک لاہور پہنچ چکے تھے)[1] ۔

حادثۂ کان پور:

وہ ابھی یہاں پہنچے ہی تھے، کہ ۱۳ ماہ اگست ۱۹۱۳ع کو مسجد کان پور کا حادثہ پیش آیا ، جہاں سڑک کو سیدھا کرنے کے لیے مسجد کے غسل خانے کو منہدم کر دیا گیا تھا ، اور مزاحمت کرنے پر بے گناہ مسلمان بچوں ، نوجوانوں

---

۱ ۔ چودھری غلام حیدر (از مسودہ — ظفر الملت) غیر مطبوعہ ۔ ۱۹۶۸ع میں موصوف نے از راہ کرم پورا مسودہ مجھے مطالعے کے لیے عنایت فرمایا تھا ۔ افسوس کہ وہ اس وقت بصارت سے محروم تھے اور اب مرحوم بھی ہو گئے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بوڑھوں کا خون سیل رواں کی طرح بہا دیا گیا — کوئی غیرت مند اور اسلام کا شیدائی ایسا نہ تھا، جو اس واقعے پر تڑپ نہ اٹھا ہو، اور تحریر و تقریر کے ذریعے اپنے جذبات غم کا اظہار نہ کیا ہو — مولانا شبلی نے بھی ایک دل گداز نظم اس واقعے سے متاثر ہو کر لکھی، جس نے ہر مسلمان کا کلیجہ برما دیا :

پہلا شعر : کل مجھ کو چند لاشۂ بے جاں نظر پڑے
دیکھا قریب جا کے تو زخموں سے چور ہیں

آخری شعر : پوچھا جو میں نے کون ہو تم ؟ آئی یہ صدا
ہم کشتگان معرکۂ کانپور ہیں

مولانا ظفر علی خاں کب خاموش بیٹھنے والے تھے، انھوں نے اپنی تقریروں اور اخبار کے ذریعے اس دردناک واقعے پر اپنے تاثرات کا اظہار جس شدت سے کیا، اس سے حکومت بوکھلا اٹھی ۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ع کو زمیندار کی ضمانت ضبط ہوئی، ان کو اپنی گرفتاری کی تیاری کا پتہ چل گیا ۔ چنانچہ وہ نہایت خاموشی سے ۲۷ ستمبر ۱۹۱۳ع کو دوبارہ عازم ولایت ہو گئے ۔ اس پریس ایکٹ کے خلاف مولانا اختر علی اور چودھری غلام حیدر اپیل کرنے کلکتہ گئے، ایک مشہور انگریز وکیل کیا ۔ لیکن اپیل خارج ہوگئی ۔

لندن پہنچ کر انھوں نے انڈین پریس ایکٹ کے خلاف ایک کھلا خط وزیر ہند کو لکھا ۔ مختلف اراکین پارلیمنٹ سے ملے، اسی زمانہ میں ان کا ایک اور خط ایڈیٹر کامریڈ (مولانا محمد علی) کے نام بھی شائع ہوا ۔ جس سے وہاں کی سرگرمیوں کا حال لوگوں کو یہاں معلوم ہوا، کہ انھوں نے وہاں قانون مطابع ہند کے خلاف کیا کیا کام کیے ۔ وہاں وہ کر دو اہم کام کیے ۔

۱ ۔ ہندوستان کی سیاست پر انھوں نے تقریباً تین سو صفحے کی ایک کتاب لکھی جس میں برطانیہ کی سخت گیرانہ پالیسی پر سخت تنقید کی تھی ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا ایک ٹائپ شدہ نسخہ یا نسخے انھوں نے وزیر ہند اور دوسرے اراکین پارلیمنٹ کے پاس بھیجا ہو یا بھیجے ہوں[1] ۔ یہاں کافی عرصہ قیام کے دوران ان کے سیاسی نقطۂ نظر سے برطانیہ کے اہل حل و عقد بھی واقف ہوئے ۔

---

۱ ۔ یہ مسودہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے ۔ میری اطلاع کے مطابق یہ مسودہ شیخ کرامت اللہ مولف آئینہ گجرات کے ذریعے سردار فضل کریم سابق ڈپٹی کمشنر گجرات تک پہنچ گیا ۔ اور ان کے پاس موجود ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظر بندی :

۵ اکتوبر ۱۹۱۳ع میں (ایک سال کے بعد) واپس آئے - یہاں پہنچ کر کوئی مستقل کام شروع نہیں کیا تھا ، کہ فوراً ہی نظر بندی کا المناک حادثہ پیش آ گیا - آپ نے دسمبر ۱۹۱۳ع میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ٹالسٹن کی وساطت سے حکومت کے نام خط لکھا ، جس میں اخبارات پر سیاسی معاملات کے متعلق زیادہ سختی نہ کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا - حکومت کی نگاہ میں ان کے دو مرتبہ ترکی کے دورے پہلے ہی سے کھٹک رہے تھے ، اسی لیے دوسری مرتبہ آنھیں مصر آترنے کی اجازت بھی نہ ملی تھی - بین الاقوامی حالات جنگ کی طرف جا رہے تھے ، ترکوں کا رجحان پوری طرح جرمنی کی طرف تھا ، اس لیے مولانا جیسا آتش بیان مقرر اور صحافی جس نے انڈین پریس کے خلاف لندن میں بیٹھ کر کام بھی کیا ہو اور اراکین پارلیمنٹ سے اس مسئلہ پر گفتگو بھی کی ہو ، آسی موقع پر آن کی گرفتاری کی تیاری کر لی گئی تھی، اب جونہی یہ خط ڈپٹی کمشنر کو ملا، آس نے لکھا کہ آپ مجھ سے کوٹھی پر ملیے- آپ نے فوراً اپنے چھوٹے بھائی چودھری غلام حیدر کو بھیجا - انھوں نے واپس آ کر بتایا ، کہ وہ صرف آپ سے ملنا چاہتا ہے - آپ وہاں پہنچے ہی تھے ، کہ فوراً نظر بندی کا حکم دکھا دیا گیا - موٹر میں بٹھا کر شاہدرہ پہنچا دیا گیا ، جہاں سے ریل کے ذریعے کرم آباد اپنے وطن (تحصیل وزیر آباد) میں نظر بند کر دیا گیا -

حکومت کے نظریے کے مطابق مولانا ظفر علی خاں کا بھی تعلق ہندوستان کے دہشت پسندوں میں سے تھا - وہ چونکہ شعلہ بیان مقرر تھے ، اور زمیندار نے کھل کر ترکوں کی حمایت میں حصہ لیا ، اور معرکہ کانپور میں بے گناہ لوگوں پر گولیاں چلائی جانے کے متعلق زمیندار میں باقاعدہ حکومت کے خلاف مہم جاری کر دی گئی تھی ، گویا زمیندار مسلمانوں کی نمائندگی کر رہا تھا ، اس لیے آن کا شمار بھی دہشت پسندوں میں کیا گیا - اگرچہ ملک لال خاں کا بیان اس سے مختلف ہے کہ ہندوستان میں ”دہشت پسندی کی تحریک کا براہ راست آن سے کوئی تعلق نہیں تھا“ -[1]

---

۱ - بقول ملک لال خاں بموقع انٹرویو ۱۹۶۹ع ”اس تحریک کا بانی ڈاکٹر عبدالکریم (فارغ التحصیل کلکتہ یونیورسٹی) ، جو بنارس یونیورسٹی میں ملازم ہو گیا تھا، شیخ الاسلام کے مالٹا میں اسیری کے زمانے میں ایک تحریک چلی تھی، کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو امام الہند بنایا جائے ، تاکہ تحریک عدم تعاون

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک ترکوں کے قبضے سے بہت سے علاقے نکل چکے تھے۔ مقدونیہ ، البانیہ ، تھرایس کا بہت بڑا حصہ ، کریٹ ، قبرص اور کئی دوسرے جزائر — یہ اتنے نقصانات تھے کہ اُن کے نصف اور چوتھائی سے ایک ایک سلطنت بن سکتی ہے اور ترکی کے ہاتھ سے ہر ملک کا نکل جانا، مسلمانوں کے لیے ناسور تھا، جو ناممکن العلاج بیماری تھی ۔ اب جنگ اول ۱۴-۱۸ء کے درمیان نئے اندیشے ہوئے۔ جزیرۃ العرب ، اماکن مقدسہ اور تحفظ خلافت یہ سب ایسے امور تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جغرافیائی حدود کے بغیر ہر مسلمان سے محبت کی ہے، اور اسی لیے دنیا کے کسی حصے میں مسلمان کو تکلیف پہنچے ، تو یہ اُس کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے ، اور اماکن مقدسہ سے محبت اس کی زندگی کا جزو ہے ۔ اسی لیے اس کا دعوی تھا کہ پورا جزیرۃ العرب جس میں شام ، عراق ، حجاز ، فلسطین شامل ہے خلیفۃ المسلمین کی سیادت میں رہنا چاہیے ۔ (اسی لیے) ترکوں کی شکست سے ہر مسلمان سراسیمہ تھا ، اور مولانا ظفر علی خاں تو خود جا کر ان تمام حالات کو دیکھ آئے تھے ، اس لیے ترکوں کے ساتھ اُن کی ہمدردیاں جس قدر زیادہ ہو سکتی تھیں ، وہ اظہر من الشمس ہیں ، اسی سبب سے ہندوستان کا مسلمان پوری طرح بغاوت پر آمادہ تھا ، اور اس کی پوری ہمدردیاں اسلامی ممالک کے ساتھ وابستہ تھیں ۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کو موثر انداز میں کامیاب بنایا جاسکے ۔ لیکن اس کے لیے سرحد کے لوگوں کی تائید ضروری تھی ، چنانچہ وہ (ڈاکٹر) سرحد میں دوائیں لے کر گیا ، اور خفیہ تحریک کے ذریعے اُس نے لوگوں سے دستخط لیے ، اور ایک تکیے میں جس میں سیمبل کی روئی بھری ہوئی تھی ، چھپا کر لایا ۔ وہ بھی کسی ہدایت پر گوجرانوالہ آیا ، اور ملک لال خاں کے پاس بھی دو رات قیام کیا ۔ وہاں سے مولانا عبدالقادر قصوری کے پاس آیا ۔ وہ ان دستخطوں کو مولانا ابوالکلام آزاد تک پہنچانا چاہتا تھا کہ راستے میں پکڑا گیا ۔ در اصل ریشمی رومال کا بانی وہی تھا ۔ یہ رومال اس نے کیمیکل طریقے سے بنایا تھا کہ تحریریں پڑھنے میں نہ آ سکیں ۔ یہ سکیم مولانا حسین احمد کو بھی معلوم تھی ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے وہ مجاہد جو سرحد پار کر گئے تھے ، اُن کے ساتھ بھی رابطہ رہا ہو ۔ اس طرح مالٹا سے لے کر کلکتہ تک اس خفیہ تحریک نے کام کیا ۔ لیکن یہ سکیم بروئے کار نہ لائی جا سکی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرفتاری کا پس منظر :

موجودہ گورنر سر مائیکل اڈوائر حیدر آباد میں بھی ریذیڈنٹ رہ چکا تھا ، اور مولانا ظفر علی بہر حال سیاسی سر گرمیوں کے سبب حیدر آباد سے نکالے گئے تھے ، بلکہ یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ وہ حیدر آباد دکن کو ایک خود مختار سلطنت بنانا چاہتے ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ سر مائیکل کو بھی خاص طور سے بازوئے شمشیر زن (پنجاب) کے علاقے میں اسی لیے بھیجا گیا ہو ، کہ وہ مسلمانوں کی سیاسی تحریکات کو خاص طور سے دبائے ۔ چونکہ مولانا ظفر علی خاں نے حیدر آباد سے آ کر سیاسی تحریکات میں پورا حصہ لیا ، اسی لیے سر مائیکل کی نظر کرم مولانا پر زیادہ رہی—چنانچہ اپنی کتاب میں (سر مائیکل نے) چار واقعات کا خاص طور سے ذکر کیا ہے :

(۱) ہندوستان سے طبی مشن کی واپسی پر ترکی قونصل کا شاہی مسجد کے لیے قالین لانا ۔

(۲) ترکی کے طبی مشن کے دو ڈاکٹروں کا خاص طور سے مولانا ظفر علی سے ملنا ، اور خفیہ ملاقاتیں بھی کرنا ۔

(۳) لندن میں مولانا کا پریس ایکٹ کے خلاف پر زور احتجاج ۔

(۴) لندن کے بعد ترکی کے دورے[۱] ۔

اس نظر بندی کے دوران ڈیڑھ سال بعد جنوری ۱۹۱۶ء میں انھوں نے سر مائیکل اڈوائر کی گورنمنٹ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ، کہ یا تو انھیں نظر بندی سے رہا کیا جائے ، تاکہ وہ ذریعۂ معاش کے لیے کوئی تدبیر کر سکیں ۔ اسی ضمن میں انھوں نے یہ بھی لکھا تھا ، کہ ”اگر میں آزاد کر دیا جاؤں ، تو میرا ارادہ ہے کہ شکر سازی کا ایک کارخانے وسیع پیمانے پر قائم کروں ، جس کی کامیابی کے لیے اس جنگ نے دروازہ کھول دیا ہے“ ۔

گورنمنٹ کی طرف سے آن کی عرض داشت کے جواب میں بصراحت لکھا گیا ، ”جب آپ اخبار جیسی شے سے قطع تعلق کرنے ، اور جلسوں کے انعقاد

---

۱ ۔ سر مائیکل اڈوائر : (India As I know It) بحوالہ اشرف عطا ۔
دیکھیے ، سر مائیکل ایڈوائر (از ۵ مئی ۱۹۱۳ء تا ۵ مئی ۱۹۱۹ء) گورنر پنجاب پر تفصیلی روشنی از ڈاکٹر عاشق بٹالوی ۔
”اقبال کے آخری دو سال“ طبع اقبال اکیڈیمی ۱۹۶۱ء کراچی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اُس میں تقریریں کرنے سے محترز رہنے پر آمادہ ہیں ، تو بعد حصول آزادی ، آپ اپنی زندگی کس طرح گزاریں گے ، اور ملک کی حیات عامہ کے ساتھ ، اُس کا بلحاظ اُس کی سرگرمیوں سے کیا تعلق ہوگا[1] ۔"

مولانا ظفر علی خاں نے جواب میں لکھا، "چونکہ زمیندار، اور اس کے پریس بند ہو جانے سے ایک قیمتی کارخانہ بیٹھ گیا ہے اس کے علاوہ ضبطی ضمانت اور پریس کی شکل میں میری جیب سے تیس ہزار روپیہ خزانہ سرکاری میں داخل ہو چکا ہے ، اس لیے اس کام کو چلتا کرنے کے لیے اگر گورنمنٹ بیس ہزار روپیہ مرحمت فرمائے ، تو اُس کی عین نوازش ہو گی[2] ۔"

لیکن اس خط کے ضمن میں اُن کا ایک اور فقرہ برطانوی سیاست پر تبصرہ تھا ، اور وہ تبصرہ اس قدر ذومعنی تھا ، کہ جس نے آگے چل کر بعض حلقوں میں غلط فہمیاں بھی پیدا کر دی تھیں ۔ کہ "اس بات کی ضمانت کہ جو وعدے میں نے اخبار نویسی سے دستکش ہونے ، اور مجالس عامہ میں تقریروں سے محترز رہنے کے بارے میں کیے ہیں ، ان پر قائم رہوں گا ، اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس ملک میں گورنمنٹ کی رائے کی مزاحمت یا مخالفت کرنا ناممکن ہے ، جہاں قدم قدم پر شبہات سنگ راہ ہوں ، اس سے زیادہ اطمینان کوئی کیا دلا سکتا ہے ۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسی ضمانت اور ایسا اطمینان برطانوی شہنشاہیت کے اس تصور کی توہین ہے ، کہ استعاری سیاسیات میں انگلستان کا کفیل زور شمشیر نہیں ، بلکہ تالیف قلب ہے ۔ کاش کہ سر مائیکل ایڈوائر اس بات کو باور فرمائیں کہ برطانوی شہریت کے گراں مایہ حقوق سے تمام دوسرے ابنائے وطن کا حصہ دوران جنگ میں ، یا اُس مزید مدت کے لیے (جیسے سر مائیکل ایڈوائر تجویز فرمائیں) برضا و رغبت خود دست کش ہونے سے مجھ پر کسی خوف نے اثر نہیں ڈالا ، بلکہ یہ عقیدہ میرے اس فیصلہ کا محرک ہوا ہے کہ میرا ایثار گورنمنٹ کے کام آئے گا ، کہ اس ملک کے لیے کسی نصب العین کا قائم کرنا صرف اُسی کے دست اقتدار میں ہے ۔

اس خط کے جواب میں گورنمنٹ کی طرف سے لکھا گیا ۔ "آپ کے خط کا ایک حصہ سیاسی مباحث سے بھرا ہوا ہے ، اور اس کے اس حصے سے مذاق فاسد کی بو آتی ہے[3] ۔"

---

۱ ۔ مجلہ نقوش خطوط نمبر ۲ ، خط مولانا ظفر علی خاں بنام مولانا عبدالباری ندوی لکھنوی طبع اپریل ، مئی ۱۹۶۸ء لاہور ۔

۲ ۔ ایضاً ۔

۳ ۔ ایضاً ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اس تلخ گفتگو کے قابل اعتراض فقرات انھیں واپس لینے پڑے، اور چونکہ گورنمنٹ نے کارخانہ شکر سازی کے قیام کو ناقابل عمل قرار دیا تھا، اس لیے انھوں نے دوبارہ اس امر کی خواہش کی کہ ایک دائرۃ المعارف قائم کیا جائے، جس کا مقصد یہ ہو کہ اردو زبان میں انگریزی، عربی، فارسی کی چوٹی کی عام پسند کتابوں کا ترجمہ کیا جائے، تو اس سے ایک بڑی ضرورت پوری ہوگی، اور مجوزہ دائرۃ المعارف ارباب فضل و کمال کے لیے علمی سرگرمیوں کا ایک وسیع باب کھول دینے سے صحیح ادبی، علمی مذاق کی نشو و نما میں حصہ لے گا، اور ملک کو اس سے بڑے تعلیمی فوائد حاصل ہوں گے۔ اور گورنمنٹ کی تھوڑی سی امداد سے وہ جلد اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے گا۔"

گورنمنٹ کی طرف سے اس امر کی اجازت مل گئی[1]۔ انھوں نے گورنمنٹ کو لکھا، "لیکن چونکہ کرم آباد کی تنگ اور دنیا سے الگ تھلک آبادی ان تمام آسانیوں سے محروم ہے، جو کتب خانہ یا حوالہ جات علمیہ کے لوازم کی شکل میں اس تجویز کی کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔ مجھے اپنا ایک مددگار بھی رکھنا پڑے گا، ایک دو اہل کاروں کی بھی ضرورت ہوگی، جو خط و کتابت کا کام سر انجام دیں۔ اور یہ سب کچھ روپیہ کا محتاج ہے۔ موجودہ پابندی کی حالت میں اپنی طرف سے تا بہ حد امکان اس تجویز پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کروں گا، لیکن چاندی کی کڑاہی کے بغیر علمی گلگلے نہیں تیار ہو سکتے[2]۔"

۱۔ حوالہ سابقہ۔

۲۔ انھوں نے اپنے ایام نظر بندی پر خود اپنی نظم کے ذریعے یوں تبصرہ کیا ہے:

کرم آباد کو سر مائیکل نے
بنایا ہے مری علمی حوالات

اگر اس وقت میں آزاد ہوتا
دکھا سکتا نہ شاید یہ کمالات

پرو سکتا نہ موتی رور ایسے
چمک سے جن کی ہیں شمس و قمر مات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے ایک خط میں مولانا عبدالباری ندوی صاحب سے بھی اس امر کی درخواست کی ، کہ وہ اس علمی کام کے لیے راجہ سر علی محمد خاں والی محمود آباد کی توجہ بھی منعطف کرائیں ، تاکہ آن (مولوی صاحب) کا ناخن تدبیر اس مقدمے کی آخری گرہ کو کھول سکے ۔

انھوں نے راجہ سر علی محمد خاں سے قومی کشتی کے ناخدا سمجھتے ہوئے یہ توقع رکھی تھی ، کہ اگر مولوی عبدالباری ندوی صاحب کی مساعی شامل حال رہیں ، تو آن کی توجہات سے اس مجوزہ پروگرام سے بہت فائدہ پہنچے گا ۔ اس کام کے لیے آنھیں پانچ ہزار روپیہ کی (بطور قرضہ حسنہ کے) ضرورت تھی ، آن کی تجویز تھی کہ ''اسی سلسلے میں دائرۂ تراجم شرقیہ کے علاوہ کسی دوسری سود مند تجویز کی ذیل میں ایک ہفتہ وار علمی رسالہ بھی آ جاتا ہے ، جس میں سیاسیات کو چھوڑ کر باقی ہر موضوع ہر سبق آموز اور بیش افروز مضامین لکھے جا سکتے ہیں ، عمدہ کتابوں پر ریویو کیا جا سکتا ہے ، جو کتابیں قابل ترجمہ ہوں ، آن کے مترجمین کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے ضروری مواد درج کیا جا سکتا ہے ۔ گویا یہ رسالہ اس دائرۃ المعارف کا نقیب ہو گا'' ۔[1]

راجہ صاحب محمود آباد آس زمانے میں حکیم اجمل خاں مرحوم کے ساتھ مل کر احیائے طب کے لیے ایک پروگرام مرتب کر رہے تھے، مولانا ظفر علی خاں نے دائرۃ المعارف کی خدمات احیائے طب کے سلسلہ میں پیش بھی کی تھیں ۔ مزید برآں راجہ صاحب نے اس مجوزہ کام (دائرۃ المعارف) کے لیے امداد کا وعدہ بھی کیا تھا ، لیکن یہ وعدہ ایفا ہوا یا نہیں ، اس کا پتہ نہیں چل سکا ۔

بہر حال دائرہ معارف شرقیہ کے لیے گورنمنٹ سے اجازت مل گئی ، اور اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لیے ۱۹۱۷ع کے شروع میں ایک ہفتہ وار

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

نہ ہوتا نعت ہی کا سر میں سودا
نہ دل ہی سے نکل سکتی مناجات

عسیٰ ان تکرھوا شیأً کی تاویل
سجھاتے یوں ہیں قرآں کے اشارات

(بہارستان ، ص ۶۶م)

۱ ۔ حوالہ سابقہ مذکور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادبی رسالے ''ستارۂ صبح" کے نام سے کرم آباد سے نکالنے کی (اجازت) منظوری حاصل بھی ہو گئی ۔

ابھی اس کے سات یا آٹھ شمارے نکلے تھے، کہ وسط سال میں باغ میں چہل قدمی کرتے وقت ایک کتے نے کاٹ لیا ، جس پر دیوانہ ہونے کا شبہ کیا گیا ۔ اسی وقت تار کے ذریعے کسولی جانے کی حکومت سے درخواست کی گئی ، اجازت ملنے پر آپ کسولی تشریف لے گئے ۔ جب علاج سے کافی فائدہ ہو گیا ، تو آپ نے حکومت کو خط لکھا جس میں کسولی کے شفاخانے کے متعلق ایک مبسوط کتاب لکھنے کی اجازت طلب کی گئی تاکہ شفاخانے کے فوائد اور کوائف کا عوام کو اچھی طرح علم ہو جائے ۔

اس خط کے پہنچنے پر سر مائیکل ایڈوائر لفٹیننٹ گورنر نے آپ کو ملاقات کے لیے شملے بلابھیجا ۔ آپ شملے گئے ۔ سر مائیکل نے کہا "آپ نے نظر بندی کے زمانے میں عائد کردہ پابندیوں کا جس طرح احترام کیا ہے ، اس سے ہمیں کامل اطمینان ہوگیا ہے ، اس لیے اب آپ کو پابندیوں سے آزاد کیا جاتا ہے ، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہ لیں ۔"

آپ نے یہ مشروط آزادی قبول کر لی ، لیکن کچھ مدت کے بعد یہ واقعہ بعض اصحاب کی نظر میں بدگمانیوں کا باعث بن گیا ۔ حالاں کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے ، جب ہندوستان میں سیاسی خیالات کی بڑی سے بڑی پرواز صرف آئینی جد و جہد تھی ۔ اگر وہ اس آزادی کے قبول کرنے میں تامل کرتے ، تو بدستور کرم آباد میں نظر بند رہتے ، جہاں حکومت نے کسی خاص جرم کا تعین کیے بغیر آپ کو نظر بندکر رکھا تھا ، اور اب خود ہی مشروط آزادی دے رہی تھی ، اس کے لیے انھوں نے حکومت سے کوئی استدعا نہیں کی تھی ، نہ اس آزادی کی خاطر کسی اصول کو توڑا تھا ، اپنے نظام عمل کے کسی حصے کی خلاف ورزی بھی نہیں کی تھی——اس لیے اس موقع پر دو ہی راستے تھے، پہلا یہ کہ پیش کی گئی مشروط آزادی کو قبول کرلیں ، اور جب تک حالات میں تغیر رونما نہ ہو ، ماحول نہ بدلے اور کبھی سیاسی سرگرمیوں کا موقع نہ ملے ، اس وقت تک ادبی میدان میں خدمات سرانجام دیں ۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ پیش کی ہوئی آزادی کو مسترد کر دیں ، اور ہر طرف سے منقطع ہو کر پہلے کی طرح کرم آباد میں محدود ہو جائیں ۔ اس لیے پہلا راستہ اختیار کر لینا آزادیٔ ضمیر کے خلاف نہیں تھا ۔ اس لیے کہ ستارۂ صبح نکالنے کی اجازت مل گئی تھی ۔ لیکن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آہستہ آہستہ انھوں نے ادبی روش کے ساتھ ادبی مباحث کا نیا رخ اختیار کرلیا ۔ ستارۂ صبح میں جو مضامین نکلنے شروع ہوئے ، وہ طریقت کے خلاف بھی تھے اور قادیالیت کے خلاف بھی تھے ۔ ان مضامین پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا ۔ لہذا پھر انھی واقعات کے سبب انھیں پنجاب چھوڑ کر حیدر آباد جانا پڑا ۔

وہ خود اس سلسلے میں لکھتے ہیں :

"سر مائیکل ایڈوائر لفٹیننٹ گورنر پنجاب کی ستم پیشہ ملوکیت نے "زمیندار" کو سیندور کھلا رکھا تھا ، اور مجھے نیم نظر بندی کی حالت میں اپنا ادبی شوق پورا کرنے کے لیے روز نامہ ستارۂ صبح کی ادارت کے فرائض انجام دہی کی اجازت دے رکھی تھی ۔ سیاست ان ایام میں میرے لیے شجر ممنوعہ کا حکم رکھتی تھی ، اور ستارۂ صبح کے اوراق صرف غیر سیاسی مضامین کے لیے وقف ہونے پر مجبور تھے ۔ تاریخ ، فلسفہ ، اقتصادی معاشرت ، مذہب اور ادب لطیف وہ موضوع تھے ، جن سے میں اپنا دل پرچا سکتا تھا ، میں نے اس کو ہی غنیمت جانا ، اور ارباب ذوق سلیم کے لیے علم و حکمت کی ایک بستی بسا دی جس کے بام و در کتاب اور سنت کی روشنی سے جگمگا اٹھے ، نقلی صوفیوں اور جھوٹے پیروں کا پول ستارۂ صبح میں اس طرح کھولا گیا ، کہ دنیائے طریقت کے بر خود غلط رہنما چیخ اٹھے ۔ چنانچہ میرے خلاف بزرگوں نے ایک وسیع پیمانے پر سازش کی ، جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح میں ان کے رستہ سے ہٹ جاؤں ۔ پہلے تو لاہور میں ایک دھوم دھامی جلسہ کیا ۔ جس میں مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا ، جو اب تک واپس نہیں لیا گیاہے ، اس پر بے اختیار میرے منہ سے نکلا :

کوئی ٹرکی لے گیا ، اور کوئی ایران لے گیا
کوئی دامن لے گیا ، کوئی گریباں لے گیا

رہ گیا تھا نام باقی اک فقط اسلام کا
وہ بھی ہم سے چھین کر حامد رضا خاں لے گیا[1]

اس کے بعد ایک میموریل تیار کیا گیا تھا ، جس پر طول و عرض ہند کے پیروؤں اور صوفیوں ، اور سجادہ نشینوں کے دستخط ثبت تھے ۔ اس میموریل میں حکومت پنجاب سے استدعا کی گئی تھی ، کہ کسی طرح میرا

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفاء (خود نوشت سوانح عمری) ، زمیندار اپریل ۱۹۲۸ع لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منہ بند کیا جائے ۔ یہ اسی میموریل کا نتیجہ تھا کہ مجھے پنجاب چھوڑنا پڑا ۔ اور کچھ عرصے کے لیے حیدر آباد جا کر اعلی حضرت میر عثمان علی خاں کے دامن دولت میں پناہ لینی پڑی ۔ اگرچہ حیدر آباد میں بھی حریفوں نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا ، اور مجھے اس گوشۂ عافیت کو بھی چھوڑ کر پنجاب کا رخ کرنا پڑا ، جہاں نئی بلائیں میرے استقبال کو موجود تھیں ، لیکن یہ ایک جداگانہ داستان ہے[۱] ۔"

ذیل کی نظم میں انھی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

ڈرا رہے ہیں وہ اپنے میموریل سے مجھے
ستارہ صبح کا ہوں، ڈر ہو کیا زحل سے مجھے

ملی ہیں دین محمدی کی سرمدی دولت
یہ زندگی ہو تو کیا خوف ہے اجل سے مجھے

جگر کے راز سے آنکھ آشنا ہوئی بھی نہیں
نکالنا ابھی طوفان ہے اک ، بغل سے مجھے

(نگارستان ص ٦٥)

کہا گیا ہے کہ ایڈوائر نے نظام حیدر آباد کو لکھا تھا کہ " آپ انھیں حیدر آباد بلوا لیں" ۔ یہ طلبی اسی اشارے کے تحت تھی ۔ ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ ع کو میں اعلی حضرت کی طلبی پر دہلی پہنچا ۔ شرف بار یابی حاصل کیا ۔ ذیل میں ایک نظم میں اپنے تاثرات کو پیش کیا ہے :

میں بھی پہنچا تو وہاں تک ہوں ، مگر لذر ہو کیا
بڑی مشکل ہے یہ مجھ بے سر و ساماں کے لیے

بادشاہی اسے حاصل ہے ، فقیری مجھ کو
تحفہ کیا لے کے گدا جائے گا سلطاں کے لیے

ایک دولت مرے دامن میں ہے لیکن موجود
دین اسلام کے اس حامیٔ ذی شاں کے لیے

دل ناشاد میں ہے ملت بیضاء کی تڑپ
وہی لایا ہوں میں عثمان علی خاں کے لیے

(نگارستان ص ٦٥)

---

۱ ۔ ظفر علی خاں : ازالۃ الخفاء (ذاتی حالات) نوشتہ اپریل ۱۹۲۸ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام حیدر آباد دہلی سے علی گڑھ آئے ، شاعر نظام دکن کی علی گڑھ تشریف آوری پر مسرور ہے کہ اُن کی آمد کو علی گڑھ کی قسمت کا جاگنا کہتا ہے

اے علی گڑھ بخت ہوتا ہے ترا بیدار آج
تیرے گھر آیا ہے چل کر قوم کا سردار آج

تیری قسمت کی گرہ کھلنی تھی ، آخر کھل گئی
ہو گیا آسان تیرا عقدۂ دشوار آج

صحن کالج روکش۔ چرخ کواکب ہو گیا
ہو گئے پیش نظر سب ثابت و سیار آج

بمقام علی گڑھ — ۱۸ فروری ۱۹۱۸ء

بہر حال ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو (مولانا) ظفر علی خاں دلی میں نظام حیدرآباد سے ملے ، وہاں سے علی گڑھ تک ساتھ گئے اور اس سفر سے واپس آئے ۔ اغلباً اُن کو نظام کی طرف سے عثمانیہ یونیورسٹی میں کوئی عہدہ دینے کا وعدہ کر لیا گیا تھا اس لیے ۲۵ مارچ کو سر محمد اکبر علی نذر علی ہوم سکریٹری کا خط ملا کہ ''اعلیٰ حضرت نے ایک فرمان بدیں مضمون نافذ فرمایا ہے کہ آپ کو حیدر آباد بلا کر سابقہ عہدے پر بحال کیا جائے ، اس عہدہ کی خدمات کے علاوہ آپ سے عثمانیہ یونیورسٹی سے متعلقہ کاموں میں بھی مدد لی جائے گی ۔ پس اس فرمان واجب الاذعان کا امتثال بھیجیے'' ۔

اس لیے وہ (مولانا ظفر علی خاں) ۴ اپریل ۱۹۱۸ء کی شام کو حیدر آباد پہنچ گئے ، اور پرنس ہوٹل میں قیام کیا[۱]۔ وہاں انھیں سوا سو روپیہ ماہانہ کے سابقہ وظیفہ کے علاوہ دار الترجمہ کی طرف سے پانچ سو روپیہ ماہوار کا مزید مشاہرہ ملنے لگا ۔ دو تین ماہ بعد اُن کے فرزند اختر علی خاں بھی حیدر آباد چلے آئے اور محکمہ صنعت میں دو سو روپے پر ملازم ہو گئے ۔ وہ یہاں بہت خوش تھے جیسا کہ انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے :

میں زمیں سے اڑتے اڑتے آسماں پر آ گیا
حضرت شاہ دکن کے آستاں پر آ گیا

لیکن تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ پھر اُن کو مع اپنے فرزند (اختر علی خاں) کے حیدر آباد سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا مگر تنخواہ کا سلسلہ بدستور جاری رہا ، اور اُن کو چھ سو روپیہ ماہوار ، اور اختر علی خاں کو دو سو روپے ماہوار

---

۱ ۔ ستارۂ صبح ، لاہور ، اپریل ۱۹۱۸ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماتے رہنے منظور کیے گئے ۔ اس طرح وہ اکتوبر ۱۹۱۹ع میں حیدر آباد سے واپس آئے ، اور پھر کرم آباد میں مقیم ہو گئے ۔

دسمبر ۱۹۱۹ع میں نظر بندی کی پابندی ختم ہونے کے بعد آپ امرتسر کانگرس کے جلسے میں شریک ہوئے اور ہندو مسلمان لیڈروں کے درمیان دوسرے مسائل کے ساتھ خلافت کے مسئلے پر خصوصی بات چیت کی[1] ۔

خلافت کانفرس و کانگرس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس بھی امرتسر میں منعقد ہوئے ، اس وقت تک بہت سے سیاسی قیدی (جو رولٹ ایکٹ اور مارشل لا کے سلسلے میں ماخوذ تھے) رہا ہو چکے تھے ۔ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی چھندواڑہ جیل سے رہا کر دیے گئے تھے ، اسی لیے امرتسر میں رونق ، ہجوم اور چہل پہل کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا ، کئی روز تک روزانہ لیڈروں کے جلوس نکلتے رہے ۔ پنڈت موتی لال اور حکیم اجمل خان کا اکٹھا جلوس نکلا ۔ پنڈت بال گنگا دھر تلک کا شاندار جلوس نکلا ، اور علی برادران کی تشریف آوری پر تو رونق اور جوش و خروش کا وہ عالم تھا ، کہ خدا یاد آتا تھا ۔ دونوں بزرگوں کے چہرے پر نور داڑھیوں سے آراستہ تھے ۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی ، گاندھی جی ، مولانا حسرت موہانی ، مسز اینی بیسنٹ اور دوسرے اکابر اور علماء بھی امرتسر میں جمع تھے ، کانگرس کا اجلاس بہت زور شور سے ہوا ۔ مسلمان بہت عظیم اکثریت کے ساتھ عدم تعاون کے ہم نوا ہو رہے تھے ، کیونکہ انھیں صرف جلیاں والہ باغ اور مارشل لا کا صدمہ نہ تھا ، بلکہ توہین خلافت اور بربادی سلطنت عثمانیہ اور پامالی مقامات مقدسہ کا بھی صدمہ تھا[2] ۔"

---

۱ - عبدالمجید سالک : سرگزشت ، ص ۱۰۹ ، قومی کتب خانہ ، لاہور ۱۹۶۷ع۔

۲ - اس جلسے کو ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے (گورنر پنجاب کی سخت تنبیہ کے باوجود) مدعو کیا تھا ۔ اپریل ۱۹۱۹ع کو اڈوائر گورنر پنجاب نے امرتسر میں مارشل لاء لگا کر سینکڑوں بے گنہ لوگوں کو بھون دیا تھا ، اس لیے غیر معمولی طور پر جوش و خروش تھا ۔ ۱۹۱۹ع کے مظالم کی تفصیل کے لیے دیکھیے ڈاکٹر بٹالوی کی کتاب 'اقبال کے آخری دو سال'۔ اڈوائر گورنر پنجاب ۵ مئی ۱۹۱۹ع میں جا چکا تھا ۔ اپریل ۱۹۱۹ع امرتسر میں جلیاں والا باغ میں جو نہتوں پر اس نے گولیاں چلوائیں ، سینکڑوں آدمی موت کا شکار ہو گئے اور بوڑھوں ، ضعیفوں کو جانوروں کی طرح سڑک پر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب وہ نظر بندی سے رہائی کے بعد کانگرس کے جلسے میں پہنچے ، تو

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

چلنے کے لیے مجبور کر دیا ۔ اُن کی جگہ سر ایڈورڈ میکلیگن گورنر ہو کر آئے ۔ مولانا ظفر علی نے اپنے تاثرات کا اظہار ۶ فروری اور ۲۷ فروری ۱۹۲۰ء کو یوں کیا ۔

(الف) پہلی نظم مرقومہ ۶ فروری ۱۹۲۰ء :

مارشل لاء کے ایام کی یاد

خواجۂ امرتسر

میں نے امرتسر میں اک دن اپنے خواجہ سے کہا
پیٹ کے بل رینگ لیجے بندہ پرور آپ بھی
ناک سے کچھ دن زمیں پر کھینچتے رہیے لکیر
پھیریئے کونچی سفیدی کی بدن پر آپ بھی
بعد مغرب جائیے مسجد کو اور اس جرم میں
پیٹھ پر کھنچوائیے چابک سے مسطر آپ بھی
بنیے دولھا ، اور نکلیے لے کے گایوں میں برات
دیکھیے ساتھ اُس کے پھر سامان محشر آپ بھی
چلیے سولہ میل دن میں ہانپتے اور کانپتے
پاؤں میں کچھ روز ڈالے رہیے چکر آپ بھی
بسیے جا کر جیل میں ، اور کھائیے ارہر کی دال
مہماں رہیے ذرا سرکار کے گھر آپ بھی
پھر یہ کہیے مارشل لا حشر تک قائم رہے
ورنہ ہوں گے منکر جرنیل ڈائر آپ بھی

یہ نظم اس وقت کہی گئی تھی جب ایک سال قبل اڈوائر گورنر پنجاب جا چکا تھا ۔ اس امر ہی سے مارشل لا کے ظلم و ستم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

(ب) دوسری نظم ۲۷ فروری ۱۹۲۰ء :

قیامت میں کھلا جب نامۂ اعمال ڈائر کا
طراز نامہ تھا نام گرامی اوڈوائر کا
ہلاکو کو عبث تاریخ میں بدنام کرتے ہیں
بچارے نے نہتوں پر دیا کب حکم فائر کا

(بہارستان ، ص ۵۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے وہاں اپنے متعلق یہ بھی محسوس کیا کہ اُن کی وطن دوستی کے جذبے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے، اور اس کا سبب اُن کا وہ طرز عمل بتایا گیا تھا کہ انھوں نے نظر بندی کے دوران حکومت کو اپنے رویہ کے بارے میں خطوط لکھے، جن کا مقصد حکومت کی غلط فہمی کو اپنے متعلق دور کرنا تھا۔ لہذا اس شبہ کو دور کرنے کے لیے انھوں نے کانگرس کے جلسہ میں واشگاف الفاظ میں اُن تمام غلط فہمیوں کی تردید کی، اور وطن کے لیے اپنی کسی قربانی سے دریغ نہ کرنے کا عزم ظاہر کیا۔ اُن کی تقریر کے بعض اہم حصے قابل غور ہیں :

"میرا ضمیر صاف ہے، اور میرا دامن بے داغ۔ میرا عمل، میری سرگرمیاں عوام پر خود بخود ثابت کر دیں گی، کہ اُن کی طرف سے مجھ پر جو الزام لگایا جا رہا ہے وہ بے بنیاد اور جھوٹا ہے، کذب و افتراء پر مشتمل ہے۔ انگریز جس کے نزدیک، میں ہمیشہ سے خار کی طرح کھٹکتا رہا، جس نے ہمیشہ مجھے خرمن استعمار برطانیہ کے لیے برق سمجھا ہے، اُس کا ظلم و تشدد جب مجھے وطن کے مقدس راستے سے ہٹانے میں ناکام رہا، تو اُس نے مجھے عوام کی نظروں سے گرانے کے لیے یہ ذلیل طریقہ اختیار کیا، اور عوام میں پوری طاقت سے یہ مشہور کرنے کی کوشش کی، کہ میں نے برطانوی استبداد کے سامنے گردن جھکا دی ہے، میں نے انگریز کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں، میں نے برطانوی اقتدار اعلیٰ سے معافی مانگ لی ہے۔ اس الزام کے جواب میں 'میں کوئی صفائی پیش نہیں کرنا چاہتا، لیکن صرف، اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جو گردن خدا کے حضور میں جھکنے کی عادی ہے، وہ برطانوی اقتدار کی دہلیز پر کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتی۔ جس جبین نیاز پر توحید کی مہر ثبت ہو چکی ہے، وہ انگریز کے آستانہ جلال پر کبھی جھک نہیں سکتی۔ میری زندگی وطن کی آزادی کے لیے وقف ہے، میرا مقصد حیات یہ ہے کہ یہ گوری چمڑی والے مہذب ڈاکو میری زندگی میں سرزمین ہندوستان سے بوریا بستر لپیٹ کر جس سرزمین سے آئے ہیں، وہیں چلے جائیں[1]۔"

تحریک عدم تعاون :

جون تا اگست ۱۹۲۰ء کے مہینے میں ہجرت کا بہت زور رہا۔ اصلی تحریک

۱۔ اشرف عطا : "ظفر علی خاں"، ص ۷۲، طبع لاہور ۱۹۶۲ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت کا آغاز صوبہ سندھ سے ہوا ، اور یہ تحریک صوبہ سرحد میں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ مقامی علماء کے اثر سے پھیلی -

گویا یہ زمانہ تحریک عدم تعاون کا زمانہ تھا - مولانا ظفر علی خاں بھی ہندوستان کے مختلف گوشوں میں اپنی تقریروں کے ذریعے اس تحریک کو وسیع کرنے میں سرگرم رہے - زمیندار اخبار اپریل ۱۹۲۰ء سے جاری ہو چکا تھا - اب اُن کا دفتر ان تحریکوں کا مرکز تھا - سیاسی لیڈر اکثر اُن کے دفتر میں آتے رہتے تھے ، اس طرح اُن کے دفتر کو پنجاب کے صدر مقام میں ایک اہم حیثیت حاصل ہو گئی - وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاست کے تین بڑوں میں سے ایک تھے یعنی مولانا ابوالکلام آزاد ، مولانا محمد علی اور تیسرے خود مولانا ظفر علی خاں -

مولانا ظفر علی خاں اُس زمانے میں مجلس خلافت پنجاب کے سیکریٹری تھے - رہائی کے بعد انھوں نے مرکزی مجلس خلافت کے تحت مختلف مقامات پر تقاریر کیں ، اور خلافت کے مفہوم کو واضح کیا -

ذیل میں ہم اُن کی تقریر کے اہم اقتباسات درج کرتے ہیں تاکہ یہ مفہوم پوری طرح واضح ہو جائے[1] :

"یورپ کے اہل الرائے جنھیں مالک الملک کی اُن بوجھی مصلحت - ربع مسکون کی تیس کروڑ اسلامی آبادی کی قسمت کا مالک بنا رکھا ہے ، اکثر یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں خلافت کی بین الاقوامی تحریک ایک سیاسی ٹٹی ہے جس کی آڑ میں چند شوریدہ سر ، مفسد شکار کھیل رہے ہیں ، حالانکہ یہ ایک ازلی و سرمدی حقیقت ہے جس کا تصور اسلامی عقائد کے بموجب ابتدائے آفرینش میں قائم ہوا تھا - خلافت مسلمانوں کی عزت ہے ، مسلمانوں کا ایمان ہے ، بقائے ناموس اسلام اسی کے ساتھ وابستہ ہے -

---

۱- نوٹ- "۱۹۱۹ء میں ہندو مسلم اتحاد کا ریلا آیا تھا - ہندو مسلمان دونوں ایک ہی میدان میں سنگینوں ، اورگولیوں کا نشانہ بنائے جا چکے تھے - اپریل ۱۹۱۹ء میں جلیاں والہ باغ امرتسر کا واقعہ اس کا گواہ ہے - اسی پیمان اتحاد کے وقت جامع مسجد دہلی میں آریہ ساجیوں کے مشہور لیڈر سوامی شردھا نند نے مسجد کے مکبر پر کھڑے ہوکر تقریر کی -"
(از محمد علی کی ذاتی ڈائری ، ص ۲۷۶ ، حصہ اول ، عبدالماجد دریا بادی ، طبع ۱۹۵۴ء اعظم گڑھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام اسلام میں جو جامع حیثیات دینی و دنیوی ہے ، خلافت سے مراد روحانی سیادت ہی نہیں ، بلکہ حکومت اور سلطنت کا تصور بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ تصور اس عقیدہ کی ہیئت ترکیبی کا جزو اعظم ہے - لفظ خلیفہ ایک خاص اسلامی اصطلاح ہے ، جو قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوئی ہے ، اور کلام اللہ میں بتا دیا گیا ہے کہ خلیفہ وہ حاکم وقت ہے جو خدا کے وضع کیے ہوئے قوانین کے نفاذ پر مامور ہو ، اور امتثال امر باری کے لیے صاحب قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی ہو - وہ پاپائے روم کی طرح مغربی روحانیت کا محض ایک تمثیلی پیکر نہیں ہے جو اپنے مخالفین کی دراز دستی کے جواب میں تکفیر کی ایک اینٹ یا بد دعا کا ایک ڈھیلا ہی اپنے تقدس کے تھیلے میں سے نکال کر پھینکنے پر مجبور کر دیا گیا ہو - خلیفۂ اسلام کی ذمہ داریاں اس سے بھی زیادہ ہیں - وہ اس گراں مایہ امانت کا خازن ہے ، جو رسول اللہ کی سرکار سے آسے ترکہ میں ملی ہے - اسلام کی سیزدہ صد سالہ روایات کی عظمت کو دستبرد زمانہ سے بچانا اس کا فرض ہے اور ازبسکہ سرکار سرور کونین کے جانشین ہونے کے لحاظ سے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا مقتدا و مطاع ہے - اس کے لیے اگر اسلام خطرے میں ہو ، مسلمان اپنے گھروں سے زبردستی نکالے جا رہے ہوں ، ناموس اسلام کی تذلیل کی جا رہی ہو ، تو ہر وہ شخص جو توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہے ، وہ اپنے عقیدہ کی رو سے مجبور ہے کہ جان و مال سے خلیفۃ المسلمین کی عملی تائید کرے ، ورنہ اس کے جہنم کے بھوبل میں ابدالآباد تک جھلستے رہنے کا یقین کامل ہے - اور کونسی خطا اس خطا سے زیادہ ناپاک ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اُمت میں آگ لگ رہی ہو ، اور ہم مسلمان کہلانے پر اس آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں کا تماشا دیکھا کریں -"

انھوں نے آگے چل کر فرمایا کہ :

"دینی اور دنیوی سلطنت کی جو مسند جناب رسالتمآب[۳] الیوم اکملت لکم دینکم کا آسمانی پیغام سنا کر خالی فرما گئے تھے ، وہ خلفائے راشدین کے بعد بنی اُمیہ کو ملی ، اور امویوں کے بعد عباسیوں کے حصے میں آئی ، دولت عباسیہ کے انتزاع کے بعد 'توتی الملک من تشاء' کے فحوائے یزدانی کے لحاظ سے ۱۵۱۵ء میں ترکان آل عثمان کو اس پر جلال مسند پر بیٹھنے کا شرف عطا کیا گیا ، اور اب تک یہ عزت انھی کا حصہ ہے - اس چار سو چالیس سال کے زمانے میں خلافت کا فرض انھوں نے جس شان اور جاں نثارانہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریق سے انجام دیا ، اس پر تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں ، اور یہی وجہ ہے کہ اجماع اُمت آج تک انھی کی خلافت کے حق میں ہے - یہ سچ ہے کہ اس مدت میں کچھ کوتاہیاں بھی ضرور ہوئیں - اندلس کی عظیم الشان سلطنت اُن کے دیکھتے دیکھتے مٹ گئی ، اور وہ اُس کی مدد کو نہ پہنچے - اسی طرح ایشیا کی متعدد اسلامی سلطنتوں کا چراغ ان کے سامنے گل ہوا ، مگر گرتے ہوئے کو تھامنے کا خیال انھیں نہ آیا - اگر "فتذهب ريحكم" کے نکتہ پر انھوں نے غور کیا ہوتا ، تو آج اُن کے صلیب پرست جانشینوں کو ان حرکتوں کے حوصلے نہ ہوتے ، جس کا نظارہ ہماری آنکھوں سے خون کے آنسوؤں کا خراج وصول کر رہا ہے - لیکن ہمیں اس وقت ان کی کوتاہیوں سے بحث نہیں، بلکہ صرف دولت عثمانیہ کی بدولت مسلمان کو یہ اطمینان قلب میسر ہے کہ اُن کی عبداللہی کی محافظت کے لیے خلافت کی قوت موجود ہے - ان کی مشترکہ حیات قومی کا ایسا مرکز ابھی تک بر قرار ہے ، جس کے صدقے میں وہ غلام ہونے پر بھی آزاد ہیں - وہ یہودیوں کی طرح گھر بار سے نہیں نکالے گئے ، اُن سے سلطنت نہیں چھوٹی گئی ، اُن کا جھنڈا سرنگوں نہیں ہوا -"

یہی وہ خیالات تھے جنھوں نے ایک موقع پر مجھ سے بحیثیت ایک ہندی مسلمان ، اور برطانوی رعایا کے بے اختیار شخص سے کہلوا دیا تھا :

"تجھ سے اے ترکی ہمارا بر قرار اعزاز ہے
تو ہمارے واسطے سرمایۂ صد ناز ہے

گونجتی تھی ، محفل عالم کبھی جس ساز سے
تو اسی ساز بلند آہنگ کی آواز ہے

عشق لندن دل میں ، سر میں سودا استنبول کا
ہم مسلمانوں کی پستی کا یہ اصلی راز ہے"

اب مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لیے اسی قسم کا حیلہ یورپ نے بھی تراش لیا ، کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے ، کوئی دوسری قوم اس سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی - میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ "خلافت اسلامیہ کے لیے سلاطین آل عثمان کے مقابلے میں شریف مکہ جیسے خالہ برانداز چمن کو اُبھارنے والے بزرگوار اگر اس حدیث پر ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں ، تو اس کا مطلب اس سے پھر بھی حاصل نہیں ہو سکتا - کیونکہ اس حدیث کے بموجب الائمہ کے الف لام کو ہمارے محدثین نے حضرات خلفائے راشدین کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخصوص کر دیا ہے ۔ مسلمانوں کا خلیفہ از روئے قرآن ، از روئے حدیث ، از روئے اجماع اُمت "آئین اسلام کا ماخذ یہی اصول سہ گانہ ہیں" ۔ وہی شخص خلیفہ ہو سکتا ہے جس کا قرعۂ انتخاب دولت عثمانیہ کے جلیل القدر تاجدار کے نام پڑ چکا ہے ۔

وہ آگ جو ۱۹۱۴ء کے آخر میں امن عالم کے خرمن کو پھونک ڈالنے کے لیے ، یک بیک بھڑک اُٹھی ، اسی صلیبی دیا سلائی کی لگائی ہوئی تھی ، جس نے طرابلس اور بلقان کے تندوروں کو دہکایا ، اور جو سرویہ کی انگیٹھی کو انگاروں سے بھر گئی ۔

آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ :

''انگلستان کے مدیروں ، اخبار نویسوں اور پادریوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اس بات پر تلا ہوا ہے کہ ترکوں کو یورپ سے نکال دیا جائے ، اور وہی بزرگوار جو پریشانیوں کے عالم میں ہمیں صبح و شام یہ یقین دلایا کرتے تھے کہ اس جنگ اور اس کے عواقب و نتائج کو مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں ، آج جب کہ یہ قوت ان کے ہاتھ میں ہے ، وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں ، کہ یہ جنگ 'صلیب اور ہلال' کی جنگ ہے" ۔

'' حکومت ہند و انگلستان میں اماکن مقدسہ کے احترام اور قسطنطنیہ کی نگہداشت کا اعلان کیا گیا تھا ، لیکن ہندوستان میں رنگروٹ کثرت سے بھرتی ہونے لگے ، اور پندرہ لاکھ سپاہی فوج میں بھرتی ہو گئے ۔ اس مدد کے بغیر برطانیہ ہرگز ترکی کو فتح نہیں کر سکتا تھا — اور ایشیا میں برطانوی قوت کو کوئی چیز اس احساس سے زیادہ ضعف نہیں پہنچا سکتی ، کہ برطانیہ کے قول و فعل کی کوئی قدر و قیمت نہیں" ۔

انھوں (مولانا ظفر علی خاں) نے صلح کی ان شرائط کا نقشہ جو ترکی کو جبراً منوائی جانے والی ہیں ، ان الفاظ میں کھینچا کہ :

"جب شرائط صلح ہوں گی ، تو دنیا میں ترکوں کا ایک دوست بھی نظر نہیں آئے گا ۔ اگر ان کا کوئی خیر خواہ پردۂ زمین پر موجود رہا تو اسے معلوم ہو جائے گا ، کہ ترکوں کی آدھی سے زیادہ سلطنت اُن کے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی ۔ ان کا دارالخلافہ دول متحدہ کی توپوں کی زد میں ہو گا ۔ درہ دانیال ان کی رسائی سے نکل چکا ہو گا ۔ اور کوئی ترکی فوج درہ دانیال کی رسائی کے اندر نہ ہوگی — یہ وہ خلافت ہے جو انگلستان ہمیں بخشنا چاہتا ہے ، اسلام کی یہ وہ آزادی ہے جس کے معاوضہ میں ہماری حکومت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ارباب بست وکشاد ہم سے غیر متزازل عقیدت اور غیر مشکوک وفاداری کے متوقع ہیں[1]۔"

یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اس زمانے میں جگہ جگہ مرکزی خلافت کے اس نقطۂ نظر کو پیش کیا، کہ مسلمانوں کے لیے اب صرف دو ہی راستے ہیں، ایک جہاد، دوسرا ہجرت۔ جہاد بالسیف کی ہم میں اہلیت اور مقدرت نہیں۔ ہم جہاد بالنفس کر سکتے ہیں، جو جہاد بالسیف سے زیادہ مشکل ہے۔ ہم قانون کے اندر رہ کر اپنی پوری طاقت سے جہاد بالنفس کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا نے مجلس خلافت کا اہم رکن ہونے کے سبب ہندوستان کے اہم ترین شہروں میں تحریک عدم تعاون کو کامیاب بنانے میں از حد سعی کی، اور جگہ جگہ تقاریر کر کے ہجرت کی اہمیت پر لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ انھوں نے انڈین نیشنل کانگرس کے تاریخی جلسے منعقدہ کلکتہ کا خاص طور پر ذکر کیا "کہ اس کے مشترک پلیٹ فارم سے برطانوی اقتدار کے حواس کو درست کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ عدم تعاون سمجھا گیا ہے"۔

اسی درمیان اگست ۱۹۲۰ء میں مولانا ظفرعلی خاں کو حضرو ضلع کیمبل پور میں تقریر کرنے کا موقع ملا۔ جہاں انھوں نے دل کھول کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ موضوع "عدم تعاون اور ترک موالات" تھا۔ ان دنوں ہجرت کا زور تھا، جوش پھیلا ہوا تھا۔ حضرو اور پشاور کے درمیان صرف دریا واقع ہے۔ چونکہ پشاور میں داخلہ بند ہو چکا تھا، اس لیے حضرو میں تقریر کی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا، کہ بہت سے نمبرداروں نے نمبرداریاں اور ذیلداروں نے ذیلداریاں چھوڑ دیں — اور بعض سرکاری آدمیوں نے ملازمتیں بھی ترک کر دیں۔ اسی جلسے میں پانچ ہزار روپیہ چندہ بھی جمع ہوا — وہ اس کے بعد کلکتہ چلے گئے۔ وہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۰ء کو حسب ہدایت مرکزی خلافت کمیٹی 'چلکوٹ گورے' کی مقدمے کی سماعت کے لیے کلکتہ سے واپسی پر براہ راست مری جا رہے تھے، کہ لاہور ریلوے سٹیشن پر ایک یورپین ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ان کو قانون تحفظ ہند کے تحت گرفتار کر لیا[2]۔ ان کی گرفتاری کا سبب حضرو ضلع کیمبل پور کی اگست والی تقریر تھی، اور سرکار کی طرف سے مقدمہ قائم کر دیا گیا، اس لیے کہ انھوں نے اپنی تقریر میں حسب ذیل قابل اعتراض جملے کہے:

(۱) "ہم وہ مسلمان ہیں، جنھوں نے مکہ پہنچ کر آگ لگائی"۔

۱۔ ظفر علی خاں، تقریر برہان پور۔
۲۔ اشرف عطا: مولانا ظفر علی خاں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) ہم نے خلیفۃ المسلمین کے سپاہیوں کو شہید کیا ، اور بغداد کو کفر آلود کیا ۔

(۳) ہم نے مدینہ پر گولے گرائے ۔

(۴) ہم خبیثوں نے مقامات مقدسہ فتح کیے ، اور نصاریٰ کے حوالے کیے ، ترکوں کو تباہ کیا ، معصوم لڑکیوں کی عصمت دری کی ۔

(۵) حضور پر نور پرنس آف ویلز تشریف لا رہے ہیں ، مگر انگریزو یاد رکھو ، اگر تم چاہتے ہو کہ ہم آن کا استقبال کریں ، تو تم خلافت میں دخل دینا چھوڑ دو ۔

(٦) مکہ و مدینہ خالی کر دو ۔

(۷) ٹرکی کا اقتدار بدستور رہنے دو ۔

(۸) مارشل لاء کبھی نہ لگانے کا وعدہ کرو ۔

(۹) رولٹ ایکٹ توڑ دو ۔

(۱۰) جو وعدے ہم سے کیے گئے ہیں ، وہ پورے کرو ۔

(۱۱) مسئلہ عدم تعاون کے لیے حسب ذیل بنیادی طریقے اختیار کیے جائیں ۔

(الف) تمام ممبران ، کونسل کی ممبری چھوڑ دیں ۔

(ب) تمام اعزاز واپس کر دیں ۔

(ج) لڑکوں کو سرکاری اور مشن اسکولوں سے ہٹا کر ہندوؤں اور اسلامی اسکولوں میں داخل کر دیں ۔

(د) وکیل اپنا پیشہ ترک کر دیں ۔

اپنی تقریر میں انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ "مسئلہ عدم تعاون میں مسلمانوں کو اخلاق جرأت کی ضرورت ہے ۔ اگر مہاجرین کے لیے جن کی تعداد ایک لاکھ ہوتی ہے ، کل شام تک ایک لاکھ روپیہ جمع ہو جائے ، تو میں یہ رقم سلطنت افغانستان کے سفیر کے ذریعے کابل بھیج دوں گا ۔ خود غازی امان اللہ خاں نے اپنی ساٹھ ہزار بیگھہ زمین جس کی مالیت پچھتر ہزار روپے ہے برائے تقسیم مابین مہاجرین عطا فرمائی"۔ جلسے کے اختتام پر پانچ ہزار روپے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چندہ جمع ہوا ۔[1]

جو ریزولیشن انھوں نے بحیثیت صدر تحریک خلافت پیش کیے ، اور حاضرین نے منظور کیے ، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) حضرو اور نواحی علاقے کے مسلمان اور ہندوؤں کا یہ جلسہ شرائط صلح عہد نامہ ترکیہ کو جس پر داماد فرید شاہ کی معزول وزارت نے رضامندی کے دستخط کیے ہیں ، ناقابل قبول سمجھتا ہے ۔ (یہ شرائط ترکی کی وزارت سے بجبر منوائے گئے تھے) ، اور صدق دل سے عہد کرتا ہے کہ جب تک شرائط منسوخ نہ ہو جائیں ، آئینی طور پر جد و جہد کرتے رہیں گے ، اور ترک موالات پر کاربند رہیں گے ۔

(۲) یہ جلسہ پیر محبوب شاہ سندھی کی گرفتاری پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہے ۔

(۳) یہ جلسہ گورنر سرحد کے حکم برائے پابندی داخلہ پشاور برائے مولانا ظفر علی خاں پر احتجاج کرتا ہے ، اور اس کو غیر آئینی خیال کرتا ہے ۔

(۴) اسلام کے مصالح عالیہ اور ہندوستان کے ملکی اغراض کو مد نظر رکھتے ہوئے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو بائیس کروڑ ہندوؤں کے لیے گائے کی قربانی ترک کر دینی چاہیے ۔

(۵) یہ جلسہ حبیب اللہ مہاجر ماتمی کی یاد کو تازہ کرتا ہے ، اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ جو اشخاص اس جرم کے مرتکب ہوں ، ان کو پکڑا جائے ۔ صرف ایک گورے کا کورٹ مارشل کافی نہیں ۔

(۶) یورپ کی بنی ہوئی چیزوں کے بجائے اپنے ملک کی چیزیں استعمال کریں ۔

حضرو کے جلسے کی کارروائی میں شرکت کی بنا پر مقدمہ :

جیساکہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے ، کہ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۰ع کو لاہور ریلوے سٹیشن پر گرفتاری عمل میں آئی ، اور ۲۰ ستمبر ۱۹۲۰ع کو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی ۔ مولانا کی طرف سے کوئی وکیل پیش نہیں ہوا ۔ انھوں نے

---

۱ ۔ پیسہ اخبار لاہور، ستمبر ۱۹۲۰ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عائد کردہ الزامات سے انکار کیا ، اور جب مقدمے کی کارروائی ختم ہو گئی ، تو صرف ایک تحریری بیان داخل کیا ۔[1]

پیسہ اخبار نے اس سلسلہ میں چند نئی باتیں بھی لکھی ہیں جو حسب ذیل ہیں :

(۱) ۲۰ ستمبر ۱۹۲۰ع کو مولوی ظفر علی خاں نے سرکاری وکیل سردار مہتاب سنگھ سے درخواست کی کہ آپ اردو میں بولیں ، آپ نے مزید فرمایا کہ اردو میں آپ کی تقریر زیادہ موزوں رہے گی ۔ (از راقم : گویا سردار صاحب کی انگریزی تقریر میں بعض اغلاط ضرور رہی ہوں گی) ۔

(۲) اس مقدمہ کے سلسلے میں مولوی شوکت علی خاں نے انھیں مبارک باد کا پیغام بھی بھیجا تھا ۔

(۳) دوران مقدمہ جب اختر علی خاں نے ان سے ۵ اکتوبر ۱۹۲۰ع کو ملاقات کی تھی تو وہ ایک پارہ حفظ بھی کر چکے تھے ۔

(۴) ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ع کو فیصلے کے دن کامل چاند گہن تھا ۔ اس خبر (سزا کے فیصلے) کے خلاف احتجاج کے لیے سردار سردول سنگھ کویشر کی صدارت میں موچی دروازے کے باہر لاہور کے شہریوں کا ایک جلسہ ہوا ۔ اور اس جلسہ میں منشی تاج الدین سابق ایڈیٹر ''امام'' لاہور نے فی البدیہہ ایک قطعہ سنایا ۔[2]

اس درجہ آج غم دل چرخ کہن میں ہے
یعنی ظفر علی کے یہ رنج و محن میں ہے

ظلمت میں ہائے سرخی ظلم و ستم بھی ہے
وہ دیکھو لو کہ آج قمر بھی گہن میں ہے

اس کے بعد ان کی ہمدردی میں امرتسر میں ڈاکٹر ستیہ پال کی صدارت میں جلیاں والہ باغ امرتسر میں بھی جلسہ ہوا ۔ یہ خبر تمام ملک میں غم و غصہ سے سنی گئی تھی ۔ یہاں تک کہ مسلمانان امریکہ کا برقیہ بھی مولانا ظفر علی خاں سے ہمدردی کے سلسلہ میں موصول ہوا تھا ۔[3] اور پھر ان کی سزا کا ذکر

---

۱ ۔ پیسہ اخبار لاہور ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۰ع ۔
۲ ۔ ایضاً ۔
۳ ۔ پیسہ اخبار ۲ دسمبر ۱۹۲۰ع لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پارلیمنٹ میں بھی ہوا ۔ لارڈ مانٹیگو نے پارلیمنٹ میں کہا کہ "محبوب شاہ سندھی کی سزا اس لیے منسوخ ہو گئی کہ انھوں نے توبہ کر لی تھی ۔ لیکن مولانا ظفر علی خاں کے متعلق ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی ۔ توبہ نہ کرنے کی صورت میں اُن کی سزا منسوخ نہیں کی جائے گی ۔"[1] اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا کی شخصیت ، اور اُن کی اولوالعزمی نے تمام دنیا کو متاثر کرکے رکھ دیا تھا ۔

مقدمہ کا دلچسپ پہلو[2] :

" ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مقدمہ میں بجز ایک دو مستثنیات کے تمام کے تمام مقدمہ بنانے والے اور گواہی دینے والے اُسی سردار اُمت رسول اللہ و خدا کے نام لیوا ہیں ، جس کی اُمت کو تباہی سے بچانے ، اور جس کی خاک پاک کو غیروں کی ٹھوکروں سے محفوظ رکھنے کے لیے ظفر علی خان نے آواز بلند کی ۔ یہ استغاثہ چوہدری سلطان احمد صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کیمبل پور ، اور سید لال شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کی سعی و کوشش سے مقامی حکومت کو بھیجا گیا ۔ برکت علی صاحب تھانیدار اور اُن کے تین مددگار مسلمان ہیڈ کانسٹبلوں نے تقریر کی چغل خوری کی ۔ مقامی حکومت کی طرف سے منظوری پر شیخ اصغر علی ایڈیشنل سیکریٹری نے دستخط کیے ۔ اکرام الحق صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ خفیہ پولیس نے بطور مستغیث عدالت میں استغاثہ پیش کیا ۔ تیرہ (۱۳) گواہان استغاثہ جو پیش کیے گئے ، سب مسلمان ہیں ، جن میں آنریبل خان بہادر ملک محمد امین خان صاحب جاگیردار شمس آباد و موجودہ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر (اور آئندہ کے بھی امیدوار) مسلمان گواہ بھی شامل ہیں ۔

جو گواہ اس امر کے گزرے کہ انھوں نے حکومت کے کہنے پر مولوی ظفر علی خان کی آمد سے قبل بھی ، اور بعد میں بھی حکومت کو تمام خطرات اور حالات سے آگاہ کیا تھا ، جو اُن کی تقریر اور عدم تعاون کی تحریک سے پیدا ہو گئے تھے (غالباً آپ یہ خدمت اعزازی طور پر بجا لائے) بدقسمتی سے مجسٹریٹ انگریز اور سرکاری وکیل سکھ ہیں ، اور

۱ ۔ پیسہ اخبار ۹ دسمبر ۱۹۲۰ء لاہور ۔

۲ ۔ زمیندار ۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء ، آغا صفدر وکیل سیالکوٹ کے قلم سے اداریہ ، ص ۳ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجسٹریٹ کے پیش کار بھی آغا عبدالحسین مسلمان ہیں - اس طرح تمام کارروائی اسلامی تھی :

من از بیگانگان ، ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد ، آن آشنا کرد

" فاعتبروا یا اولی الابصار"

۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ع کو اسپیشل مجسٹریٹ نے فرد جرم عائد کر دی اور ۵ سال قید با مشقت کالا پانی کی سزا زیر دفعہ ۱۲۳ الف ، تعزیرات ہند دی گئی ، اور مزید ایک ہزار روپیہ جرمانہ بھی عائد کیا گیا ، بصورت عدم ادائیگی رقم جرمانہ چھ ماہ قید بامشقت بھگتنی ہوگی ، نیز زیر دفعہ ۱۵۳ الف دو سال قید بامشقت کا حکم دیا گیا البتہ دونوں سزائیں ایک ساتھ شروع ہوں گی -

یہ سزا ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۰ع کو شروع ہوئی اور ۳۱ دسمبر ۱۹۲۴ع کو ختم ہوئی (گویا چار سال ۲ ماہ چار دن قید میں رہے) - قید کا یہ زمانہ سینٹرل جیل میں گزرا - وہ اپنا وقت تصنیف و تالیف اور باغیچہ کی تیاری میں صرف کرتے - آن کے اطوار و کردار سے دوسروں پر جو اثر پڑا اور آن کے استقلال مزاج نے دوسروں پر جو اثر ڈالا ، وہ اپنی جگہ پر بہت اہم ہے (آن میں سے بعض قابل ذکر باتوں کو ہم آن کے مزاج و سیرت کے سلسلہ میں بیان کریں گے) -

غرض انھوں نے دوران مقدمہ برطانوی وزارت پر بے باکانہ نکتہ چینی بھی کی ، اور استغاثہ کے گواہوں کے کردار پر بھی - انھوں نے اپنے تحریری بیان میں یہ بات بھی واضح کی ، کہ حکومت برطانیہ کی موجودہ مسلم آزاد پالیسی کے سبب اس کا زوال بھی لازمی ہے ، اور جب تک مسلمانوں کے مطالبات تسلیم نہیں کئے جائیں گے ، اس وقت تک ہیجان و اضطراب اور سیاسی افراتفری کی موجودہ کیفیت کا باقی رہنا بھی یقینی ہے[۱] -"

بہر حال آن کی گرفتاری پر مختلف شہروں میں احتجاجات کے بے شمار جلسے ہوئے ، جن میں حضرو ، سیالکوٹ ، گوجرانوالہ قابل ذکر ہیں - آن کی

۱ - زمیندار ، ۹ اکتوبر ۱۹۲۰ع - لاہور -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمدردی میں لاتعداد آنکھیں اشک بار ہوئیں ، اُن کی بیگم کو ام الاحرار کا خطاب سہوان کی خلافت کمیٹی نے دیا [1]۔

ترک موالات کے سلسلہ میں ہیجان :

یہ زمانہ ترک موالات کے سلسلہ میں ہنگاموں سے پر تھا ۔ مولانا شوکت علی نے ۲۸ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ایک بیان شائع کیا کہ مسلمان اپنی عملی زندگی کا ثبوت ترک موالات میں ہندوؤں کے ساتھ تعاون کر کے دیں ؛ اس لیے کہ اگر اس وقت غفلت سے کام لیا گیا تو مسلمان ہمیشہ کے لیے نہ صرف خلافت اور اماکن مقدسہ کے لیے روئیں گے بلکہ اُن کو حیات قومی کے زوال کے لیے بھی کف افسوس ملنا پڑے گا [2]۔

''انڈی پنڈنٹ''[3] الہ آباد نے ان واقعات پر یوں تبصرہ کیا تھا : ''مولوی ظفر علی خاں اور پنڈت رام نرائن پر بغاوت کا مقدمہ چلانا اور اس طرح اُن کی آڑ میں تکلیفیں پہنچانا روزمرہ کی کارروائی کا جزو بن گیا ہے ۔ اس سے ہمیں کوئی استعجاب نہیں ہوتا اور ان کارروائیوں سے بھی جو نتیجہ نکلتا ہے اُس کی بھی چنداں پروا نہیں کیونکہ تجربے نے یہ بات بتا دی ہے کہ سرکاری مقدمات کا کیا مقصد و مطلب ہوتا ہے —— اگر مولوی ظفر علی خاں کی تقریریں باغیانہ ہیں ، تو آزادی ہند کے سلسلہ میں مشکل سے کوئی آدمی ہوگا جس نے واقعات پنجاب اور مسئلہ خلافت پر کوئی تحریر نہ لکھی ہوگی یا تقریر نہ کی ہو اور وہ قانون کی رو سے محفوظ رہ سکے —— اور دفتری حکومت کا طریق کار ہماری سمجھ سے بالاتر ہے'' ۔

سندھ کی پیش قدمی :

خطۂ سندھ سے ہی عدم تعاون کا عملی اظہار ہوا اور کراچی کے عظیم الشان جلسے ہی میں مولوی ظفر علی خاں کی گرفتاری پر زبردست احتجاج ہوا ۔ اس تحریک عدم تعاون میں سیٹھ عبداللہ ہارون ، مولانا تاج محمود ، مولانا محمد صادق ، سید تراب علی شاہ ، سید اسد اللہ شاہ ، نور الدین ، پیرزادہ غلام محی الدین ، پیر محبوب شاہ اس کام کے لیے مقرر کیے گئے تاکہ وہ سندھ کے دورے کریں اور ووٹ دہندگان کو کہا جائے کہ کانگرس کی پاس کردہ قرارداد

---

۱ ۔ خبر ۔ پیسہ اخبار ، ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء لاہور ۔
۲ ۔ پیسہ اخبار ، اکتوبر ۱۹۲۰ء لاہور ۔
۳ ۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بموجب کوئی شخص کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ نہ دے ـــــ اسی تحریک کے ساتھ تعاون کے نتیجہ میں مولانا محمد ہادی، شیخ عبدالعزیز اور عبدالجبار ایڈووکیٹ نے وکالت ترک کر دی ـــــ ۳۰ اکتوبر کو خالق دینا ہال کراچی میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا "جس میں کونسلوں کے بائیکاٹ کا فیصلہ، اور مولوی ظفر علی خاں کی گرفتاری پر غم و غصہ کا اظہار کیا گیا"۔ (زمیندار کے نام تار)[1]

سندھ میں سب سے پہلے تحریک عدم تعاون کا عملی خیر مقدم کرنے والوں میں شیخ جان محمد جونیجو بیرسٹر لاڑکانہ اور میر رحمت اللہ ہمایوں پیش پیش تھے، جونیجو صاحب لاکھوں روپیہ کی جائیداد چھوڑ کر ہجرت کر گئے تھے۔

اسی پُر آشوب زمانے میں خلافت کا ایک وفد مولانا محمد علی مرحوم کی سرکردگی میں یورپ بھی گیا تھا۔ اس وفد نے ہندوستانیوں کے جذبات و احساسات کی نمائندگی کی، وہاں لٹریچر بھی تقسیم کیا اور برطانیہ کے اراکین کابینہ پر یہ حقیقت واضح کردی کہ جس راستے پر کابینہ جا رہی ہے وہ مسلمانوں کے لیے تباہی و بربادی کا راستہ ہے۔[2]

اسی زمانے میں تحریک خلافت کے خلاف انگریزوں نے ہندوؤں کو خود مسلمانوں کے ایک سرکاری سربراہ (سر فضل حسین مرحوم) کے ذریعہ یہ باور کرا دیا کہ تحریک خلافت دراصل ہندوؤں کے خلاف تحریک ثابت ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کا اگر براہ راست تعلق سرحد پار مسلمانوں سے ہو گیا تو یہ سب مل کر ہندوؤں کو نکال باہر کریں گے اور ہجرت کرنے والے مسلمان افغانستان ایران جا کر ہمسایہ ممالک سے مل کر انگریزوں پر کیا بلکہ ہندوؤں پر دوبارہ غلبہ حاصل کرلیں گے اس طرح اس خوف نے ہندو مسلم اختلاف کو وسیع کر دیا جس کے نتیجہ میں ایک طرف شدھی کی تحریک[3] شروع ہوگئی، دوسری طرف

---

۱ ۔ پیسہ اخبار، لاہور ۳۱ ۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء ۔

۲ ۔ مولانا سلیمان ندوی: برید فرنگ، مقدمہ: ص ۷ تا ۱۰ ۔ مکتبۃ الشرق، مطبوعہ ۱۹۵۲ء کراچی ۔

۳ ۔ یہ تحریک منشی رام سابق انسپکٹر پولیس (جو بعد میں تارک الدنیا ہو کر سوامی شردھا نند کے نام سے مشہور ہوا) نے شروع کی تھی، اس طرح نو مسلم میوالیوں، جاٹوں کو جو آگرہ کے قرب و جوار میں آباد تھے ہندو بنانے کے لیے ایک عظیم مہم کا آغاز کیا گیا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندو مسلم فسادات ہندوستان میں پھیل گئے ، جن کا سلسلہ کوہاٹ سے شروع ہوا اور فسادات کی آگ پورے ملک میں بھڑک اٹھی ۔

اس زمانے میں شدھی تحریک نے بھی سیاسی طور پر اپنا کام کیا کہ دور دراز کے دیہات میں جا کر مسلمانوں کو اپنے آبائی مذہب کی طرف پلٹانے کی مہم زوروں سے شروع کی گئی ۔ نیز یہ کہ ہندو مسلم اتحاد تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ (مسلمان) ہندو کلچر اپنائیں ، ہندو تہواروں کو اپنائیں ، ہندو لباس ، ہندو تہذیب کو اختیار کر لیں ، اگر اپنی تہذیب کے مطابق عبادت کریں تو اجازت دی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ خود کو محمدی ہندو کہلانا گوارا کریں ۔ اس طرح دونوں گروہوں ، ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف بڑھتا چلا گیا ۔ خلافت کمیٹی اور کانگرس کا تحریک عدم تعاون کا متحدہ محاذ ہندو مسلم فسادات تک جا پہنچا ۔ مہاتما گاندھی کے مرن برت نے بھی کوئی خاص اثر نہیں کیا ، اخبارات نے اس سلسلے میں اور بھی اختلافات کو ہوا دی ۔ ۲۲ جنوری ۱۹۲۲ء کو کانگرس کا اجلاس مہاتما گاندھی کی صدارت میں ہوا اور کانگرس کے پہلے اجلاس میں پنڈت مدن موہن مالویہ نے تقریر کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ ”وہ مسلمانوں کے باقی ہر مطالبہ پر غور کرنے کے لیے تیار ہیں ، لیکن مسلم اکثریت کے صوبوں میں آئینی مسلم اکثریت کے اصول کو تسلیم نہیں کر سکتے“ ۔

خلافت کانفرس سے خود نہرو بھی گھبرا گئے تھے اور انھوں نے کہا تھا کہ ”خلافت کانفرس سے یہ دیکھ کر اور بھی دھڑکا لگا کہ اس تحریک خلافت کی روز افزوں ترقی کے ساتھ جذبۂ مذہبیت کو بھی روز افزوں ترقی ہوتی جاتی ہے“ ۔ مسٹر اخلاق شروانی کے چہرہ پر داڑھی ، مسٹر مجید خواجہ کے چہرے پر داڑھی اور سب سے بڑھ کر خوفناک وجود علی برادران کا ، ”علی برادران خود بھی مذہبی خیال کے تھے ، اور یہ اس آگ کو ہوا دیتے تھے“[1] ۔

اسی زمانے میں موپلوں کی تحریک عدم تعاون بھی (جنوبی ہند میں) بہت شدت سے پھیلی ، یہ تحریک خلافت کے سبب تھی ، لیکن انگریزوں نے اسے ہندو مسلم فساد قرار دے کر دونوں کو آپس میں بھڑوا دیا ۔ مسلم طبقہ پہلے ہی ہندوؤں کی بالا دستی کا شکار تھا ۔ پولیس بھی اس تحریک عدم تعاون کو دبانے میں ناکام رہی فوج نے انتہائی بربریت کا ثبوت دیا ، ہزاروں موپلے اس بربریت کا

۱ ۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی : محمد علی کی ذاتی ڈائری ، ص ۲۵۰ ، طبع اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکار ہوئے ۔ سینکڑوں گھر تباہ ہوگئے ، مارشل لاء کا نفاذ کر دیا گیا ۔ بے شمار مکانات کو جلا دیا گیا ۔ (نظام دکن نے اُن کی مدد کے لیے پچاس ہزار روپیہ اور مرکزی مجلس خلافت نے چالیس ہزار روپیہ دیا)[1] اور ۲۵۹۴ موپلے گرفتار بھی ہوئے ۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں ، ہزاروں بچے یتیم ہو گئے ۔ پنڈت مدن موہن مالویہ کے دل میں خاص طور سے یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ شمال سے حملہ ہوگا اور ہندوؤں کو مسلمان اپنے ہم مذہب غیر ملکیوں کے ساتھ مل کر ختم کر دیں گے ۔ جس کے نتیجے میں ہر شہر میں معمولی باتیں غلط فہمیاں بن گئیں اور یہ غلط فہمیاں ملک گیر ہندو مسلم فسادات میں تبدیل ہوگئیں ۔ اس خیال نے اس قدر تقویت پکڑی کہ کانگرس و خلافت کمیٹی دونوں مل کر بھی ذہنی طور پر ان حالات کو ختم کرانے میں ناکام ہو گئیں ۔ دوسری طرف یہ کہ کانگرس کے ایک گروپ نے اسمبلیوں میں جانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا اور مسٹر سی آر داس اور پنڈت موتی لال کے زیر قیادت ان انتخابات میں حصہ لینے کی بھی تیاریاں شروع کر دیں ۔ خلافت کمیٹی اور جمیعۃ العلماء اب کس طرح حرام کو حلال قرار دے سکتی تھی ۔ خلافت کمیٹی کی عملاً ناکامی کی وجہ ایک اور بھی ہوئی کہ خلافت کے مسئلہ کو ترکی کی انقلابی پارٹی نے ختم کر دیا اور کمال اتاترک کے زیر قیادت سلطان کو معزول قرار دے کر اپنے ملک کو ایک ری پبلک قرار دے دیا تھا اس طرح انھوں نے منصب خلافت کے ظاہری نشان کو بھی ختم کر دیا اس لیے خلافت کمیٹی کی توجہ اب اماکن مقدسہ کی حفاظت کی طرف مبذول ہوگئی تھی جس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے ۔

تحریک خلافت کی ناکامی کے اسباب :

تحریک خلافت اور کانگرس کے اتحاد کو ناکام بنانے کے لیے جو کوششیں کی گئیں ، ان میں ہندوستان کے مسلمانوں کی توجہ کو جو عالم اسلام کی پریشانیوں کی طرف تھی ، وجہ مغائرت بنا دیا گیا اور ہندوؤں کو خود مسلمان سرکاری افسروں/سرکاری سیاست دانوں کے ذریعہ یہ باور کرا دیا گیا کہ اب مسلمانوں کا رخ عالم اسلام کی حکومتوں کے ساتھ محبت کے سبب ، ہندوؤں کو غلام بنانے کی طرف ہوگا ۔ نتیجتاً ہندو ذہنیت نے حفظ ماتقدم کی خاطر فرقہ وارانہ جذبات کو اس قدر بھڑکا دیا کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی ۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنی رہائی کے بعد

---

۱ ۔ سر محمد یامین : نامۂ اعمال ، ص ۱۸۰ ، طبع لاہور ۱۹۷۰ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(یعنی ۲۹ دسمبر ۱۹۲۴ء کے بعد) ان الفاظ میں تبصرہ کیا [1] :

''یہ اشتعال انگیزیاں ہندوؤں کی جدا گانہ تنظیم کے لیے شروع کی گئی ہیں ، جدا گانہ تنظیم کا خیال ہی مسلمانوں پر بے اعتمادی کا قطعی ثبوت ہے ، لوگوں کے جذبات قومی تحریک نے خاصے مشتعل کر رکھے تھے اور بردولی میں تحریک خلاف ورزی قانون کے التوا اور گاندھی جی کی قید کے باعث بھی قومی تحریک کا کام رک گیا ، اور برانگیختہ جذبات کسی نئے راستے کے لیے مضطرب تھے لہٰذا جونہی ہندوؤں کی جدا گانہ تنظیم (ہندو مہاسبھا) کا غلغلہ بلند ہوا ، عام ہندو نہایت آسانی کے ساتھ اس رو میں بہہ نکلے اور ہندوؤں کے تفرد و تجرد اور انقطاع و علیحدگی کی یہ تحریک خاصی تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگی ، چونکہ کانگرس کی بنیاد ہی مسلمانوں کے خلاف تعصب و عناد کے جذبات پر موقوف تھی اس لیے اس کی ترقی کے ساتھ ہی ہندو مسلم تصادم کے اسباب بڑھنے لگے اور آج ہم ایک ملتان نہیں بیسیوں ملتان کا ماتم کر رہے ہیں اور جو لوگ ۱۹۱۹ء کے آغاز سے ۱۹۲۲ء تک اپنے اتحاد کے بل پر دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے قصر اقتدار میں زلزلہ افگن تھے ، آج مخالفین کے تمسخر و استہزاء کا نمونہ بنے ہوئے ہیں'' [2] ۔

ہندوستان کے باہر سیاسی فضا اور ترکی میں خلافت کے خلاف ردعمل :

''۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ترکی نے یہ قانون پاس کر دیا کہ ترکیہ جمہوریت ہے اور حاکم عوام ہیں ۔ اسی دوران عبدالحمید آفندی نے خلیفة المسلمین اور خادم حرمین کی حیثیت سے فرامین پر دستخط کرنے شروع کر دیئے اور دنیائے اسلام کو پیغام بھی دیا ۔ یہ امر ترکی کے نوجوان اور انقلابی پارٹی کو ناگوار گزرا مزید یہ کہ ہز ہائینس سر آغا خان مرحوم اور سر سید امیر علی مرحوم نے ترکی قوم پرور لیڈروں کو (انقلابی پارٹی) یہ خط بھی لکھ دیا کہ دنیائے اسلام خلیفہ کی غیر یقینی اور غیر محفوظ حالت پر مضطرب ہے ۔ اتفاق وقت کی بات ہے کہ یہ خط اخباروں میں پہلے چھپ گیا ۔ اس واقعہ نے قوم کے لیڈروں کو اتنا خفا کر دیا کہ خلافت کے حامی اخبارات کو سزائیں دی گئیں ۔ عصمت پاشا

---

۱ ۔ زمیندار ، لاہور ۱۹۲۵ء (خطبہ صدارت مولانا ظفر علی خان) ۔
۲ ۔ زمیندار ، لاہور اداریہ/بیان ۲۴ اگست ۱۹۲۵ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس خط کو ترکی کے داخلی معاملات میں مداخلت سمجھا ۔ چنانچہ ۲ مارچ ۱۹۲۴ع کو جمہور پارٹی کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں خلافت کی تنسیخ کا ریزولیشن منظور ہوا - خلافت ختم کر دی گئی ، ۳ ، ۴ مارچ کی درمیانی شب کو انھیں جلا وطن کر دیا گیا اور وہ ایک بیٹے ، دو بیٹیوں اور دو بیویوں کے ساتھ ترکیہ سے نکل گئے - ۳۰ مارچ کو شیخ الاسلام کا عہدہ تخفیف میں آیا اور تمام مدارس جو علماء کے تحت تھے بند کر دیئے گئے - ۹ اپریل ۱۹۲۴ع کو محکمۂ قضا کی تمام عدالتیں تخفیف میں آئیں - ۷ ستمبر ۱۹۲۵ع کو قبا اور دستار کی اجازت صرف خطیبوں ، اماموں اور نقیبوں کو دی گئی - عوام کے لیے دستار ، قبا و عبا پہننا لائق تعزیر قرار دیا گیا - ۲۸ نومبر ۱۹۲۵ع کو ترکوں نے ہمیشہ کے لیے انگریزی ٹوپی پہننا لازمی قرار دیا —— غرض مجلس انقرہ نے قانون اسلامی کی منسوخی کا اعلان کر دیا[1]'' -

ظاہر ہے کہ خلافت جو ایک روحانی/اسلامی رشتہ تھا ، جب توڑ کر پھینک دیا گیا تو یہ اقدام غیر اسلام پسند ممالک میں بے حد پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور یورپی سیاست دانوں کی خوشی کا باعث ہوا ، خصوصاً برطانیہ کے لیے — اور اس کا باعث صرف یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی محبتیں اہل اسلام کے ساتھ/اسلامی ممالک کے ساتھ خلافت کے ٹوٹنے سے کٹ جائیں گی ، اس لیے اس خبر نے ہندوستان کے مسلمانوں کو سخت رنجیدہ کیا - ''انھوں نے خلافت کی خاطر سخت ترین تکلیفیں برداشت کی تھیں ، اور اس اسلامی ہمدردی کو اپنا فریضہ سمجھا تھا[2]''- اور اپنے ایثار سے پورے ہندوستان میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا اور وہ خط بھی اہل ترکی خصوصاً خلافت سے محبت کے سبب تھا جس کی چند سطریں بھی وہ برداشت نہ کر سکے — یقیناً ترکی کی انقلاب پسند پارٹی کا تنسیخ خلافت کا فیصلہ اسلامی جذبہ کے سراسر خلاف تھا ، جس میں (سے) نسل اور وطن کی بو صاف آ رہی تھی اور یہ نیشلزم کا خمار تھا (جو مغرب سے آیا تھا اور جس نے اسلام کے اصولوں پر چھری پھیر دی تھی - انھوں نے اس سلسلہ میں یہاں تک پیش رفت کی تھی کہ نماز بھی ترکی زبان میں جاری کر دی گئی) اس لیے ہندوستان میں مرکزی خلافت کا کام تحفظ خلافت کے بجائے احیائے خلافت تھا -

۱ - حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۱۳۳ ،کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۷ع -
۲ - حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۱۳۶ ، ۱۹۶۷ع -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان میں ۱۰ مارچ ۱۹۲۴ء کو یہ خبر ملی اور ۱۹ مارچ ۱۹۲۴ء کو کلکتہ میں محمد علی کی صدارت میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں جزیرۃ العرب کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا اور شریف حسین سے بیزاری کا ریزولیشن پاس ہوا اور یہ ریزولیشن بھی پاس کیا گیا کہ مسلمانان عالم مل کر کسی جگہ خلافت قائم کرلیں ۔

"زمیندار" میں شائع شدہ[1] نظم سے ان تاثرات کا اظہار ہوتا ہے جو درحقیقت مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی تھی :

"کیا ہوگیا اب تجھ کو خدارا یہ بتادے
تو نے وہ حمیت جو ترا حصہ تھا ، کیا کی

مذہب کو سیاست سے جدا کرنے کی تدبیر
کیا شان آدبر ہے ترے صدر علا کی

پھر ہجرت ماموره کی تاریخ کی تنسیخ
شرمندہ ہے ترے لب اعجاز نما کی

اور رسم خط ملک عرب سے تری نفرت
قرآں سے انوکھی یہ شہادت ہے ولا کی

آدینہ کی تخصیص تھی اک رسم جہالت
ہے رائے بجا تیرے مہذب علماء کی

ہے پردۂ نسواں تیسرے قانون کا اک جرم
تفسیر یہ کیا خوب ہے اسرار حیا کی

جس حق خلافت سے تو کھیرا گیا صدیوں
قیمت ترے اسلاف نے اس حق کی ادا کی"

---

۱ ۔ مولانا محمد سعید عثمانی ہوشیارپوری : زمیندار ، لاہور ، ۶ مئی ۱۹۲۸ء ۔

ہندوستان کے مطالبات انگریزوں سے خلافت کے سلسلہ میں یہ تھے :

(۱) ترکی کی حکومت (جیسے اس لڑائی سے پہلے تھریس اور عرب علاقے سے مرکب تھی) وہی باقی رکھی جائے اس کا حکمران خلیفۃ الاسلام امیر المومنین اور دین کا خادم باقی رہے ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادھر ہندوستان میں جب تحریک ترک موالات ختم ہوئی تو مسلمان رہنما تقریباً سب جیل میں تھے مسلمانوں نے آزادی کے تصور کے نشہ میں سرشار ہوکر ہندوؤں پر یہاں تک اعتماد کیا کہ خلافت کی زمام کانگرس کے ہاتھ میں دے دی ۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد تحریک کا سرچشمہ کانگرس بن گئی حالانکہ شورش کی علت مسئلہ خلافت ہی تھا اور رزم کی گرمی مسلمانوں کے دم سے تھی ۔ یہ دراصل مسلمانوں کی غلطی تھی جس کا خمیازہ انھیں بعد میں بھگتنا پڑا اور خلافت کی طرف انھوں نے اس طرح توجہ کرلی تھی کہ وہ بھول گئے تھے کہ ان کی سیاسی جماعت مسلم لیگ کے نام سے پہلے سے موجود ہے جس کے ہاتھ میں اس کی قیادت ہونی چاہیے تھی ۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

(۲) جزیرۃ العرب میں (جس میں یمن ، نجد ، حجاز ، عراق اور شام سب داخل ہے) غیر مسلم اقوام کی مداخلت نہ ہو اور ان کے اقتدار سے پاک رہے اور اماکن مقدسہ اسلامی جھنڈوں کے نیچے محفوظ رہے" (بحوالہ سولانا سید سلیمان ندوی : برید فرنگ ، ص ۲۱۲ ، مکتبۃ الشرق کراچی) سید صاحب نے برید فرنگ ہی میں صفحہ ۱۹۷ پر جو روم میں دعوت کے منظر کی کیفیت بیان کی اس سے مسلمانان عالم کے صحیح جذبات کا اندازہ ہوتا ہے : "اس وقت کا حسرت آگین نظارہ دل کو زندگی بھر یاد رہے گا کہ یہیں ایک مصری نوجوان مسلمان سے ملاقات ہوئی ، عربی تو خیر ان کی مادری زبان تھی ہی اس کے علاوہ وہ جرمن فرنچ اور انگریزی بھی خوب جانتے تھے ۔ ان کے پرجوش خیالات اور اقدام عمل میں ہندوستان کی سات کروڑ مسلمان آبادی میں مجھے کوئی ان کا ہمسر نظر نہیں آتا کہ شریف حسین کے اعلان بغاوت کے زمانے میں یہ تن تنہا سربکف شریف کے کیمپ میں پہنچے اور ان کے اندرونی اسرار سے واقفیت حاصل کی ــــ انھوں نے شریف کے جو مظالم بیان کیے اور انگریز افسروں کے مکہ کی فوج پر مزید مظالم کے جو حالات بیان کیے ان کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ۔ فرانس افریقہ کے مسلمان سپاہیوں کو یہاں لڑانے کے لیے لایا تھا اور وہاں اس نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ کافروں نے تمھارے مقدس مقامات پر قبضہ کر لیا ہے اس لیے تم کو چل کر یہ مقدس مقامات ان کے ہاتھ سے چھڑانے ہیں ۔ استغفراللہ ، استغفراللہ علاوہ ازیں جو باتیں معلوم ہوئیں وہ لب پر نہیں آ سکتی ہیں محاصرۂ مدینہ کے دنوں میں مسلمانوں نے مردے تک کھائے" ۔

(برید فرنگ ، ص ۱۹۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاسی فضا حجاز مقدس میں :

اسی طرح حجاز مقدس کی سر زمین مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی میں خون سے لال ہو رہی تھی ۔ حجاز مقدس میں حجاج پر مظالم ہوئے ، مدینہ منورہ کے راستے میں بدوؤں نے قافلوں کو روکا ۔ اس طرح عام شکایت کے دروازے کھل گئے مسلمان دلی طور پر پریشان تو تھے ہی کہ ایک دن ستمبر ۱۹۲۴ع کو اخبارات نے یہ خبر دی کہ نجدی فوجیں طائف کے قریب پہنچ گئیں ۔ بعد کو طائف کی فتح کی بھی خبر ملی اور یہ کہ امیر علی بغیر لڑے وہاں سے مکہ بھاگ گئے ۔ اس خبر سے مکہ مکرمہ کے لوگوں میں بھی بے چینی پھیل گئی ۔ وہ شریف حسین کے مظالم سے تنگ آکر اس کو علیحدہ کرنا چاہتے تھے کہ شریف حسین اپنا سامان اور روپیہ لے کر جدہ بھاگے اور امیر علی بھی ان کے ہمراہ گئے اور جدہ میں بھی انقلاب ہوا ۔ شریف حسین مستعفی ہوگئے اور امیر علی کو دستوری ملک الحجاز بنایا گیا ۔ نجدی فوجیں بغیر لڑے مکہ میں داخل ہوگئیں ۔ طائف کی خبروں سے وہاں کے قتل و غارت گری کی خبریں ملیں ۔ اور مدینہ کی خبروں سے معلوم ہوا کہ روضۂ حضرت عبداللہ بن عباس گرا دیا گیا ۔ شاہ حجاز نے اقوام لیگ سے اپیل کی اور انسانیت کے نام پر غیر مسلم اقوام کو عرب میں آنے کی دعوت دی ۔

۱۰ ستمبر ۱۹۲۴ع کو خلافت کمیٹی کو مکہ سے تار ملا کہ تقریباً بیس ہزار مسلمان باشندگان جاوا ، ہندوستان ، سوڈان ، ایران ، الجیریا اور روس نے متفقہ طور پر مہذب دنیا کو بتایا کہ وہابیوں نے شہر طائف پر حملہ کر دیا اور انھوں نے ابن عباس کے روضہ کو پھونک دینے کے بعد ساری آبادی کو تہ تیغ کر دیا جس میں بچے ، بوڑھے اور عورتیں بھی شامل تھیں ساری آبادی اور کل غیر ملکی باشندے مارے گئے[1]۔

۱۵ ستمبر ۱۹۲۴ع کو مولانا شوکت علی نے شریف حسین کے نام تار دیا کہ ''آپ کی مسلسل خلاف اسلام حرکات پر افسوس ہے اور آپ کی پالیسی ہی اس لڑائی کی ذمہ دار ہے ہم اس امر میں مداخلت کرنے کے لیے تیار ہیں ۔ بشرطیکہ آپ اپنے اور اپنے خاندان کے معاملات کا فیصلہ موتمر اسلامی کے فیصلہ پر چھوڑ دیں ۔ حجاز مقدس میں غیر مسلم اقوام (کا داخلہ) کی مداخلت ناقابل برداشت ہے''[2]۔

۱ ۔ رپورٹ حجاز ، شائع کردہ خلافت کمیٹی ۱۹۲۶ع ، ص ۹ و ۱۰ ۔
۲ ۔ حوالہ بالا ، ص ۱۱ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو طاہر الدباغ سکریٹری ، عرب وطنی الحجاز نے جدہ سے مرکزی خلافت کمیٹی کو تار دیا کہ ''چونکہ سارے ملک میں فساد کا احتمال ہو رہا ہے اس لیے ساری قوم نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ امیر علی کو صرف شاہ حجاز مان کر ایک کانسٹی ٹیوشنل حکومت بنائی جائے بشرطیکہ وہ دنیائے اسلام کے فیصلہ کا اور مقامات مقدسہ کے حقوق و اغراض کے متعلق خود کو پابند کرنا پسند کرے — ہم نے اور قوم نے امام عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کے پاس ایک باضابطہ مراسلہ بھیجا ہے کہ گفتگوئے مصالحت کے لیے اپنے نمائندے بھیجیں ۔ قوم حجاز اس اعلان کے بعد اور ان انسدادی تدابیر کو عمل میں لانے کے بعد اس امر کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ اب اگر عالم اسلام نے مقامات، مقدسہ اور اس کے باشندوں کی حفاظت میں عجلت نہ کی اور امام ابن سعود کی پیش قدمی کرنے والی قوم کو نہ روکا اور ان سے اس کی درخواست نہ کی کہ جلد از جلد اپنے نمائندے شرائط صلح کے لیے حجاز بھیجیں اور اگر صورت حال کا لحاظ کرکے بھی ملک حجاز کی حفاظت کے لیے کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی گئی تو تمام خرابیوں کی ذمہ داری عالم اسلام پر ہوگی'' ۔[۱]

دوسری طرف حکومت نجد نے نجدی افواج کے مظالم سے انکار کیا ، (لیکن بہت محتاط انداز میں جس میں ہاں اور نہیں کے دونوں پہلو نکلتے تھے) کہ افواج نے حجاز کے غیر جانبدار باشندوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور حکومت نجد نہایت خوشی کے ساتھ ان حجازی اور غیر ملکی باشندوں کو جو حجازی افواج کے ساتھ مل کر نہیں لڑے (یعنی نجدی افواج کا مقابلہ نہیں کیا) اگر ان کو کسی قسم کا نقصان ہوا ہے تو ان کو تاوان دینے اور تلافی کرنے پر تیار ہے ۔ اور یہ کہ سلطان (ابن سعود) نے مقامات مقدسہ کے احترام اور جملہ مآثر کی حفاظت اور جملہ مراسم کے جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے اور غیر مسلم کی حفاظت سے محفوظ رہ کر بھی مذہبی سہولتوں کے بہم پہنچانے کا عہد کیا ہے ۔

اسی طرح مرکزی جمعیت نے ۷ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سلطان ابن سعود کو تار دیا کہ ''حجاز پر جو تمام دنیائے اسلام کا مرجع ہے کوئی بادشاہ یا سلطان حکومت نہیں کر سکتا بلکہ وہاں ایک جمہوریت ہو جو غیر مسلم اغیار کے اثر سے بالکل پاک ہو ۔ ہر مسلمان کو یہ اصول مدنظر رکھنا چاہیے تاکہ جنگ و خون ریزی کا معاملہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے اور مستقل حکومت کا فیصلہ اسلامی کانفرس پر چھوڑ دیا جائے ۔ اس لیے دنیائے اسلام کو امیر کا تقرر قبول نہیں'' ۔

---

۱ رپورٹ حجاز ، شائع کردہ مرکزی خلافت کمیٹی ، ص ۱۲-۱۷ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگلے مہینہ سلطان نے اپنی اس تقریر میں جو ریاض سے مکہ روانہ ہوتے وقت کی تھی یہ کہا کہ: ''آج کے بعد سے مکہ میں بجز شریعت کے اور کوئی سلطان نہیں ہوگا سب کی گردنیں اس (شریعت) کے آگے جھکیں گی - چونکہ اس مسئلۂ مکہ سے جملہ مسلمانان عالم کا تعلق ہے اس لیے وہاں کی پالیسی دلیائے اسلام کی مرضی کے مطابق ہوگی - ہم جملہ مسلمانان عالم اسلام کے نمائندگان کی ایک کانفرس مکہ میں منعقد کریں گے اور اس مسئلہ پر رائے لی جائے گی جس میں بیت اللہ شریف گناہوں اور ذاتی اغراض سے پاک رہے اور حجاج کو حرمین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہو'' -

اسی بناء پر سلطان ابن سعود نے ۳ نومبر ۱۹۲۴ع کو خلافت کمیٹی کے نمائندوں کو مکہ آنے کی دعوت دی ، تار کا مضمون یہ تھا :

''میں اس خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ، کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے حجاز میرے ہاتھ میں اس وقت تک امانت ہے جب تک اہل حجاز خود اپنے میں ایک حاکم کا انتخاب نہ کرلیں وہ جو عالم اسلامی کی بات ماننے والا ہو اور اس کے فیصلے تک حجاز ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملیہ کے زیر نگرانی رہے جنھوں نے اپنی غیرت اور حمیت اسلامی کا ثبوت بہم پہنچایا ہو مثلاً ہندوستانی مسلمان - ہمارا مطمح نظر (جس کا ہم نے عالم اسلامی سے وعدہ کیا ہے اور جس کے لیے ہم شمشیر بکف رہیں گے) مجملاً حسب ذیل ہے :

(۱) حجاز کی حکومت تو حجازیوں کا حق ہے - لیکن عالم اسلامی کو جو حقوق حجاز کے متعلق ہیں اس کے لحاظ سے حجاز تمام عالم اسلامی کا ہے -

(۲) ہم ایک استفسار عام جاری کریں گے ، جس میں حاکم حجاز کے انتخاب اور عالم اسلامی کی نگرانی کے متعلق استفسار ہوگا ، اس کے لیے وقت کا تعین بعد میں ہوگا ——— اور پھر اس امارت کو ان درج ذیل اصولوں کے تحت اس حاکم کے سپرد کر دیں گے :

دفعہ (۱) ضروری ہوگا کہ اساسِ حاکمیت شریعتِ نبوت مطہرہ پر قائم ہو -

(۲) حکومت حجاز داخلی معاملات میں خود مختار ہوگی لیکن اسے یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ کسی کے ساتھ جنگ کا اعلان کرے اور ضروری ہے کہ ایک ایسا نظام مقرر کر دیا جائے کہ اگر حکومت حجاز اعلان جنگ کرنا بھی چاہے تو یہ نظام اس کو روک دے -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) حکومت حجاز کسی حکومت کے ساتھ سیاسی معاہدہ نہ کر سکے گی ۔

(۴) حکومت حجاز کسی غیر مسلم حکومت کے ساتھ اقتصادی معاہدہ نہیں کر سکتی ہے ۔

(۵) حجاز کی حدود کا تعین ، مالی و عدالتی ، انتظامی نظام کا بنانا ان نمائندوں کے سپرد ہوگا جو عالم اسلامی سے اس کام کے لیے منتخب ہو کر آئیں گے ہر ملک کے نمائندوں کی تعداد حکومت کے احاطۂ اقتدار کے لحاظ سے متعین کی جائے گی جو اس کو عالم اسلامی اور عربستان میں حاصل ہے ان نمائندوں کے ساتھ تین نمائندے جمعیت مرکزی خلافت ہند ، جماعت اہل حدیث اور جمعیت علماء کے بھی شامل ہوں گے ۔

شرح دستخط

(عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن)

'مہر'

رپورٹ شائع کردہ مجلس خلافت[1]

اس کے بعد ۲۳ نومبر ۱۹۲۳ء کو نجد سے تار ملا کہ سلطان نے کہا ہے کہ میں مکہ معظمہ پر قبضہ کرنے نہیں جا رہا ہوں بلکہ وہاں کے باشندوں کو مظالم اور آن لاقابل ادا ٹیکسوں کی مصیبت سے نجات دلانے جا رہا ہوں جن میں وہ مبتلا ہیں ۔ اس لیے میں مہبط وحی الٰہی (مکہ) کی طرف جا رہا ہوں تا کہ وہاں بجز شریعت کوئی سلطان نہ ہوگا اور سب کو اس شریعت کی پابندی کرنی ہوگی ۔ چونکہ مکہ معظمہ سے جملہ مسلمانان عالم تعلق رکھتے ہیں اس لیے وہاں کی پالیسی دنیائے اسلام کی مرضی کے موافق ہوگی ۔ ہم جملہ نمائندگان عالم کی کانفرنس مکہ معظمہ میں منعقد کریں گے ، تا کہ اس مسئلہ پر ان لوگوں سے رائے لی جائے جن کی بدولت بیت اللہ شریف گناہوں اور ذاتی اغراض کی تحریکوں سے پاک ہوا ہے ۔ (ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) حجاج کو حرمین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہوگی اور حجاز عملاً ہر شخص کے لیے کھلا ہوگا ۔ ہم تا حد امکان کوشش کر کے اس کے راستوں کی حفاظت کریں گے اور ہر بدکردار کو سزا دیں گے جو مذہب سے روگردانی کرے گا'' ۔

(بحوالہ رپورٹ حجاز ، ص ۴)

---

۱ ۔ بحوالہ رپورٹ وفد حجاز ، شائع کردہ ، خلافت کمیٹی ، ص ۲۵ ، طبع ۱۹۲۶ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸ دسمبر ۱۹۲۴ع کو ایک اور وفد خلافت مولانا سلیمان ندوی کی سربراہی میں جدہ روانہ ہوا اس کے ممبران میں مولانا عبدالماجد بدایونی ، مولانا عبدالقادر قصوری تھے۔ اس وفد کی روانگی کے چند دن بعد ۸ اکتوبر ۱۹۲۴ع کا فیصلہ (جس کی بناء پر امیر علی اور ابن سعود کو تار دیے گئے تھے) بلگام کانفرنس میں پیش ہوا (اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر کچلو نے کی تھی) اور بھرے جلسہ نے اتفاق رائے سے یہ پاس کر دیا کہ مسلمانان ہند کی یہ کانفرنس مکہ سے شریف حسین اور اس کے خاندان کے اخراج پر (جو گذشتہ آٹھ سال سے جزیرۃ العرب کے لیے فساد کا باعث رہا ہے) اطمینان کا اظہار کرتی ہے اور سلطان نجد کے اس اعلان کو بہ نظر استحسان دیکھتی ہے کہ جس کی رو سے حجاز کے مستقل نظام کے مسئلہ کو مجوزہ موتمر اسلامی پر چھوڑا گیا ہے اور مجلس عاملہ خلافت نے ۵ اکتوبر کو جو تار دیا ہے یہ کانفرنس اس کی تصدیق کرتی ہے''۱۔

۱۲ جنوری ۱۹۲۵ع کو وفد حجاز کے سربراہ مولانا سید سلیمان ندوی نے جدہ سے حسب ذیل بیان ارسال کیا (واضح رہے کہ یہ وفد حج سے قبل گیا تھا) :

''ہم نے ملک امیر علی اور اس کے وزراء سے بہت سی صحبتوں میں تمام امور پر مفصل گفتگو کی ان کا یہ خیال ہے کہ حجاز میں جمہوری حکومت ناممکن العمل اور عالمگیر موتمر اسلامی کا انعقاد بے سود اور ناقابل عمل ہے ۔ البتہ یہ جماعت ایسی دستوری حکومت کے قیام کی تجویز سے متفق ہے کہ جس کا قائداعظم خود ملک ہو جس کی شخصیت ان کی رائے میں ناگزیر ہے ۔ ممکن ہے کہ مذہبی معاملات میں وہ اسلامی ممالک کے نمائندوں کو بطور مشیر تسلیم کرلیں ۔ وہ خلافت کمیٹی سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہیں ——— جنگ کی وجہ سے مکہ کا راستہ بند ہے ۔ مجھے سلطان ابن سعود کا تار ملا ہے جنھوں نے ہمیں گفت و شنید کے لیے دعوت دی ہے ۔ لیکن ہمیں مکہ جانے کی اجازت نہیں ہے تاوقتیکہ ہم اور سلطان ابن سعود مقامی گورنمنٹ کے ذریعہ گفت و شنید کرنے کے بعد تحریری طور پر یہ تسلیم نہ کر لیں کہ علی حجاز کا حقدار بادشاہ ہے اس لیے آپ بذریعہ تار ہمیں ہدایات بھیجیے اور نتیجہ سے بذریعہ تار مطلع کیجیے'' ۔

مارچ ۱۹۲۵ع میں جملہ مسلمان حج کے لیے پریشان تھے کہ سلطان ابن سعود کا اعلان ہوا کہ ہم حجاج کے جان و مال کی حفاظت کریں گے ۔ (اس لیے کہ ان کے قبضے میں اب تین بندرگاہیں جدہ کے علاوہ آ گئی تھیں ایک قنفدہ

---

۱ ۔ از رپورٹ وفد حجاز ، ص ۲۸ ، طبع مرکزی خلافت کمیٹی ، بمبئی ، طبع ۱۹۲۶ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے لیت تیسرے رابغ) اس خبر کے سنتے ہی جمیعت نے پوری کوشش سے جہاز ران کمپنیوں کو ہندوستان سے حاجی لے جانے پر آمادہ کیا سمندر میں حکومت برطانیہ کی ذمہ داری اور جہاز ران کمپنیوں کی ذمہ داری قرار دے کر خشکی کی ذمہ داری (اندرون حجاز) اور حفاظت کو جمیعت خلافت نے اپنے ذمہ لینا قبول کر لیا ۔

یہ وہ موقع تھا جب لوگ شریف حسین اور اس کی اولاد کی حرکتوں سے نالاں تھے اور حجاز کو پرسکون دیکھنا چاہتے تھے ۔ بے شک سلطان ابن سعود نے جدہ کے علاوہ دوسری بندرگاہوں پر قبضہ کرکے خشکی کے راستے کی ضمانت تو دی تھی اور جمیعۃ خلافت کو اطمینان بھی دلایا تھا ۔ لیکن مدینہ پر قبضہ کے بعد اماکن مقدسہ کو اور جنت البقیع کو منہدم کر کے جو کام سر انجام دیا تھا اس سے عام مسلمان بے حد آزردہ اور مضطرب بھی تھے ۔ چنانچہ دوسرا وفد حجاج کے ساتھ ساتھ ہی ترتیب دیا گیا جس میں اکثر صوبوں سے ایک ایک آدمی لیا گیا تاکہ حجاز مقدس کے صحیح حالات کا مشاہدہ کریں اور انہدام مزارات کی رپورٹ تیار کریں - منہدم شدہ مزارات کے دوبارہ بنوانے اور ان کی حفاظت کے متعلق سلطان ابن سعود سے گفتگو کریں اور اس سے مضبوط عہد لیا جائے ۔ اس وفد میں بحیثیت صدر مولوی محمد شفیع داؤدی تھے اور دوسرے اراکین میں مولوی قمر احمد ، مولانا عرفان صاحب ، شیخ عبدالحمید سندھی ، شیخ معین‌الدین سندھی اور حافظ عثمان تھے اور جمیعۃ خلافت کی طرف سے مولوی عبدالعلیم صدیقی تھے ۔ اس وفد نے منہدم شدہ مزارات اور مآثر کو دیکھا اور رپورٹ پیش کی اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ سلطان ابن سعود کو مسلمانان ہند کے جذبات سے آگاہ کیا اور ان سے زبانی و تحریری پختہ وعدہ لیا کہ جو مآثر و مساجد شہید کی گئی ہیں انہیں دوبارہ بنوا دیں گے ۔ مکہ معظمہ کے مسمار شدہ مآثر نیز رکن یمانی کو محفوظ رکھیں گے اور ان کا احترام کریں گے ۔ علاوہ بریں موتمر میں اس کا اعلان کیا جائے گا اور فیصلہ بھی کیا جائے گا ۔ مزید یہ کہ مدینہ منورہ کے مآثر و مزارات اور تمام چیزوں کو اصل شکل میں موتمر کے فیصلہ تک بہر حال محفوظ رکھا جائے گا ۔

۲۲ اگست ۱۹۲۵ء کو رپورٹر نے بیت المقدس کے حوالے سے خبر دی اور ایک تار بھیجا (تار کے الفاظ) ”از لندن ۔ ۲۲ اگست ۔ بیت المقدس سے موثق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہابیوں نے مدینہ پر حملہ شروع کر دیا ہے ۔ دو دن ہوئے کہ گولہ باری بھی ہوئی ۔ جس سے بہت نقصان ہوا ۔ مسجد نبوی کے قبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو جس میں رسول اللہ کی قبر ہے صدمہ پہنچا ہے ۔ سیدنا حمزہ کی مسجد شہید کر دی گئی ۔"

اس تار نے تمام مسلمانوں کے دل کو دہلا دیا اور ایک ہیجان کی کیفیت پیدا ہو گئی ۔ خلافت کمیٹی نے طے کیا کہ جلد از جلد ایک اور وفد مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں حجاز بھیجا جائے جس میں مولانا محمد عرفان ، مولانا ظفر علی خاں ، سید خورشید حسین ، مولانا عبدالماجد دریا بادی اور شعیب قریشی بھی بحیثیت سکریٹری و رکن شامل تھے۔ بد قسمتی سے مولانا سید سلیمان ندوی ، مولانا عبدالماجد دریا بادی اور سید خورشید حسین صاحب ہمراہ نہ جا سکے ۔ معاملات متعلقہ کی تحقیق جلد اور ضروری تھی اس لیے طے پایا کہ بقیہ تین ممبران ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو جہاز جہانگیر نامی سے روانہ ہو جائیں اور بقیہ حضرات کسی دوسرے جہاز سے روانہ ہو کر شامل ہو جائیں ۔ لیکن یہ حضرات وفد کے ساتھ شریک ہو کر نہ جا سکے ۔ اس وفد کے ذمہ تین کام تھے :

۱ ۔ مقابر و مشاھد کے بارے میں حسب مسلک ِ مجالس سعی و اہتمام ۔

۲ ۔ حجاز کے مستقبل کے متعلق خلافت کمیٹی کی قرار داد مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے مطابق (جس کا اعلان کیا جا چکا ہے) قبولیت عامہ حاصل کرنے کی سعی کرنا ۔

۳ ۔ موتمر عالم اسلامی کے طلب کیے جانے اور اس کے انعقاد کے لیے گفتگو کرنا ۔

۴ ۔ مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر ، مسجد سیدنا حمزہ کے سلسلہ میں آمدہ اطلاعات کی تحقیق کرنا ۔

غرض یہ وفد ۱۸ نومبر کو بندر گاہ رابغ پہنچا ۔ سلطان ابن سعود سے ملاقات کی اور حجاز و نجد کے مختلف طبقوں کے اصحاب الرائے حضرات سے ملا ۔ مکہ و مدینہ اور متعلقہ دیگر بلاد کو بچشم خود دیکھا ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء کو جدہ سے روانہ ہو کر ۱۱ فروری ۱۹۲۶ء کو واپس بمبئی آ گیا ۔

اگر یہ لڑائی صرف نجدیوں اور شریف کے خاندان کے لوگوں تک محدود ہوتی تو ہندوستان میں غیر معمولی اضطراب نہ پھیلتا ۔ لیکن ایک خبر نے تمام ہندوستان میں بے چینی میں اضافہ کر دیا اور وہ یہ تھی کہ نجدیوں کی طرف سے وہ تمام کتابیں (اہل سنت کی) جلا دی گئیں جن پر لفظ "یا رسول اللہ" لکھا ہوا تھا اور اسی لیے انھیں (مسلمانوں کو) کافر کہا گیا ۔ چنانچہ مکہ میں باب السلام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ان دکانداروں سے سخت لڑائیاں ہوئیں جن کے پاس اس قسم کی کتابیں تھیں اس طرح شہر مکہ میں عام بلوہ شروع ہو گیا ۔ وفد خلافت نے ان تمام مجروحین کو دیکھا ۔ تمام زخمی لوگ رئیس بلدیہ کے مکان پر جمع ہوئے ۔ لیکن سلطان ابن سعود بنیادی طور پر اس سلسلہ میں مدد گار ثابت نہیں ہوئے ۔ چنانچہ ۱۸ ذی الحجہ تک سوق معلی ، سوق اللیل ، سعی اور باب السلام کے بازار خوف و ہراس سے بند رہے ۔ بعض لوگ سگریٹ پینے کے جرم میں گرفتار ہوئے اور اہل مکہ کو کافر ، زندیق و مشرک بھی کہا گیا ۔ اس لیے کہ وہ ابن تیمیہ اور عبدالوہاب کی کتابیں فروخت نہیں کرتے ہیں ۔ ایک اور شخص عبدالرحیم کو حرم شریف میں بیت اللہ کے پاس یا رسول اللہ کہنے پر زد و کوب کیا گیا ۔[1]

وفد خادم الحرمین الی الحجاز نے ابن سعود سے جو مطالبات کیے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ جن نجدی لشکروں نے اماکن مقدسہ کی بے حرمتی کی ہے انہیں قرار واقعی سزا دی جائے ۔ لیکن ابن سعود نے صاف الفاظ میں یوں کہہ دیا کہ ”اماکن مقدسہ کے توڑنے والوں کو سزا دینے کا مطالبہ میرے خیال میں بالکل بے معنی ہے کیونکہ قبہ شکن سپاہیوں کے پاس قبوں کے عدم جواز کے شرعی دلائل موجود ہیں وہ ان دلائل کو رد نہیں کر سکتے نیز یہ کہ شریعت میں قبے گرانے والوں کے لیے کوئی سزا بھی تجویز نہیں کی گئی اور اخوان نجد سلطان ابن سعود سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب رسول اللہ نے قبروں پر عمارتیں بنانے سے منع فرمایا ہے تو ہمیں کس طرح ایسی عمارتیں مسمار کرنے پر مستوجب تعزیر قرار دے سکتے ہو جو رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے بنائی گئی ہوں ۔“

بہر حال وفد کو اس نقطۂ نظر سے سخت اختلاف تھا اور ارکان وفد سلطان ابن سعود کی پالیسی سے سخت ناراض بھی ہوئے کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت سلطان ابن سعود کے طرز عمل کے خلاف تھی اور اماکن مقدسہ کا انہدام باعث توہین بزرگان دین تھا ۔ (یاد رہے کہ احناف اور شیعہ دونوں اس مسئلے پر متفق تھے اور آج تک ہر سال انہدام کے سلسلہ میں احتجاج ہوتا ہے) ۔ چنانچہ اس مسئلہ کے سبب خود وفد میں اختلاف ہو گیا اور مولانا ظفر علی خان سلطان ابن سعود کے نقطۂ نظر کے موید تھے ۔ چنانچہ انہوں نے وفد سے الگ اپنی

---

۱ ۔ نور محمد سیاح : (روز نامچہ از ۱۰ جولائی تا ۲۴ ستمبر ۱۹۲۵ء) بحوالہ اخبار سیاست ، لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رپورٹ تیار کی۱ ۔ مولانا ظفر علی خاں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے ہم ذیل میں آن کی رپورٹ کا خلاصہ درج کرتے ہیں :

خلاصۂ رپورٹ مولانا ظفر علی خاں

”مجلس عاملہ جمیعۃ مرکزیہ خلافت نے اپنے اجلاس میں حجاز کے مستقبل اور مجوزہ موتمر اسلامی کے دو گونہ مسائل پر غور کرنے کے لیے مجھے اور میرے دو محترم رفیقوں مولانا محمد عرفان اور مسٹر شعیب قریشی کو ہدایت کی کہ حجاز پہنچ کر عظمت السلطان ابن سعود کے ساتھ آن مسائل پر گفتگو کریں ۔ ہمارے وفد کے لیے اس تذکرہ کی اساس جمیعۃ کا حسب ذیل فیصلہ تھا :

موتمر اسلامی اور آس کے انعقاد کے ابتدائی ضروری انتظامات کے متعلق سلطان سے استشارہ کیا جائے ۔ وفد کو اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ جمیعۃ مرکزیہ خلافت نے مستقبل حجاز کے متعلق ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جو حکمت عملی وضع کی تھی اسے عالمگیر طور پر تسلیم کرایا جائے ۔ نیز حسب ضرورت خلافت کے عام مسلک کی متابعت میں قبوں اور مقبروں کے تحفظ کی سعی کی جائے ۔“

---

۱ ۔ یہی سبب تھا کہ زمیندار واضح طور سے سلطان ابن سعود کی پالیسی کا موید تھا اور زمیندار کو آسی زمانے میں بے حد مالی اعانت وہاں سے ملی جب ادارۂ زمیندار کو اس رقم کی وصول‌یابی کا علم ہوا تو چونکہ عرصۂ دراز سے آن کی تنخواہوں کا مطالبہ باقی تھا اس لیے اب وہ مطالبہ سختی سے کیا گیا ۔ انھوں نے مولانا غلام رسول مہر مدیر زمیندار کو اپنا نمائندہ بنایا اور مطالبات کے سلسلہ میں بات تلخ سے تلخ تر ہوتی چلی گئی ۔ جس کے نتیجہ میں مولانا غلام رسول مہر اور مولانا عبدالمجید سالک نے زمیندار سے (مع کئی ارکان زمیندار) قطع تعلق کر لیا اور اپنا اخبار ”انقلاب“ جاری کر لیا اس بحث کو ہم نے تفصیل سے دوسرے حصہ ”ظفر علی خاں بحیثیت صحافی“ میں بیان کیا ہے ۔ (مولانا نے اس موقع پر ایک نظم لکھی جس میں شکایت کا بھر پور انداز ہے اور پوری نظم کنایات سے بھری ہوئی ہے ۔ دو شعر اس سلسلے کے حسب ذیل ہیں :

انقلاب زمانہ دیکھیے گا
کل جو تھے دوست ، آج ہیں دشمن
رشتے قطع ہوئے اخوت کے
بھائیوں کا بگڑ رہا ہے چلن

[بہارستان ، ص ۳۰۲ ۔ البتہ یہ واقعہ ۱۹۲۸ء کا ہے ۔]

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدر جمیعت مولانا ابو الکلام آزاد نے وفد کی رہنمائی کے لیے ذیل کی ایک مختصر سی یادداشت مرتب فرمادی تھی :

''(الف) وفدِ مسلمانان ہند کی جانب سے امیر ابن سعود کا شکریہ ادا کرنا کہ انھوں نے ایک اہم خدمت اسلامی انجام دی ہے - کیونکہ یہ پہلا موقع ہے کہ باقاعدہ منتخب وفد آن سے مل رہا ہے -

(ب) مجوزہ موتمر اسلامی کے لیے امیر موصوف سے گفتگو اور اس باب میں آن کے افکار سے جمیعۃ خلافت کو وقتاً فوقتاً مطلع کرنا اور اس امر پر غور کرنا کہ اس کے لیے ایک مجلس استقبال کے قیام ، اصول و قواعد ضروریہ برائے نیابت بلاد اسلامیہ سے نامہ و پیام کے ضروری انتظامات کو کیونکر عمل میں لایا جائے - اس کے لیے ابتدائی کمیٹی نہایت ضروری ہے لیکن اس کے اصول کیا ہوں ؟ بلاد اسلامیہ کی تقسیم کیسے عمل میں آئے نیابت اور انتخاب نمائندگان کے لیے کیا بنیادی قواعد ہوں ؟ ان بنیادی اطور کے طے کرنے میں توقف کرنا چاہیے - خلافت کمیٹی ایک مفصل یادداشت مرتب کرکے بہت جلد بھیجے گی - میں نے مصر سے خط و کتابت شروع کر دی ہے - امید ہے کہ اس باب میں ہندوستان اور مصر دونوں مشترکہ کارروائی کریں گے '' -

''افسوس ہے کہ تحاد و ہم آہنگی کے لیے ارکان وفد کے درمیان جس کامل باہمی اتحاد و یک جہتی کا ہونا ضروری تھا اس امر کو ترتیب وفد کے وقت چنداں قابل التفات نہ سمجھا گیا - یہ سچ ہے کہ ہمارے وفد کے صدر علامہ سید سلیمان ندوی تجویز کیے گیے تھے لیکن جب نا سازیٔ طبیعت نے آپ کو سفر حجاز کے ناقابل کر دیا تو ہمارا وفد صرف تین ارکان پر مشتمل رہ گیا - وفد کے ایک رکن ہونے کی حیثیت سے جو رپورٹ مجلس کے ملاحظہ کے لیے میں ذیل میں پیش کرتا ہوں اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے اور کسی مناسب نتیجہ پر پہنچنے کے لیے ان تمام امور کی صراحت کر دینا میرا فرض تھا -''

(مولانا ظفر علی خاں کی رپورٹ درج کرنے سے قبل ایک اہم ترین بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ جس پر انھوں نے جمیعۃ مرکزی خلافت سے بنیادی طور پر اختلاف کیا - کہ جب ۸ جنوری کو دس بجے کے قریب یک بیک

---

۱ - خلاصہ رپورٹ وفد حجاز - بیان مولانا ظفر علی خاں -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ غیر متوقع اطلاع ملی کہ آج اہل جدہ ، اہل مکہ ، اہل طائف ، بعض اہل مدینہ اور بعض شیوخ قبائل بعد نماز جمعہ حرمین میں سلطان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے تو مولانا ظفر علی خاں کی رائے تھی کہ سلطان سے مل لیا جائے۔ لیکن شعیب صاحب کو سلطان کے عدم ایفائے وعدہ کے سبب کوئی اطمینان حاصل نہ تھا اس لیے (ان کے خیال میں) یہ بیعت جبراً ہی تھی۔ مکہ معظمہ پہنچنے کے دوسرے دن شیخ یوسف مدیر ام القریٰ مولانا ظفر علی خاں سے ملنے کے لیے آئے اور پیغام دیا کہ عظمت السلطان بلاتے ہیں اور یہ کہ ان دونوں کے لیے ایک گاڑی بھی بھیج دی گئی ہے —— بہر حال یہ سلطان سے ملے لیکن مسٹر شعیب نے ملنے سے انکار کر دیا اس لیے کہ سلطان نے اپنے سابقہ اعلانات کے برخلاف حجاز موتمر اسلامی کے انعقاد سے قبل ہی اہل حجاز کی بیعت قبول کر کے یا قبول کرنے کی خواہش سے گویا ملوکیت کا اعلان کر دیا ہے۔ اس طرح مولانا ظفر علی خاں سلطان سے تنہا ملے اور ان کی تحقیق کے بموجب جو اسباب بیعت کا موجب بنے وہ حسب ذیل ہیں :

"(۱) حجازیوں کے بڑے طبقے کی رائے یہ تھی کہ دنیائے اسلام حجاز کے معاملات سے بالعموم بے توجہی کیے بیٹھی ہے صرف ہندوستان کے مسلمان اس مقدس ملک کے لیے واجب الاحترام اضطراب کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان اس مسئلہ پر متحد بھی ہو جائیں تو بھی جمہوریت حجاز کی پوری امداد نہیں کر سکتے۔

(۲) دنیائے اسلام کی توجہ فرمائی اور آمادگی مساعدت کے انتظار میں ملک کے آئندہ انتظام کو معرض التوا میں ڈال رکھنا اس کے داخلی ، خارجی تحفظ اور مفسدین کی فتنہ انگیزیوں کے ازالہ کے مقتضا کے خلاف ہے۔ شیخ عبداللہ علی رضا سے دنیائے اسلام کا ذکر آیا تو انھوں نے کہا کہ اس وقت تک ہماری نظروں میں دنیائے اسلام ایک اسم ہے جس کا مسمیٰ کوئی نہیں۔

(۳) ملک حجاز کی فلاح و بہبود کو سمجھنے والے اشخاص کی عام رائے یہ تھی کہ حجاز بلا مساعدت احدے اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا ، اس لیے ضروری ہے کہ کسی بیرونی امداد سے فائدہ اٹھائے۔

(۴) ایک مختصر سے طبقے کی یہ رائے تھی کہ دنیائے اسلام کے بعض حصص اغیار کے ماتحت ہیں اگر ہم اپنا پورا انتظام دنیائے اسلام کے حوالے کر دیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس طرح اغیار کو ہمارے ملک کے انتظام میں تداخل کا موقع مل جائے گا جسے ہم نے اضطراراً تو گوارا کیا لیکن بطیب خاطر گوارا نہیں ۔

(۵) سلطان ابن سعود کے حسن انتظام ، فقیدالمثال قیام امن اور عدیم النظیر خوش اخلاقی نے اہل حجاز پر گہرا اثر ڈالا ہے بلکہ وہ مسحور ہوگئے ہیں اور ان کا فیصلہ بھی یہی تھا کہ جب ہمارے لیے خارجی امداد ضروری ہے تو ہم سلطان ابن سعود کی سرپرستی کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں ۔

یہ تمام حالات اور عام خیالات سلطان کی امارت حجاز کے موید تھے ۔ چنانچہ جب سلطان جدہ سے مکہ پہنچے تو اکابر مکہ و جدہ کے ایک وفد نے بیعت کی خواہش ظاہر کی ، سلطان نے اس سلسلہ میں دو عذر کیے :

"(۱) جب تک سارا حجاز بطیب خاطر مجھے تسلیم نہ کرے میں بیعت نہیں لے سکتا ۔

(۲) یہ کہ میں دنیائے اسلام کو دعوت دے چکا ہوں ، اس کا انتظار ضروری معلوم ہوتا ہے ۔"

اکابر نے اس امر کے جواب میں کہا کہ :

"دنیائے اسلام کی بے توجہی تو ظاہر ہے کہ آج تک ہندوستان کے مسلمانوں کے ماسوا کسی نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی پھر اگر دنیائے اسلام جمع بھی ہو جائے تو وہ ہماری ضروریات اور خواہشات سے چشم پوشی نہیں کر سکتی ۔ تیسرے یہ کہ آپ ہمیں انتخاب کرنے کا حق عطا کر چکے ہیں اور ہماری رائے میں آپ سب سے بڑھ کر امارت کے اہل ہیں باقی رہا اہل حجاز کا مسئلہ تو برقی مخابرات کے ذریعہ اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں ۔"

بہرحال نجدیوں کو جب سلطان کے توقف کا علم ہوا تو انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ "ہم اس مقدس زمین کی حفاظت کے لیے آئے ہیں اسی کی خاطر ہم نے قربانیاں دی ہیں اور اسی وعدے پر آپ ہمیں لائے تھے اب جب تک منظم حکومت بحال نہ ہو ، ہمارا اسے چھوڑنا گویا جہاد کو کالعدم قرار دینا ہے اور جب اہل حجاز آپ کو امیر بنانے پر رضامند ہیں تو آپ کیوں متوقف ہیں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض دو روز کے اندر اندر تمام معاملات طے ہوگئے - اکابر جدہ ، اکابر مکہ ، اکابر طائف اور گرد و پیش کے شیوخ قبائل نے اصالتاً حرم میں اور بقیہ شہروں کے اکابر نے اپنے شہروں کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے نیابتاً حکومت کے ہاتھ پر بیعت کی جس کی اطلاع برقی پیغامات کے ذریعہ سلطان کی خدمت میں پہنچ گئی -

بیعت کے فیصلہ کے ساتھ ہی ـعلم ، سکہ ، لقب ، تعلقات نجد و حجاز ، تعلقات خارجہ حجاز کے لیے ایک ہیئت تاسیسہ مقرر ہوگئی ، جس نے بیعت سے پہلے لقب کا مسئلہ طے کیا - پہلے خادم الحرمین کا لقب تجویز ہوا - لیکن سلطان نے اسے رد کر دیا کہ یہ لقب صدیوں تک ترکی خلافت کا جزو رہا ہے - مبادا اس کا اختیار کرنا مسلمانوں میں یہ غلط فہمی نہ پیدا کر دے کہ میں خلافت کے لیے کوشش کر رہا ہوں چنانچہ بعد ازاں ملک الحجاز کا لقب تجویز ہوا -

میری رائے میں کم از کم حالات موجودہ میں حجاز کے اندر اچھے انتظام کی یہ واحد صورت تھی کہ ہم کچھ بھی کرتے ابن سعود کی سیادت تسلیم کرنے کے سوا سردست کوئی چارہ نہ تھا - بہت ہی اچھا ہوتا اگر جو کچھ ہوا موتمر کے فیصلے سے ہوتا مگر موتمر کے انعقاد تک بظاہر ایک غیر معین مدت کے لیے حجاز میں امن و امان کے مستقل قیام جیسی شدید ضرورت کو متذبذبانہ التوأ میں ڈالے رکھنا حجازیوں کو گوارا نہ تھا - ان حالات میں سلطان کے پیش نمودہ مجبوریوں پر ہمدردانہ انداز سے ملتفت ہونا ہی قرین دانش مندی ہے -

خالص دینی زاویۂ نگاہ سے وہ (یعنی عبدالعزیز) میرے نزدیک دنیائے اسلام کا بہترین فرد ہے - اسلام اس کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر جنبش کا واحد محرک ہے - اس کی ملوکیت محض نام کی ملوکیت ہے - اس کا کوئی تاج ہے نہ تخت - وہ اپنی قوم کا عام لباس پہنتا ہے صرف عقال یعنی سربند کے سوا اس میں اور اس کی قوم کے کسی فرد میں قطعاً کوئی وجہ امتیاز نہیں - مساوات کا وہ ایسا نمونہ ہے جو کم از کم ارباب حکومت میں بالکل عدیم النظیر ہے - ہر فرد یکساں حیثیت سے اس تک پہنچ سکتا ہے - وہ ایک ہی وقت میں ایک روشن ضمیر مدبر ، ایک اولو العزم جرنیل ، خدا کا سپاہی ، ایک معاملہ فہم فرماں روا ، ایک پر جوش مذہبی واعظ ، دشمنوں کے ساتھ بھی محبت و نرمی کا برتاؤ کرنے والا انسان اور ملک و قوم کا سچا خادم ہے - مجھے یقین ہے کہ اس کی ذات عرب کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی العموم اور حجاز کے لیے علی الخصوص نہایت عظیم الشان اور نادیدہ برکات کا سرچشمہ بنے گی انشاء اللہ۔

یہ اُس کے حسن کے انتظام کا نتیجہ ہے کہ آج حجاز کا چپہ چپہ محفوظ ہے نجد و حجاز کی اقتصادی حالت اُس کی مساعدت کی اہل نہیں لیکن اُس کے ملک میں اور حجاز میں سونے چاندی اور لوہے کی کانیں ہیں اگر ان کانوں سے کام لیا جائے تو چند سال میں ملک کی حالت پلٹ سکتی ہے۔ یورپی کمپنیاں اس کام کے لیے تیار ہیں۔

باعتبار عمل موجودہ حکومت کا سارا نظام شورائیہ ہے۔ سلطان نے حجاز کے اندر تمام معاملات اہل حجاز سے مختص کر دیے ہیں اور موجودہ نظام حکومت کے تقریباً سارے کارکن حجازی ہیں۔ میری رائے میں اصلاح احوال عرب و حجاز کا اقتضاء یہ ہے کہ موجودہ صورت حال کو قبول کر لیا جائے لیکن اس سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ سلطان کو ایک ایسا نظام حکومت مرتب کرنے میں مدد و مشورہ دیا جائے جس کی بنا پر حجاز جلد سے جلد ملی نشو و نما اور ارتقاء کی ابتدائی منازل طے کر کے ایک زبردست قوم بن جائے۔ تیسری بات جس کی طرف بطور خاص توجہ کرنی چاہیے یہ ہے کہ حجاز میں کوئی نظام حکومت ایسا قائم ہو جس سے آیندہ کے لیے امارت ایک خاندان کے ساتھ متوالیاً و متوارثاً مختص نہ ہو جائے۔ ہر امیر کے لیے انتخاب کا حق عام ہونا چاہیے اور بہترین شخص منتخب ہونا چاہیے۔ اگر باہمی گفت و شنید سے ان دو چیزوں کا انتظام ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ابن سعود پر اصلاح عرب کے معاملے میں بڑے سے بڑا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ مغربی وضع کی اسلامی جمہوریت کا فوری قیام حجاز میں محال ہے۔ ملک کے وسائل کی نشو و نما اور ارتقاء میں ہم جس قدر امداد دے سکیں اتنی ہی جلدی ہمارے بقیہ مقاصد (آزادی عرب کے متعلق اور اتحاد عرب کے متعلق) پورے ہو سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اس باب میں سلطان ابن سعود کی مساعدت کریں''[1]۔

اس رپورٹ کے شائع ہونے پر خود مجلس خلافت دو حصوں میں بٹ گئی۔ شریف مکہ کے طرز عمل سے ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں نفرت انگیز جذبات

---

۱ - خلاصہ رپورٹ ظفر علی خان، ص ۱۰۵، شائع کردہ مرکزی مجلس خلافت بمبئی - رپورٹ حجاز طبع ۱۹۲۶ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو پیدا ہو گئے تھے لیکن سلطان ابن سعود کے اعلان ملوکیت نے اور مسئلہ انہدام اماکن مقدسہ پر اُن کے اظہار جواز نے خلافتی رہنماؤں میں اور بھی پھوٹ ڈال دی۔ تحریک خلافت اصلاً دوسروں کے مفاد کے لیے اپنے ایثار نفس کی قسمت آزما جد و جہد تھی — اور اس کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے ممالک کے مسلمان بھائیوں کو یورپ کی غلامی سے بچایا جائے — تاہم اُن کی یہ قربانیاں اُن کے لیے مفید ثابت ہوئیں۔ ان ہی قربانیوں نے انھیں بڑے پیمانے پر عوامی تحریک کو منظم کرنے کے طریق کار کی تعلیم دی، اُن (ہندوستان کے مسلمانوں) میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی — اور اسی تحریک کے بعد اس کے رد عمل کے نتیجہ میں مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ہندوستان میں ہندوؤں یا برطانیہ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

"مجلس خلافت حجاز مقدس میں "منہاج خلافت راشدہ" پر ایک نظام حکومت مرتب کرنا چاہتی تھی جس میں سارے عالم اسلام کی نمائندگی ہو۔ مولانا ظفر علی خاں ان تکلفات کے قائل نہ تھے۔ انھوں نے سلطان ابن سعود کو ملک الحجاز و النجد و ملحقاتہا، تسلیم کر لیا اور واپس چلے آئے۔ ع

قصہ کوتاہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود"[1]

حسن ریاض اس سلسلے میں لکھتے ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ حجاز پر سعودی حملے کے بعد خلافت کمیٹی کے اندر و باہر ایک فتنہ پیدا ہوا۔ اہل نجد عبدالوہاب نجدی کے پیرو ہیں۔ جب وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو انھوں نے قبوں کے قبے منہدم کر دیے اور سوائے قبہ نبوی کے کوئی قبہ باقی نہیں رہا۔ مآثر ڈھائے گئے، سب قبروں کی لوحیں توڑ دی گئیں — چونکہ خلافت کمیٹی میں وہ مسلمان بھی تھے جو قبور کا احترام صاحب قبر کے سبب کرتے تھے اور وہ بھی جو قبوں کے خلاف تھے۔ اسی امر پر مسلمانوں کی دو پارٹیاں بن گئیں اور خلافت کمیٹی میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا اور سنی وہابی جنگ ہندوستان میں شدت اختیار کر گئی۔ جس کے نتیجے میں خلافت کمیٹی پاش پاش ہو گئی اور جس سے کئی سیاسی اور مذہبی ٹولیاں پیدا

۱۔ رئیس احمد جعفری: دید و شنید، ص ۲۳۲، کتاب منزل لاہور، بار اول ۱۹۴۸ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئیں"۔[1]

تحریک خلافت کا رد عمل :

جیساکہ بیان کیا جا چکا ہے کہ تحریک خلافت نے ہندو مسلم اتحاد کا جو منظر پیش کیا تھا اس سے انگریز خوف زدہ ہو گئے تھے اس لیے انھوں نے اس تحریک کے حالات کو دیکھ کر ہندو مسلم اتحاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر ڈالا — وہ پنجاب میں تو بالکل یہ اتحاد چاہتے ہی نہیں تھے اتحاد کا کیا ذکر ؟ انھیں مسلمانوں میں کسی ایسی تنظیم یا سیاسی تحریک کا وجود ہی گوارا نہ تھا اس لیے کہ وہ پنجاب کو برطانوی ہندوستان کی سرحد سمجھتے تھے ۔ اسی لیے انھوں نے پنجاب کو فوجی صوبہ بنا ڈالا تھا اور اس کے مختلف عوامل و عناصر کو اس طرح قابو میں رکھا تھا کہ وہ برطانوی مقاصد پورا کرنے کے لیے مختلف المذاہب ہونے کے باوجود ایک تھے لیکن اپنے ملکی مفاد میں ایک دوسرے کے خلاف تھے[2] ۔

"یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض سرکردہ مسلمانوں نے اسلامی ملکوں اور قومی تحریک کے خلاف جاسوسی کے فرائض بھی سر انجام دیے تھے اور بقول مولانا ظفر علی تحریک خلافت کے دنوں میں پنجاب سے مخصوص خاندانوں نے خصوصیت کے ساتھ برطانوی حق نمک ادا کر دیا ۔ بلکہ حق نمک سے زیادہ ہی حق ادا کیا ۔ ملک سے باہر فوج میں بھرتی ہو کر ترکی کا گلا کاٹا ۔ خود اپنے ملک میں تحریک خلافت کے کارکنوں کو پیٹا ، مخبریاں کیں ۔ سرکاری گواہ بن گئے ، اور بعض کارکنوں کو برسر عام مار مار کر ادھ موا کر دیا ۔ ایسے ہی سرکار پرست لوگوں نے اپنے اضلاع میں تحریک کو داخل ہونے نہیں دیا ۔ اگر کسی کارکن نے حوصلہ کیا بھی تو وہ ہمیشہ کے لیے تائب ہو کر رہ گیا ۔ بعض سرداروں اور نوابوں کے پروردہ جیلوں میں چلے گئے اور نوجوانوں کو معافی مانگنے پر آمادہ کیا ۔سی پر اکتفا نہیں کیا گیا بعض کم سن نوجوانوں کو بے گناہ بنایا گیا ۔ غرض : ع

پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد

---

۱ - حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۱۳۹ کراچی ، اگست ۱۹۶۷ء -

۲ - شورش کاشمیری : عطاء اللہ شاہ بخاری ، ص ۸۱ مکتبہ چٹان ، لاہور ۱۹۵۶ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور پھر صوبہ کے بعض پولیس افسروں نے بعض مسلمان نوجوانوں کو مخبری کے لیے آمادہ بھی کر دیا اور ہندو نوجوانوں کو انقلابی بنا دیا ۔"[1]

مزید سی آئی ڈی کی غلط رپورٹنگ اور پولیس افسران نے بے گناہ لوگوں کو بھی پکڑوا دیا ۔[2]

بہر حال اصل خلافت کمیٹی کا خاتمہ ۲۲ - ۱۹۲۱ء میں ہو چکا تھا ۔ لیکن کچھ کچھ سانس ۲۵-۲۴ء تک رہا ۔ ۱۹۲۶ء کا سال عقائد کے سلسلہ میں اختلافات کے اظہار کے عروج کا سال تھا ۔ مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی کی آویزش کمال کو پہنچ چکی تھی ۔ گویا اب بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ جن لوگوں پر حج واجب ہو چکا ہے وہ اپنے فریضہ کو اصلاح حال تک ملتوی کر سکتے ہیں ۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ "خود مہاتما گاندھی تحریک عدم تعاون میں مسلمانوں کی جاں فروشی سے بے حد خائف ہوگئے۔ اس لیے کہ بقول ڈاکٹر اسپیڈ کر خلافت تحریک سے کانگرس پر برتری حاصل ہوگئی ۔ اس لیے کہ کانگرس کو وسعت ہندوؤں سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہوئی ۔ مسلمان جو کانگرس سے باہر تھے اس تحریک کے عدم تعاون کے ریزولیشن کے بعد جوق در جوق کانگرس میں داخل ہو گئے — اور خلافت کمیٹی کے شل ہونے پر مسلمانوں میں ٹولیاں پیدا ہو گئیں ۔ بقول مولانا حسرت موہانی یہ ٹولیاں اُن جتھوں کی طرح تھیں جو جنگ پلاسی کے بعد سرداروں نے قائم کر لیے تھے جس میں خود اُن کا کوئی مقصد نہ تھا ۔ اس طرح مسلمان ایک مقصد سے ہٹ گئے اور اُن کی جمعیت ٹوٹ گئی ۔"[3]

پنجاب خلافت کمیٹی (جس کے سربراہ مولانا ظفر علی خاں تھے) اور مرکزی خلافت کمیٹی میں اس طرح آپس میں گندگی اچھل رہی تھی اور اتحاد

---

۱ ۔ قید فرنگ ، مولانا ظفر علی خاں ، ص ۶۴ ، طبع ۱۹۶۷ء لاہور ۔

۲ ۔ اشرف عطا : شکستہ داستانیں ، ص ۹۰ ۔ آغا رشید احمد سی آئی ڈی سب انسپکٹر نے خود اقرار بھی کر لیا کہ میں نے دو آدمیوں کو بے گناہ پکڑوا دیا ۔ ایک اشرف عطا دوسرے سید حبیب ۔

۳ ۔ حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۱۵۴ ، طبع کراچی ۱۹۶۷ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل کا جذبہ قطعی طور پر مفقود ہو چکا تھا[1] -

۱۹۲۷ء کا سال بلووں کا سال تھا - جگہ جگہ فسادات ہوئے مولانا ظفر علی خاں نے اس موقع پر اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا :

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
چلتا نہیں کچھ زور مقدر پر نہ قضا پر

ہے کوئی کلیجے کو جو تھامے ہوئے نکلے
اسلام کے آفت زدہ بچوں کی صدا پر

مل سکتی تھی جس سے خبر منزل مقصود
ہے کوئی دھرے کان جو اس بانگ درا پر

رحمت کی گھٹا جھوم کے پھر کوئی ادھر آئے
رہ رہ کے نگہہ اٹھتی ہے یثرب کی فضا پر

نوٹ : یہ نظم اندور کے ظلم و ستم پر کہی گئی تھی - (بہارستان ، ص ۳۷۶)

۱۹۲۷ء میں : "(نہ کہیں خلافت کانفرنس ہوتی تھی نہ کہیں خلافت کے ممبر ہی باقی رہ گئے تھے - البتہ مولانا شوکت علی غریب بمبئی میں اسے اپنے سینے سے چمٹائے بیٹھے تھے - چنانچہ) جب ۲۶ فروری کو اس کا اجلاس ہوا تو وزیر گنج لکھنؤ کی ایک بڑھیا بولی "اے لو ، خلافت پھر نکلی" گویا عوام کے دل سے اس کا تصور تک مٹ چکا تھا - اب جو نام سنا تو جیسے خواب یک بیک پھر یاد پڑ گیا[2] -"

گویا یہ تحریک کا دم واپسیں تھا[3] -

ادھر فسادات بھی زوروں پر تھے - ۲۸ مئی ۱۹۲۷ء کو لاہور میں زبردست فرقہ وارانہ فساد ہوا جس کی ابتدا حویلی کابل مل سے ہوئی - زمیندار نے لکھا تھا کہ اس وقت ملک فتنہ و فساد کا گھر اور اختلاف و افتراق کی جولان گاہ بنا ہوا ہے[3] -

---

۱ - حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا ، ص ۱۵۴ ، طبع ۶۷ء کراچی -
۲ - مولانا عبدالماجد دریا بادی : محمد علی کی ذاتی ڈائری ، ص ۳۹۶ ، طبع ۱۹۵۶ء اعظم گڑھ -
۳ - زمیندار اخبار لاہور ، ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ظفر علی خاں نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا :

صدا کل شب یہ آئی ، مالوی جی کی حویلی سے
تمہاری آبرو کا بھاؤ پانی سے بھی سستا ہے
دبائی جائے گی دکھتی ہوئی رگ حق پرستوں کی
بغل میں سنگھٹن داب ہوئے شدھی کا بستہ ہے

ستائش گر ہیں سیوا جی کے باباۓ خلافت بھی
جسے سمجھے ہیں راہ کعبہ ، وہ پونا کا رستہ ہے
گروکل ابتدا ہے ، اور خبر لاہور ہے اس کی
ادھر بجلی چمکتی ہے ادھر پانی برستا ہے

پڑا ہے سنگھٹن سے اور شدھی سے ہمیں پالا
ادھر اس بھڑ نے کاٹا ہے ادھر وہ سانپ ڈستا ہے

اس طرح مسلمان دو چکیوں میں پس رہے تھے ۔ ایک فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں ، دوسرے خود اُن میں اختلافات کے سبب انتہا پسندی کے نتیجہ میں ۔

مولانا ظفر علی خاں کی واپسی :

”مجلس خلافت پنجاب میں وہابی عنصر زیادہ تھا ۔ حجاز سے واپسی پر ہنگامہ بڑھ گیا ۔ سنی و وہابی دست و گریبان ہوگئے ۔ وہابیوں کے خیال میں سب قبے سرمایہ داروں کی سنگ دلی کا نتیجہ تھے ۔ عالم اسلام کے بوریہ نشین لوگوں نے اپنی زندگی میں نہ اپنے مکان میں پختہ اینٹ لگائی نہ کسی کے لگنے دی ۔ مولانا ظفر علی خاں کو ابن سعود کی موافقت میں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ۔ ان سب جھگڑوں کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ پنجاب مرکزی خلافت کمیٹی سے علیحدہ ہوا ۔ مولانا عبدالقادر قصوری اُس وقت جماعت کے لیڈر تھے ۔ جماعت اہل حدیث میں اُن کا خاص درجہ تھا ۔“[1]

چودھری خلیق الزمان بھی اسی خیال سے متفق ہیں : ”تحریک خلافت کے ختم ہونے کا ایک سبب تو خود ترکوں کا فیصلہ تنسیخ خلافت بھی تھا“[2] اور

---

۱ ۔ چودھری افضل حق : تاریخ احرار ۔

۲ ۔ چودھری خلیق الزمان : Pathway to Pakistan، ص ۱۵۰ ، طبع ۱۹۶۱ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان ابن سعود کی حمایت اور عدم حمایت بھی مذہب اور عقیدہ کا جزو بن گئی اس طرح تحریک خلافت ۱۹۲۶ء میں عملاً ٹوٹ گئی -

تحریک احرار :

بقول چودہری افضل حق : ''آخر کار مجلس خلافت کے اعلیٰ طبقے نے مسلم نیشنلسٹ پارٹی بنا لی اور ادنیٰ طبقے نے احرار کی بنا ڈالی ، مولانا ظفر علی خان اس دوسری پارٹی میں شریک ہو گئے - (اس کا سب سے پہلا جلسہ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانگرس کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ہوا مولانا ابوالکلام آزاد کی سرپرستی اس پارٹی کو حاصل تھی[1] ''۔

اس سلسلے میں دو اور بیان قابل توجہ ہیں - ایک بیان شیخ حسام الدین کا ہے[2] - کیونکہ وہ خود بھی احرار پارٹی کے سرگرم کا رکنوں میں سے تھے :

''بعض صاحبان نے مرکز کے دفتر کے حسابات اور بعض افراد کے متعلق نکتہ چینی کی - خصوصاً بعض پنجابی اراکین مرکز نے برہما کے فنڈ میں بلا اجازتِ مجلس تصرف کرنے پر کڑی نکتہ چینی کی اور یہ واضح کر دیا کہ خلافت ایک فرد کا نام نہیں بلکہ تمام اراکین کی متفقہ آراء کے نچوڑ کا نام ہے -''

چوہدری خلیق الزمان نے لکھا : '' جس کے نتیجہ میں مولانا ظفر علی خان ، غازی عبدالرحمان ، چودھری افضل حق ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ، مولانا داؤد غزنوی ، مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی ، مولانا مظہر علی اظہر اور سب سے زیادہ مولانا عبدالقادر قصوری نے خلافت کو چھوڑا اور ایک نئی پارٹی بنالی''[3]۔ اس طرح پنجاب کی خلافت پارٹی کا نیا نام مجلس احرار قرار پایا جس نے آگے چل کر پنجاب کی سیاست میں بڑا حصہ لیا -

---

۱ - مولانا ابوالکلام آزاد ۱۹۲۳ء سے کانگرس سے وابستہ ہو گئے تھے - تحریک خلافت کے بعد احرار کی تنظیم میں اُن کا بڑا ہاتھ تھا - خود مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی میں بھی انتہائی مخالفت تھی - وہ امام الہند کی سیادت اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتے تھے مولانا ابوالکلام آزاد کا نہرو رپورٹ کے منظور کرانے میں بڑا ہاتھ تھا اور مولانا محمد علی جوہر نہرو رپورٹ کے سخت خلاف تھے

۲ - بیان شیخ حسام الدین : ۲۷ اگست ۱۹۲۷ء ، زمیندار لاہور -

۳ - چودھری خلیق الزمان : Pathway to Pakistan ، ص ۱۵۰ ، طبع ۱۹۶۱ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سائمن کمیشن کی آمد :

۱۹۲۷ء کے آخر میں سائمن کمیشن کی آمد آمد کا شور و غل ہوا : ''اور اس کمیشن نے ۳ فروری ۱۹۲۸ء کو بمبئی کے ساحل پر قدم رکھا''[1] زمیندار لاہور نے اس کی آمد کے موقع پر اپنے ایک اداریہ میں لکھا :

''جو مواعید مدبرین برطانیہ نے اس وقت ہندوستان کے فریب خوردگان سے کیے تھے وہ برلنی پرزۂ کاغذ سے زیادہ اہم اور وقیع ثابت نہیں ہوئے اور جونہی آتش جنگ کے شعلے فرو ہوئے انگریزوں کی دیرینہ ہوس استعمار میں جان پڑ گئی ۔ انھوں نے ہندوستان کو آزادی عطا کرنے کے بجائے اس کی زنجیروں کو اور بھی مضبوط کرنے کا تہیہ کر لیا اور اس کے متعلق جو کارروائیاں عمل میں آئیں اس سلسلہ کی ایک کڑی سائمن کمیشن ہے[2]۔ ''

۹ مارچ ۱۹۲۸ء کو لاہور میں سردار کھڑک سنگھ کی زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا ظفر علی خاں نے اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا کہ :

''کمیشن کے تقرر سے ہندوستانیوں کی سخت تذلیل ہوئی ہے اور ہندوستان کی خودداری کا یہی تقاضا ہے کہ وہ اس کا مقاطعہ کریں ۔ ایسے ممالک جن کی آبادی اسی لاکھ یا ایک کروڑ ہے انھیں بھی آزادی کا حق حاصل ہے اور وہ جو آزادی حاصل کر چکے ہیں (بلکہ ترکی نے یورپ کو تگنی کا ناچ نچایا ہے) تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کی آبادی ۳۳ کروڑ ہے ، غلامی کی لعنت میں گرفتار ہے؟ ۱۹۲۰ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو اتحاد ہوا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جی حضوریوں کا ناطقہ بند ہو گیا اور حکومت کی چولیں ہلنے لگیں ۔ ازاں بعد حکومت کی طرف سے ملک میں افتراق پیدا کر دیا گیا اور فرقہ وارانہ تنازعات پیدا ہوئے ۔ جی حضوریوں کی بن آئی ۔ سرکار پرستی اور زور پکڑنے لگی آخر کار سائمن کمیشن کے تقرر کے بعد ہوا کا رخ بدلا اور ہندوؤں و مسلمانوں کے درمیان اتحاد ہوگیا — اب ملک کی مقتدر جماعتیں کمیشن کے

---

۱ - جی الانہ : قائداعظم (انگریزی کتاب) ، ص ۱۹۶ ، طبع ۱۹۶۷ء فیروز سنز کراچی ۔

۲ - اداریہ زمیندار اخبار لاہور ، ۹ فروری ۱۹۲۸ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقاطعہ کا فیصلہ کرچکی ہیں ۔ اس سلسلہ میں ۳ فروری ۱۹۲۸ء کو ہندوستان کے تمام مقامات پر ہڑتالیں ہوئیں ، لیکن لاہور میں نہیں ہوئی ۔ اس واقعہ نے پنجاب کے دامن پر ایک دھبہ لگا دیا ہے ۔ اب آپ اس داغ کو دور کریں۔"

یہی وجہ تھی کہ جب سائمن کمیشن ۱۰ مارچ ۲۸ء کو لاہور پہنچا تو ایک طرف سرکاری استقبال کرنے والوں میں سر محمد شفیع ، سر عبدالقادر ، سر محمد اقبال ، میاں شاہ نواز ، سردار حبیب اللہ ، راجہ نرندر ناتھ ،کپتان سکندرحیات ، نواب مظفر خاں ، سر ظفر اللہ ، نواب محمد حیات خاں ، ملک مبارک دین وغیرہ وغیرہ تھے ۔ دوسری طرف تیس ہزار حامیان مقاطعہ کا پر جوش مظاہرہ تھا ۔ ماتمی سیاہ جھنڈوں سے کمیشن کا استقبال کیا گیا ۔

مولانا ظفر علی خاں نے کشمیری بازار میں ایک زبردست تقریر کی اور لوگوں کو شرم دلاتے ہوئے کہا :

"اس بازار میں تمام دکاندار مسلمان ہیں اور وہ سب کے سب دینی کتابیں فروخت کرتے ہیں ۔ ان کو چاہیے تھا کہ اسلام کی سیزدہ صد سالہ روایات جن کا درس انھیں کتب شریعہ کے ذریعہ دیا جاتا ہے ، ان سے سبق حاصل کرتے لیکن افسوس تم نے دنیائے آخرت کو بھول کر سرکار برطانیہ کو خوش کرنے کے لیے اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کی ۔"

واضح رہے کہ کمیشن کے مقاطعہ کے سلسلہ میں تمام صوبوں کی خلافت کمیٹیاں ، تمام سیاسی انجمنیں اور ملک کے اکثر مقتدرین جن میں مولانا ظفرعلی خاں ، مولوی عبدالقادر قصوری ، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی ، مسٹر جناح ، سر عبدالرحیم ، سر علی امام شامل ہیں سب مقاطعہ کی تائید میں تھے ۔
(خبر : زمیندار)

اگلے دن ۱۱ مارچ ۲۸ء کو باشندگان لاہور کا ایک اہم جلسہ ہوا جس کی صدارت مولانا ظفر علی خاں نے کی ۔ (جس میں ڈپٹی کمشنر اور پولیس کے رویہ کے خلاف احتجاج کیا گیا) ۔

مولانا نے اپنی تقریر میں کہا :

"ہمارا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ ہم نے سائمن کمیشن سے کہا کہ وہ الٹے پاؤں واپس چلی جائے ، ہمارا دوسرا جرم یہ تھا کہ ہم نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جی حضوریوں اور کاسہ لیسوں پر شرم کے نعرے کسیے ۔ ہمارے پاس ڈنڈے اور لٹھ نہیں تھے جن سے آن شورہ پشتوں کی کچھ تواضع آن کی قوم فروشی کی پاداش میں کی جاتی ۔ جس طرح ہمارے ساتھ کل سلوک کیا گیا لیکن کیا ہماری زبانوں پر بھی پہرہ بٹھا دیا جائے گا ؟ حکومت سن لے اور اچھی طرح سن لے کہ وہ ہم کو قید کر سکتی ہے ، پھانسی پر لٹکا سکتی ہے لیکن ہمارے دل سے آزادی کا تصور نہیں نکال سکتی ۔ میں نے کل بھی طالب علموں سے کہا تھا کہ پلیگ اور انفلوئنزا سے بھی ہزاروں مر جاتے ہیں ۔ کیا تم وطن کی آزادی کے لیے نہیں مر سکتے ـــــ اگر کوئی گاندھی جی کی ستیہ گرہ پر عمل پیرا ہو سکے یعنی انسان زمین پر لیٹ جائے اور ڈنڈوں ، گھونسوں اور لاتوں کی مار سہہ سکے ـــــ ورنہ انسان ہو کر تو تمہیں ایک نہ ایک دن اسلام کی تعلیم پر عمل کرنا پڑے گا ۔ اور انسانیت کے اولین حقوق سے کوئی جابر قوت تمہیں بجبر محروم کرے تو تمہیں اپنے حق کی مدافعت کرنی پڑے گی۔''

کمیشن ۲۱ مارچ ۱۹۲۸ء کو لاہور سے واپس چلا گیا ـــ
(جی الانہ ۔ قائداعظم ، ص ۱۹۸)

ادائیگی فریضہ حج :

۸ مئی ۱۹۲۸ء کو آپ نے ادائیگی فریضہ حج کے لیے رخت سفر باندھا تو شوق کی یہ کیفیت تھی کہ بقول آن کے : ''آج مجھ ذرہ بے مقدار کو بے تاب کر رہی ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے پندار کے صنم کدہ کو ویران چھوڑ کر دیوانہ وار حق و صدق ، اخوت و مساوات کی آس چہار دیواری کی طرف دوڑ پڑوں جس کے ساتھ تیرہ صدیوں سے ملت بیضا کی مرکزیت قائم ہے ـــ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا عازم ہوں جہاں ابھی تک اسلام کا قانون نافذ ہے ۔ جہاں شریعت مطہرہ کا حکم جاری و ساری ہے ۔ بیت اللہ پہنچ کر حضور خواجہ دو جہاں کے آستانہ پر بار یاب ہو کر میں تو مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگوں گا ـــ مجھے آمید ہے کہ مسلمان اپنی پنج وقتہ دعاؤں میں مجھے بھی نہیں فراموش کریں گے : ع

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

(ادرایہ زمیندار ، ۶ مئی ۲۸ء مطابق ۱۵ ذی قعد ۴۶ھ)

وہ ۲۰ مئی ۲۸ء کو وارد مکہ ہوئے (بحوالہ زمیندار، لاہور، ۳ جولائی ۲۸ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سفر (کے حال) کے تاثرات خود آن کی زبان سے سنیے :

''تین سال کے بعد ٢١ مئی ٢٨ء کو کبھی نہ فراموش ہونے والی صبح کو جب میں پہلی مرتبہ نماز فجر ادا کرنے کے لیے حرم میں داخل ہوا تو ایک عظیم الشان انقلاب کا دل افروز منظر تھا۔ نوے ہزار سے اوپر زائرین بیت العتیق اطراف و اکناف عالم سے اس گھر کا طواف کرنے کے لیے آ چکے تھے۔ صحن حرم نمازیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور کہیں تل دھرنے کو جگہ نظر نہ آتی تھی۔ ہر عقیدے ہر خیال کے مسلمان موجود تھے، اور جب اقامت کے لیے تکبیر کی آواز بلند ہوئی تو سب کے سب ایک امام کے پیچھے صف بستہ نظر آئے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث، قبوری و غیر قبوری، رفع یدین کرنے والے اور نہ کرنے والے، آمین بلند آواز سے پکارنے والے اور دبی زبان سے کہنے والے، سینے پر ہاتھ باندھنے والے، ناف پر ہاتھ باندھنے والے، ہاتھ کھلے چھوڑنے والے اور نہ چھوڑنے والے، امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے، رسول اللہ کو (خدا کی طرح) حاضر و ناظر ماننے والے اور نہ ماننے والے جنہیں صدہا سال سے کوئی طاقت ایک ساتھ ایک ہی وقت میں رب العزت کے دربار میں سر بسجود ہونے پر آمادہ نہ کر سکی تھی آج ایک امام کی اقتداء میں دوش بدوش کھڑے تھے۔''

وہ ٢٢ مئی ٢٨ء کو مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسمعیل غزنوی کے ہمراہ سلطان ابن سعود سے ملے۔ اپنے قلبی تاثرات کی ترجمانی کی اور آپ سے اس امر پر مبارک باد پیش کی کہ حجاز میں امن و امان مستحکم ہوگیا ہے۔ سلطان نے جواب میں مسائل حاضرہ پر گفتگو کی اور اسلام میں مغرب کے اثرات داخل ہونے پر سخت اظہار افسوس کیا :

''میں تہیہ کر چکا ہوں کہ دین پر مٹ جانے والے غیرت مند مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان حملوں کی مدافعت میں جان لڑا دوں گا جو مغرب کی طرف سے اسلام پر ہو رہے ہیں۔'' (زمیندار جولائی ٢٨ء)

ایک خط میں اختر علی خاں کو لکھتے ہیں :

''اس دوران سلطان ابن سعود سے تین چار دفعہ رسمی ملاقات ہوئی۔ بے حد تپاک سے پیش آئے۔ میرا ارادہ ہے کہ حج کے بعد جلالۃ الملک سے مل کر طائف بھی جاؤں، پھر مدینہ ہوتا ہوا مصر کا عزم کروں۔ وہاں سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان واپس چلا جاؤں ۔ اس وقت تک ایک لاکھ حجاج براہ بحر آ چکے ہیں ۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ امسال کل حاجیوں کی تعداد تین لاکھ سے اوپر ہوگی ۔''

(خط بنام اختر علی خاں مطبوعہ زمیندار لاہور ۹ ۲ جون ۱۹۲۸ء)

حرم اقدس میں حاضر ہو کر آن کی عقیدت بے حد بڑھ گئی ، اور وہ اس کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے :

''میں طول و عرض کشور میں آج یہ اعلان کر دوں گا
حرم کے ذرہ ذرہ پر نچھاور جان کر دوں گا

ہوا اسلام کا جو بال بھی بینکا ، تو دیکھو گے
ہزار ابن سعود اسلام پر قربان کر دوں گا

کتاب اللہ متن دیں ہے اور سنت شرح اس کی
میں ان دونوں سے ملت کی دوبالا شان کر دوں گا

بہا دوں گا خس و خاشاک کی مانند باطل کو
جہان کفر کی سب بستیاں ویران کر دوں گا

مرے خامہ کی گل ریزی کو موسم کی نہیں حاجت
میں پت جھڑ میں بھی گلشن کو بہارستان کر دوں گا''

(مرقومہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۸ء ، بہارستان ، ص ۱۴۲)

جب وہ میدان عرفات میں پہنچے تو یہ کیفیت مناجات ، دعاؤں میں بدل گئی ، اور درگاہ خداوندی میں یوں دست نیاز دعا کے لیے بلند کیے کہ سراپا نیاز بن گئے ، ان تاثرات کو بھی انھوں نے ایک نظم میں یوں قلم بند کیا ہے :

''پھر لگا یا رب مرے دل میں وہ اگلی سی لگن
میرے سر کو جذبۂ توحید سے سرشار کر

تلخیاں جتنی زمانہ کی ہیں ، سب سہنی سکھا
جان شیریں کو حریف لذت آزار کر

سینکڑوں طوفان ہیں پنہاں جس کی اک اک موج میں
اس سمندر سے مسلمانوں کا بیڑا پار کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو سزا چاہے انہیں دے لے کہ تو مختار ہے
لیکن اپنوں کو نہ غیروں کی نظر میں خوار کر

ہند کو بھی اے خدا ! قید غلامی سے چھڑا
اپنے گھر کا ہم کو بھی مالک بنا ، مختار کر"

(بہارستان ، ص ۳۲)

وہ سفر حجاز کے بعد ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ء کو مصر پہنچے گارڈن ہاؤس ہوٹل (Garden House Hotel) میں قیام کیا - مصر کے قیام کے دوران کھدر کا پاجامہ ، کھدر کا انگرکھا، سر پر رومی فلپاق اور پاؤں میں معمولی گرگابی پہنے ہوئے تھے - ابوسعید الہندی العربی کے ہمراہ جمعیت شبان المسلمین میں پہنچے ، اور رئیس جمعیۃ عبدالحمید بک سعید سے ملاقات ہوئی ، اس کے علاوہ مختلف اداروں کے سربراہوں سے ملاقاتیں کیں - مصری بنک کے سربراہ طلعت بک حرب کو توجہ دلائی کہ آپ ہندوستان آکر اپنی شاخیں بمبئی ، دہلی اور لاہور میں کھولیں - اس کے بعد وہ کتب خانہ خدیو (دارالکتب عربیہ) گئے ، اور شیخ خضر تولسی مہاجر عالم سے ملاقات کی ، اس کتاب خانہ میں اس وقت ڈھائی لاکھ کتابیں تھیں - کتب خانہ کے مدیر عمومی کا جب ان سے تعارف ہوا ، تو اس نے کہا :

"ہمارے یہاں جب کوئی علمی کتاب شائع ہوگی ، تو کتب خانہ کی طرف سے بھیج دی جایا کرے گی ، آپ بھی ہمارے کتب خانہ میں اپنا اخبار زمیندار لاہور بھیج دیا کریں"۔

اسی طرح مختلف علمی اداروں میں ان کا تعارف ہوا -

اسی اثنا میں پولیس کمشنر نے بلا کر ان سے کہا کہ آپ جلد مصر سے چلے جائیں ، اس لیے آپ ۹ اگست ۱۹۲۸ء کو وہاں سے روانہ ہوگئے، گویا مصر میں آپ کا قیام انگریز کو سخت ناگوار تھا ، اسی لیے تحکماً کہہ دیا گیا تھا کہ پہلے جہاز سے چلے جائیں ورنہ ملک بدر کر دیا جائے گا -

مصر کے اسلامی اخباروں نے آپ کی آمد پر پرزور الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا - الاخبار نے لکھا تھا :

"قد تو ان کا چھوٹا ہے مگر سر بڑا ہے - یہ شخص نپولین جیسا اولو العزم انسان ہے"۔

۱ - شائع شدہ زمیندار ، ۹ ستمبر ۱۹۲۸ء نمبر ۱۹۸ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا نے وہاں مسئلہ عربیہ پر ایک مضمون بھی لکھا تھا، جو الاخبار میں شائع ہوا تھا - ایک مضمون البلاغ میں بھی - وہاں ازہری طلبہ کی طرف سے ایک دعوت بھی دی گئی تھی ، جہاں البلاغ کے ارکان ادارت میں سے ایک صاحب محمود رمزی نے ایک قصیدہ آپ کے لیے پڑھا - اسی دوران نحاس پاشا سے بھی ملاقات ہوئی - اور ہندوستان کی طرف سے اہل مصر کو ہمدردی کا پیغام پہنچایا -

۹ اگست ۱۹۲۸ء کو مولانا وہاں سے روانہ ہو گئے ، اور ۲۳ اگست کو ہندوستان پہنچ گئے -

(بحوالہ زمیندار ، ۲ ستمبر ۱۹۲۸ء)

(۸ مئی ۱۹۲۸ء کو آپ لاہور سے روانہ ہوئے تھے ، اور ایک سو سات دن کے بعد یہ سفر اختتام پذیر ہوا) -

---

ملک برکت علی مرحوم نے ۲۲ اگست کو شملہ سے تہنیت دیتے وقت لکھا تھا کہ :

”سائمن کمیشن سے تعاون کرنے والوں نے ملک کے بہترین مفاد کو خطرہ میں ڈال دیا ہے - مجھے امید ہے کہ آپ ان حالات میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کریں گے ، اور یقین ہے کہ آپ اور مولانا عبدالقادر قصوری کی کوششیں قوم کو غداروں کے پیدا کیے ہوئے خطرہ سے محفوظ کر دیں گی -“
(بحوالہ زمیندار، لاہور ۲۵ اگست ۱۹۲۸ء)

واپسی پر انھوں نے ایک بیان میں کہا کہ :

”میں ۹ اگست کو مصر سے روانہ ہو کر ۲۳ اگست کو ہندوستان پہنچا ، تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابنائے وطن سائمن کمیشن کی ہند میں آمد کے مسئلہ پر بحث و تمحیص میں مشغول ہیں - یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ وطن سے میری غیر حاضری کے دوران کئی ایک صوبجاتی کونسلوں نے ملک کے مفاد سے غداری کی ہے اور انھوں نے سائمن کمیشن سے اشتراک عمل کا پروگرام بنا لیا ہے - لیکن بہرحال کونسلیں ساری ہندوستانی قوم کے مترادف نہیں ہیں - اور مرکز ہند اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوا - چنانچہ نہرو رپورٹ اس کی شاہد ہے - اگرچہ مجھے اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ مجھے ہندوستان کو نو آبادیات کا درجہ دینے کے سلسلے میں حکومت کی تجویز سے اختلاف ہے ، بلکہ مجھے اس تجویز سے مایوسی بھی ہوئی ہے - میں ہندوستان کے لیے مکمل آزادی کے حصول کا حامی ہوں ، کاش کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہرو کمیٹی کے اعتدال پسند ارکان اس امر پر غور کرتے کہ برطانیہ سے ہندوستان کے لیے نو آبادیات کے درجہ کی حکومت حاصل کرنا ایسا ہی مشکل ہے ، جیسا مکمل آزادی حاصل کرنا ۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم برطانیہ سے ایک بلند ترین نصب العین کے حصول کا مطالبہ کرتے ، تو اس میں کوئی نقصان نہیں تھا ۔"[1]

وہ ۲۶ اگست کو آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں شرکت کے لیے روانہ ہوگئے یہاں ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء کو ڈاکٹر انصاری کی صدارت میں جلسہ ہوا ، اور یکم ستمبر ۱۹۲۸ء کو واپسی ہوئی ۔

چودھری افضل حق لکھتے ہیں :

"ظفر علی ، ڈاکٹر عالم ، میاں سراج الدین نہرو رپورٹ کے مطابق مخلوط انتخاب کے حق میں تھے ـــــ ہندو ذہن بھی عجیب تھا، وہ نہرو رپورٹ کے حق میں بھی نہ تھے ، اور مسلمان کانگریسی کارکنوں کے مخلوط انتخاب کے خلاف اعلان کرنے کے بھی خلاف تھے، اسی لیے نہرو رپورٹ کو دریائے راوی میں غرق کرنے کے بعد لوگ جداگانہ انتخاب پر واپس چلے گئے ۔"[2]

اسی زمانے میں نہرو کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرتب کی تھی یہ رپورٹ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہی تھی، چنانچہ اس کے جواب میں قائد اعظم نے اپنے چودہ نکات پیش کیے تھے ۔[3] (کانگرس کمیٹی ۔ آل پارٹیز کانفرنس رپورٹ منعقدہ لکھنؤ ۲۸ اگست تا ۳۱ اگست ۱۹۲۸ء ۔

۱ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو سائمن کمیشن ریل کے ذریعہ دوبارہ لاہور پہنچا ، دوپہر کے قریب مظاہرین کا ایک جلوس کالی جھنڈیاں اٹھائے سائمن کمیشن گو بیک (Go back) کے نعرے لگاتا ہوا موچی دروازے کے باغ سے چلا ، جن راستوں پر جلوس نکالنے کی اجازت نہ تھی ، اس راستے کو چھوڑ کر یہ جلوس دہلی دروازے کی طرف گیا وہاں سے اس نے لنڈا بازار کا رخ کیا ۔ جلوس کی قیادت کرنے والوں میں لالہ لاجپت رائے ، مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالقادر قصوری اور کئی ہندو کانگریسی لیڈر بھی شامل تھے ۔

سٹیشن کے قریب خار دار تار لگے ہوئے تھے ، لیکن پھر بھی پولیس سے تصادم ہو گیا ۔ لالہ لاجپت رائے کے دل پر ایک ضرب لگی ، اس طرح شہر میں

---

۱ ۔ بحوالہ زمیندار ، لاہور ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء۔

۲ ۔ چودھری افضل حق ـــــ تاریخ احرار، ص ۱۰۰، لاہور ۔

۳ ۔ سید نور احمد: مارشل لا سے مارشل لا تک، ص ۹۱، طبع ۱۹۶۵ء، لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبردست مظاہرہ ہوا - جلوس میں ظفر علی خاں کے ساتھ ڈاکٹر ستیہ پال، گوپی چند بھارگو ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ، سراج الدین پراچہ ، مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی بھی تھے ، جلوس میں ایک لاکھ سے زائد افراد شریک تھے ، پولیس نے مشتعل جلوس کو روکنے کے لیے لاٹھی چارج کر دیا ۔ اس لاٹھی چارج سے مولانا ظفر علی خاں بھی سخت زخمی ہو گئے، پولیس برابر مظاہرین کو روک رہی تھی ، لیکن جلوس نے موچی دروازہ پہنچ کر جلسہ کا انتظام بھی کر لیا تھا ۔ اس جلسہ میں مولانا ظفر علی خاں اور دوسرے لیڈروں نے پرجوش تقریریں کیں ۔ لالہ لاجپت رائے نے بھی سخت چوٹ لگنے کے باوجود تقریر کی ، لیکن اس چوٹ کی وجہ سے صاحب فراش ہی ہو گئے اور وہ ١٦ نومبر ١٩٢٨ء کو سورگباش ہو گئے - مولانا ظفر علی خاں نے زمیندار میں ایک زبردست نظم لکھی جس کا ایک شعر درج ذیل ہے :

”ہر وہ ضرب اُس کے بدن پر جو پڑی لاٹھی سے
بن گئی دولت انگلشیہ کے تابوت کی میخ“

مولانا نے ١٧ نومبر ١٩٢٨ء کو اپنے اخبار میں اس غم کے موقع پر اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا :

”ہم بھی سو جان سے قربان ہوں جس آزادی پر
لاجپت رائے بھی تھا اس کے طلب گاروں میں

رکھی احرار نے اس ملک میں جس کی بنیاد
تھا وہ اس قصر فلک بوس کے معماروں میں

اس کی تقریر کو بخشی گئی تھی جو تاثیر
ہے کہاں وہ اثر انگریز کے سیاروں میں

بزم اغیار کی رونق وہ بڑھا دیتا تھا
چاند گویا نظر آتا تھا گھرا تاروں میں

اُس کے مرنے کی جگر پاش خبر آئی ہے
قوم کی قوم ہے آج اُس کے عزاداروں میں

لالہ باقی چمنستاں میں نہیں ہے ، نہ سہی
داغ تو اُس کا چمکتا ہے چمن زاروں میں

لوگ کہتے ہیں اسے کشتۂ تہذیب فرنگ
جو پلی ہے ستم و جور کے گہواروں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنگ لائے نہ کبھی خون شہیداں اک دن
یہی چرچا ہے ہر اک شہر کے بازاروں میں"

(مشمولہ : نگارستان ص ۸۷ کلام ظفر علی خاں)

پولیس کے آمرانہ رویہ نے لاہور میں خصوصاً، اور اسی طرح دوسرے شہروں میں عموماً لوگوں میں شدید جذبۂ نفرت پیدا کر دیا، اور یہ فضا ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصہ تک پھیل گئی۔ اس طرح خفیہ دہشت انگیزی کو موقع مل گیا اور اس جماعت نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں، یہاں تک کہ مرکزی اسمبلی میں بم پھینک کر پورے ملک میں سنسنی پھیلا دی۔ اسمبلی میں جو اشتہار پھینکے گئے تھے، اس میں برطانوی فوج اور حکومت کو ہندوستان سے نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔ گویا ۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۹ء دہشت پسندی کے سال تھے۔

ایک طرف ملک میں سیاسی خلفشار تھا، دوسری طرف خفیہ دہشت گرد جماعت اپنا کام کر رہی تھی، جس نے خود حکومت کو بوکھلا دیا تھا اور تیسری طرف شدھی اور سنگھٹن کی تحریکات نے ہندو مسلمانوں کے تعلقات کو بے حد خراب کر دیا تھا، ۱۹۲۷ء میں شردھا نند کا قتل اسی کا ردعمل تھا۔ یہاں تک کہ پھر ایک ہندو نے لاہور سے ایک سوقیانہ کتاب 'رنگیلا رسول' کے نام سے لکھنے کی جرأت کی، تو ایک پرجوش مسلمان غازی علم الدین شہید نے ناموس رسول کی حفاظت اور حرمت کے لیے راج پال ناشر کو اس کی اپنی دکان پر ہی قتل کر دیا۔ جسٹس دلیپ سنگھ نے غازی علم الدین کو سزائے موت کے لیے پھانسی کا حکم سنایا۔ اس فیصلے نے پورے پنجاب میں آگ لگا دی۔

یکم نومبر ۱۹۲۹ء کی پھانسی کے بعد آپ کے جسد خاکی کو بغیر نماز جنازہ میانوالی جیل میں دفن کر دیا گیا اور وارثوں کو لاش سپرد نہیں کی گئی۔ اس طرح سرکار کی فرعونیت اور حکام کے عدم تدبر کا شرمناک مظاہرہ ہوا۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو آپ مرحوم نے میانوالی جیل میں دار و رسن کو بوسہ دینے کی اجازت مانگی۔ چنانچہ جب آپ نے پھانسی کو بوسہ دیا، تو آپ (مرحوم) نے جیل کے مسلم ارکان کی طرف مخاطب ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا :

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

لاہور میں غازی علم الدین شہید کی یاد میں مسلمانوں کے مظاہرے ہوئے۔ جلوس اور ہنگامہ خیز جلسے نے شہر میں ہیجان برپا کر دیا۔ جب جلوس دہلی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دروازے میں زمیندار اخبار کے دفتر کے نیچے پہنچا۱ ۔ آپ (مولانا ظفر علی خاں) دفتر سے نیچے تشریف لائے اور فرمایا :

''آج شام ہندوستان کے متعلق برطانیہ کی حکمت عملی کا اعلان ہونے والا ہے ، ایسے وقت میں آپ مشتعل نہ ہوں''۔

آپ نے مزید فرمایا :

''میاں علم الدین نے راج پال کو انفرادی حیثیت سے قتل کیا ہے ۔ اسے اس کے لیے کسی جماعت نے نہیں اکسایا ۔ اس کا یہ فعل ایک اصول کے تحت تھا ۔ اور وہ اصول یہ کہ جو کوئی حضور صلعم کی شان میں گستاخی کرے اسے قتل کر دیا جائے ۔ اس نے اس اصول کو اپنے لیے بہتر سمجھا اور وہ یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس کی زندگی میں اس کے رسول کی توہین کرنے والا زندہ رہے ۔''

''آپ صبر و سکون کو ہاتھ سے نہ جانے دیں ، اور جس لغویت کا (مظاہرہ) ارتکاب حکومت نے کیا ہے ، اس کے سوا کسی دوسری قوم کو مطعون نہ کریں اور ایسے وقت میں جب کہ وائسرائے کا اعلان ہونے والا ہے ، ہمسایہ قوم سے بگاڑ کی وجہ پیدا نہ کریں''۔

آپ نے سوز میں ڈوبی ہوئی تقریر میں کہا ، اگر ہم اس طرح بے کس اور ناکس نہ ہوتے ، تو حکومت کو ہماری ایک نہایت ہی اہم درخواست ٹھکرانے کا موقع نہ ملتا ۔ اس نے ہائے استحقار سے ہماری یہ درخواست اس لیے ٹھکرا دی کہ وہ ہم سب کو بودا اور پست ہمت خیال کرتی ہے ، اور نا مرد رفیق سمجھتی ہے ۔ ہم سوائے اس کے کہ اپنا سر پیٹیں ، اور اپنے بخت خفتہ کو رو رو کر جگائیں ، اور کیا کر سکتے ہیں ۔ اگر ہندوستان آزاد ہوتا ، تو آسمان ہند کے نیچے بسنے والی سات کروڑ مخلوق کا جائز مطالبہ اس طرح نہ ٹھکرا دیا جاتا ۔ میاں علم الدین اس وقت حضور رحمۃللعالمین کی آغوش رحمت میں پہنچ چکے ہیں، اور ہم

---

۱ ۔ عبدالمجید قرشی مدیر ایمان ، پٹی اور ملک لال دین قیصر نے جلوس کو مولانا ظفر علی خاں کے اخبار کے دفتر کی طرف موڑ دیا تھا ۔

(نوٹ) مقدمہ ، علم دین بنام شہنشاہ اے آئی آر ۱۹۲۹ع لاہور میں جسٹس براڈ وے اور جسٹس جانسٹن نے اپیل کی سماعت کی تھی ۔ غازی کی عمر انیس بیس سال تھی ۔ دونوں ججوں نے اپیل خارج کر دی تھی ۔ بحوالہ، رپورٹ جسٹس محمد منیر ۱۹۵۴ع ، ص ۱۵۷ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلامی کی زنجیروں میں جکڑے اپنی مجبوری پر مرثیہ خواں ہیں۔ جب تک علم الدین کی لاش جو میانوالی میں امانت کے طور پر دفن کی گئی ہے، لاہور نہیں آ جاتی ہم پر خواب و خور حرام ہے، اور اس سقف نیلی فام کے نیچے فلک کج رفتار کی قبائے زرنگار پر جگمگاتی ہوئی قندیلوں کو گواہ بنا کر ہم کہتے ہیں، کہ انگریزی حکومت کے کارکنان قضا و قدر نے اگر کل شام تک علم الدین کی لاش فرزندان توحید کے سپرد نہیں کی، تو ہم سول نافرمانی کرتے ہوئے میانوالی جائیں گے اور وہاں سے لاش لا کر دم لیں گے ۱

تحریک احرار :

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مرکزی مجلس خلافت دو حصوں میں بٹ گئی اور ادنیٰ طبقے نے پنجاب میں احرار پارٹی بنا لی، اس پارٹی میں مولانا ظفر علی خاں شامل ہو گئے، اور مرکز سے تعلق توڑ لیا۔ اس کا پہلا جلسہ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانگرس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ہوا، اور مولانا ابوالکلام آزاد کی سرپرستی بھی اس کو حاصل تھی۔

مولانا غلام رسول مہر نے مولانا ظفر علی خاں کی تحریک خلافت سے علیحدگی کے تین بنیادی اسباب بتائے ہیں :

(۱) سلطان ابن سعود کو ملک الحجاز تسلیم کر لینا۔ جب کہ خلافت کمیٹی کے ریزولیشن کے مطابق یہ تھا کہ ساری دنیا کے مشورے سے حجاز میں ایک جمہوری نظام قائم کیا جائے۔ اسی اثناء میں اہل حجاز نے ابن سعود کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا — مولانا محمد علی کا خیال تھا کہ سلطان کو اس کا اختیار نہیں — پھر یہ بھی ہوا کہ سلطان ابن سعود نے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے اماکن مقدسہ کو منہدم کرا دیا حالانکہ کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں ان مقامات مقدسہ کا احترام ہے۔ اس امر سے مسلمانوں کے دلوں کو سخت ٹھیس پہنچی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے کہا کہ سلطان نے جو کچھ کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اس تجویز سے موتمر اسلامی کی تجویز خود بخود عملاً ناکارہ ہو کر رہ گئی تھی۔

(۲) پنجاب میں خلافت کمیٹی میں وہابی پارٹی کا زور زیادہ تھا، اس لیے وہ سلطان ابن سعود کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے نیز

۱۔ تقریر مولانا ظفر علی خاں لاہور۔ منقولہ از زمیندار لاہور یکم نومبر ۱۹۲۹ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۲۹ء میں مولانا ظفر علی خاں نہرو رپورٹ کے حق میں تھے ، مولانا ابوالکلام آزاد بھی مولانا محمد علی سے خفا تھے ، ادھر مولانا ابو الکلام آزاد کی سرپرستی بھی حاصل ہو گئی ۔ جب کہ مولانا ابو الکلام کانگرس میں غیر معمولی طور پر دخیل ہو چکے تھے ، اور وہ امام الہند کا خطاب اپنے لیے حاصل کرنا چاہتے تھے ۔ اس طرح مولانا ظفر علی خاں نے اپنے ہم خیال ساتھیوں کی مدد سے مرکزی خلافت سے چھٹکارا حاصل کر کے لاہور میں ایک نئی پارٹی 'احرار' پارٹی کے نام سے تشکیل کر دی تھی ۔ بحوالہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء ، ص ۱۰ :

''قوم پرست مسلمانوں کی ایک ٹولی نے کانگرس سے علیحدگی اختیار کر کے ۴ مئی ۱۹۳۱ء لاہور میں ایک جلسہ کر کے مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی۔''

(دیکھیے پوری تفصیل کے لیے رپورٹ حوالہ بالا جسٹس منیر رپورٹ)

(۳) افغانستان کا مسئلہ بھی اسی زمانے میں اٹھا ، ملک میں امان اللہ خاں والی افغانستان کے خلاف انگریزوں نے اپنی سیاست سے ایک طوفان کھڑا کر دیا ، اس طرح امان اللہ خاں کو قندھار سے پھر واپس آ کر کابل کو ترک کر دینا پڑا ، اور وہ ریل کے ذریعہ بمبئی چلے گئے ۔ یورپ سے نادر خاں بظاہر امان اللہ خاں کے لیے حالات درست کرنے کی خاطر کابل پہنچے اور راستہ میں جگہ جگہ انہوں نے اپنے آپ کو امان اللہ خاں والی افغانستان کا نمائندہ ظاہر کیا ۔ ظفر علی خاں بھی دل سے چاہتے تھے کہ امان اللہ خاں دوبارہ واپس آ کر تخت سنبھال لیں ۔ دوسری طرف مولانا محمد علی نادر خاں کی حمایت کرتے تھے ، اور مولانا ظفر علی خاں امان اللہ خاں کی ۔ کابل پہنچ کر نادر خاں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور وہ بادشاہ بن گئے ۔ مولانا ظفر علی خاں نے بڑی سختی کے ساتھ نادر خاں کی مخالفت کی ، زمیندار کے نمبر امان اللہ خاں کی حمایت میں نکالے ، انگریز ان کے اخبار کا پشتو میں ترجمہ کرا کے کابل بھیجتے تھے (تاکہ خود مولانا ظفر علی خاں کا وقار افغانستان میں گرا دیا جائے ۔) مولانا ظفر علی خاں نے نادر خاں کی بے حد مخالفت کی تھی ، وہ سمجھتے تھے کہ نادر خاں نے امان اللہ خاں سے غداری کی ہے اسی لیے جب کہ نادر خاں نے لاہور ریلوے سٹیشن پر امان اللہ خاں کو دوبارہ واپس لانے کا

---

۱ ۔ نوٹ : اس طرح مولانا ظفر علی خاں تقریباً ایک سال جیل میں رہے ۔ احرار تحریک ۱۹۳۱ء میں بنی تھی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعدہ کیا تھا ، اور یہ وعدہ ایفا نہ ہو سکا ، تو مولانا ظفر علی خاں نے اپنے اخبار کے ذریعہ امان اللہ خاں کو غازی بھی لکھا اور مخصوص نمبر نکالے ۔

بقول قاضی عبدالغفار افغانستان کا قضیہ جنوری ۱۹۲۹ء میں شروع ہوا۔ اور اکتوبر ۱۹۲۹ء میں انجام کو پہنچا[1] (چونکہ غازی امان اللہ خاں نے انگریزوں کو سیاسی شکست دی تھی ، اس لیے وہ موقع کے منتظر رہے کہ موقع ملنے پر امان اللہ خاں کو افغانستان سے نکال باہر کریں ،[2] اور ایسی قوت کو فرماں روا بنا دیں جو اُن کی پالیسیوں کی حمایت کرے ۔

پنجاب و سرحد میں پولیس کے مظالم اور سختیوں کی حد نہ تھی ، اگر کسی نے ٹوڈی بچہ ہائے ہائے کا نعرہ بھی لگا دیا تو پولیس والے اُسے پکڑنے دوڑ پڑے ، مولانا ظفر علی خاں اسی لیے سرحد کو سر زمین بے آئین کہا کرتے تھے ، اور قیدیوں پر جو مظالم ہوئے ، وہ انگریزی دور کی بدترین تاریخ ہے ۔ اور سچ بات یہ ہے کہ انگریزوں کی حکومت کا زوال ہی تھا ، جو وہ جیل کی چہار دیواری کے پیچھے سالہا سال تک کرتے رہے ۔[3]

۱۳ مارچ ۱۹۳۰ء کو جب مہاتما گاندھی نے ستیہ گرہ کا اعلان کیا تو ہندوستان کے ہر حصہ میں قانون شکنی کی تیاریاں شروع ہوگئیں ۔ اور پورا ہندوستان گویا نکل کر حکومت کے مقابلہ پر آ گیا ۔ بدیشی مال اور شراب کی دکانوں پر پکٹنگ شروع ہو گئی - سرکاری ملازموں نے نوکریاں ترک کرکے قومی تحریک میں شریک ہونے کا عملاً اعلان کیا ۔ قیدیوں سے جیل خانے بھی بھر گئے۔ پنجاب میں مولانا ظفر علی خاں ، ڈاکٹر محمد عالم ، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور وہ گروہ جو آگے چل کر احرار کے نام سے مشہور ہوا ، بھی قید و بند کا شکار ہوا ۔ یہاں تک کہ صوبہ سرحد میں تحریک سول نافرمانی کا اثر بالواسطہ بہت زیادہ ہوا ۔ حکومت نے خان عبدالغفار ، میاں احمد شاہ ، خان علی گل خاں اور سید لال بادشاہ وغیرہ کو گرفتار کر لیا اور سخت سزائیں دیں - اخبار پختون بند کرکے وہاں کی تحریک آتمان زئی کے مرکزی دفتر پر قبضہ کر لیا ۔

---

۱ ۔ قاضی عبدالغفار : حیات اجمل ، انجمن ترقی اردو ، علی گڑھ ۱۹۵۰ء ۔

۲ ۔ اشرف عطاء : چند شکستہ داستانیں، ص ۹۰ مکتبہ کاروان لاہور ۱۹۶۶ء ۔

۳ ۔ ان مظالم کی تفصیلی داستان کے لیے دیکھیے ۔ اشرف عطاء کی مندرجہ بالا کتاب ص ۸۶ تا ۹۶ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۳ مارچ ۱۹۳۱ء کو بھگت سنگھ راج دیو ، اور سکھ دیو کو پھانسی دے کر لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے دریائے ستلج کے کنارے جلا دیا گیا تھا ، بعض ہمدردوں کی خفیہ خبروں کے ذریعہ بھگت سنگھ کی بہن امر کور نے کچھ کھوج نکالا اور کٹی پھٹی انگلیاں ملیں ، جس کے نتیجہ میں لاہور میں ایک زبردست جلوس نکالا گیا، جو منٹو پارک میں جا کر ختم ہوا ۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس موقع پر فی البدیہ حسب ذیل اشعار پڑھے :

توانائوں کے بس میں ہے سر پائے حقارت سے
کروڑوں ناتوانوں کی تمناؤں کو ٹھکرانا

دبا دینا کسی مظلوم کی آہوں کو سینہ میں
کسی بے کس کو ساری عمر آنسو خوں کے رلوانا

ہے جن کے دل میں آزادی کی دھن ان نوجوانوں کو
وطن سے عشق کی بنیاد پر سولی پہ لٹکانا

بہا دینا کسی کی لاش کو ستلج کی موجوں میں
کسی کی لاش اٹک کے پار خاک و خوں میں تڑپانا

ملوکیت پرستوں کے لیے ، یہ سب کچھ آساں ہے
مگر دشوار ہے قانون فطرت کا بدل جانا

زوال اس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا ہے ٹالے سے
خود اپنی ہی رعایا سے پڑا ہے جس کو ٹکرانا

مکافات عمل سے گر وہ غافل ہیں ، تو بے شک ہوں
ہمارا کام تھا نیک اور بدی کا ، ان کو سمجھانا

(بہارستان ص ۳۵۷)

یہ جلوس انتہائی غم انگیز تھا ، اور مولانا ظفر علی خاں کے جذبہ حب الوطنی پر اس واقعہ نے بھی گہرا اثر ڈالا تھا ۔ اس لیے جس قدر ان کی مندرجہ بالا نظم انگریز دشمنی کی بین مثال تھی وہ اس دہشت پسندی کے دور میں کچھ کم اشتعال انگیز بھی نہ تھی - اور یہی ان کی خوبی کہیے یا اخلاقی جرأت کی بین دلیل سمجھیے ، کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے خواہ نظم میں ہو یا نثر میں ، وہ اس قدر اثر انگیز الفاظ میں کہتے تھے کہ جو حکومت برطانیہ کو ہلا کر رکھ دیتے تھے - چنانچہ اس موقع پر بھی تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"انگریزی حکومت نے جس کی چشم قہرمانی سے انصاف کی ضیاء ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوچکی ہے ، بھگت سنگھ ، راج گرو ، سکھ دیو ہی کو تختہ دار پر نہیں لٹکایا ، بلکہ اپنے استعمار کی لاش چوراہے میں لٹکا دی ہے - اس کا کوچ اب ڈھلتا ہوا سایہ ہے" -

ان الفاظ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس طرح انگریزوں کی سیہ کاریوں کو طشت از بام کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے ، ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے بعد دہشت پسندی کے واقعات اور بڑھنا ہی چاہیے تھے چنانچہ بڑھتے گئے -

اسی سال مارچ ۱۹۳۱ء میں گاندھی ارون معاہدہ ہوا اور وہ دوسرے لیڈروں کے ساتھ چھوٹ گئے - مولانا ظفر علی خاں نے ایک مجمع میں موقع کے لحاظ سے ارتجالاً دو شعر کہے ، مجمع لوٹ پوٹ ہوگیا - اور اگلے دن زمیندار میں پوری نظم چھپی :

ہے اس عقیدہ پہ ہند قائم ، کہ رام بھی ہے رحیم بھی ہے
ادھر الف واو میم بھی ہے ، ادھر الف لام میم بھی ہے

جب آئے ہم جیل میں تو ہم پر کھلا کہ یورپ ازل کے دن سے
دروغ گو بھی ہے ، حیلہ جو بھی ، کمینہ بھی ہے لئیم بھی ہے

سزا گناہوں کی دے چکا ہے ، جزا پشیمانیوں کی دے گا
کہ منتقم ہے خدا ہمارا ، مگر غفور الرحیم بھی ہے

وہ پیسے پیسے کا چند دن میں فرنگیوں سے حساب لے گا
لنگوٹی والا ہمارا گاندھی مہاتما بھی ہے سنیم بھی ہے

(حبسیات ، ص ۱۰۱)

سفر مدراس :

وہ ۱۸ ماہ جون ۱۹۳۱ء کو مدراس مدعو کیے گئے - وہاں ان سے حالات حاضرہ پر جو سوالات کیے گئے تھے ، ان کے جوابات ہندو مدراس اور جسٹس مدراس میں چھپے اس سلسلہ میں انھوں نے فرمایا : گاندھی جی کا گول میز کانفرنس کے لیے لندن جانے پر تیار ہو جانا ، اور پھر مسلمانوں کو یقین دلانا کہ ان کے تمام متحدہ مطالبات ، خواہ ان کی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو ، بلا شرط تسلیم کر لیے جائیں گے ، اور آخر میں یہ کڑی شرط لگا دینا کہ مسلمان پہلے سکھوں کے ساتھ سمجھوتہ کرلیں — یہ ایسی باتیں ہیں کہ جو خود دار مسلمانوں کے واجبی اعتراضات کا آماج گاہ ہونے سے بچا نہیں سکتی ہیں - مشکل یہ آن پڑی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ہم خود انتشار کی حالت میں گرفتار ہیں ۔ اگر ہم اس دور ابتلا میں اپنے سیاسی دماغ کا توازن بالکل ہی نہیں کھو بیٹھے ہیں تو ذیل کے مطالبات پر اتفاق ہو سکتا ہے :

۱ - پنجاب ، بنگال میں ہماری نیابت باعتبار تناسب آبادی ہونی چاہیے ، اورکسی حال میں اکثریت مبدل بہ مساوات یا اقلیت نہ ہونے پائے ۔

۲ - سکھوں کے ساتھ ہماری مفاہمت صرف اسی اصول کے ماتحت ہو سکتی ہے کہ سندھ بمبئی سے الگ کر دیا جائے ، اور اس میں مسلمانوں کی اکثریت برقرار رہے ۔

۳ - صوبہ سرحد کی آئینی حیثیت وہی ہو جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی ہے ۔

۴ - ہماری مجلس وضع آئین و قوانین میں ہمارا تناسب نمائندگی ۳۳ فی صد ہو ۔

۵ - اختیارات زائد مرکز کو نہیں ، بلکہ صوبوں کو ہونا چاہیے ۔

۶ - ہمارے شخصی قانون شریعت اور ہماری تہذیبی روایات کے تحفظ کے لیے ہندوستان کے آنے والے دستور اساسی میں آئینی گنجائش رکھی جائے ۔

۷ - نئے دستور کے نفاذ کے بعد (جو بگمان غالب وفاقی ہوگا ، اس سال تک جداگانہ طریقۂ انتخاب بدستور قائم رہے ۔

اور اس کے بعد اگر جد و جہد سے اصول رائے دہندگی بالغان تسلیم کر لیا جائے اور مخلوط ذریعہ انتخاب اس ملک کا قانون ہو جائے ، تو تمام جھگڑے خود بخود مٹ جائیں ۔[1]

کانگرس کے متعلق تاثرات :

وہ ۲۳ جون ۱۹۳۱ء کو مغربی مدراس کے دورے سے واپس پہنچے ، تو کانگرس کے متعلق اپنے تاثرات کے سلسلے میں ایک بیان میں فرمایا :

”میں ابھی ابھی جنوبی ہند اور مدراس کے دورے سے واپس آیا ہوں ۔ میں جیل سے رہا ہونے کے بعد ہندو مسلم اتحاد کے مقصد کےلیے نکلا جس سے زیادہ عزیز مقصد میرے نزدیک کوئی نہیں ۔ میں سب سے پہلے حیدر آباد پہنچا میرا خیال تھا کہ اس وقت تک اہل حیدر آباد کے حالات

۱ - بیان مولانا ظفر علی خاں ، دورۂ مدراس ۱۹۳۱ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بہت کچھ تبدیلی ہو چکی ہو گی مگر میں نے اپنے تین ہفتہ کے قیام میں ہر طرف بداطمینانی کے آثار دیکھے ، اور وہ لوگ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھے ، کہ نئے آئین میں ان کی حیثیت کیا ہے ؟ میرا خیال تھا کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں ۔ ریذیڈنٹ حیدر آباد کا اشارہ پاتے ہی مجھے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا گیا ۔ چنانچہ میں خاموش رہا ، اور میں نے کسی مظاہرہ میں حصہ نہیں لیا'' ۔

۸ جون کو اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ مملکتہ نے از راہ مرحمت مجھے شرف حضوری بخشا ایک گھنٹہ تک مجھے اعلیٰ حضرت کے حضور میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی ، حضور حسب معمول شفقت سے پیش آئے ۔ ۱۱ جون ۳۱ء کو ایک اسسٹنٹ کمشنر دفعتہً میرے پاس آئے اور اس بنا پر مجھے اسی شام کو یا دوسری صبح کو حیدر آباد سے چلے جانے کا حکم دیا ، کہ ریذیڈنٹ کی نظر میں میرا حیدر آباد قیام کرنا موزوں نہ تھا ۔

ہندوستان کے ایک شہری کی حیثیت سے میں نے محسوس کیا کہ اس حکم کو اپنی آزادی میں ایک ناقابل برداشت مداخلت تصور کروں ۔

(اس دورے میں وہ سرنگا پٹم بھی گئے ، اور سلطان ٹیپو کے مزار پر بھی آنسو بہائے) ۔

۱۹۳۱ء تک ظفر علی خاں اور مولانا شوکت علی دو الگ الگ محاذ تھے

مولانا ظفر علی خاں نے اگست ۱۹۳۱ء میں پھر مدراس کا سفر کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ :

''اسی زمانے میں مولانا شوکت علی بھی دورے پر تھے ، وہ کانگرس سے علیحدہ ہو چکے تھے ، اور اس کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے ، یہی مخالفت اُن کو بنگلور کھینچ کر لائی ۔ یہاں خلافت کے حامیوں کا ایک گروہ اُن کے ایما پر کانگرس کے راستہ میں ہر طرح کے روڑے اٹکائے ہوئے تھا ۔ جب میں بنگلور پہنچا ، اور مقامی کانگرس کے جلسوں میں شرکت کی اور تقریر بھی ، ان جلسوں کو درہم و برہم کرنے کے لیے سبھی طرح کے جتن کیے گئے ، مگر وہ سارے داؤ ہار گئے ۔ بنگلور کے سخن سرا اور سخن سنج حضرات نے فرمائش کی کہ حالات حاضرہ پر کوئی نظم ہونی چاہیے'' ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن کے ارشاد کا امتثال یوں کیا گیا :

ہندو کو چھوڑ کر وہ نصاریٰ سے جاملے
دیکھی جو گول میز ، تو نیت بدل گئی

انگریز کا زوال گوارا نہیں ہمیں
جو دل کی بات تھی ، وہ زباں سے نکل گئی

گالی کسی کو دی تو گھمایا کسی پہ لٹھ
خیر امم سے خوبیٔ علم و عمل گئی

تھا ایک انقلاب یہاں میرے ساتھ ساتھ
بنگلور کے خیال کی دنیا بدل گئی

(بنگلور ۴ ستمبر ۱۹۳۱ع) (نگارستان صفحہ ۷۹)

اُن کے لیے اُس زمانے میں کانگرس کے جلسوں میں شرکت ضروری تھی ، لیکن اسلامی تحریکات میں اُن کی عملی شرکت بھی اُن کے دین کا جزو تھی - وہ ایسے نیشنلسٹ مسلمان نہ تھے کہ جو کانگرس کے جلسہ میں سے نماز کے لیے نہ اُٹھیں اپنے دین کا تحفظ اُن کے دین کا جزو تھا ، چنانچہ جب کراچی میں کانگرس کے جلسہ کو نماز کے لیے ملتوی نہیں کیا گیا ۔ تو انہوں نے تمام تعلقات بالائے طاق رکھ کر جلسہ کا ہی بائکاٹ کر دیا ۔

مغل پورہ تحریک :

ستمبر ۱۹۳۱ع میں مغل پورہ انجینرنگ کالج کا سانحہ ہوا ، کالج کے پرنسپل نے اسلام اور بانیٔ اسلام کی شان میں گستاخی کی ، اس پر ”مسلم آوٹ لک“ نے کئی اداریے لکھے ، جب ان اداریوں کی بنا پر اُس کے ایڈیٹر کو گرفتار کر لیا گیا ، تو اس گرفتاری نے طلباء میں اشتعال پیدا کر دیا ۔ اور ہڑتال شروع ہو گئی - ۱٦ ستمبر سے ہزارہا طلبہ پکٹنگ کے خیال سے رات کو جلسہ کر کے جلوس کی شکل میں چل پڑے ادھر کالج کے میدان میں ایک طرف پولیس جمع تھی ، دوسری طرف والنٹیروں اور عامۃ المسلمین نے میدان ہی میں ڈیرے ڈال دیے تھے ، صبح ہوتے ہی رضاکاروں نے پکٹنگ شروع کر دی پولیس نے نہایت بے دردی سے پیٹا ، مولانا داؤد غزنوی جو سخت بیمار تھے ، مولانا غلام مرشد ، اور مولانا احمد علی کو جو طلباء کے ساتھ تھے ، گرفتار کر لیا گیا بعد میں مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری کو بھی - ملک لال دین قیصر کی سعی کے باوجود رضاکاروں اور طلباء پر پولیس کا تشدد اور زیادہ ہی ہوتا گیا ، اور طلباء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو لہو لہان کر دیا گیا ، مولانا ظفر علی خاں اسی روز صبح مدراس سے لاہور لوٹے تھے ، آپ سیدھے مغل پورہ پہنچے ، اور طلبہ کو عملی ہمدردی کا یقین دلایا اور کہا کہ چونکہ گورنر نے اسٹیشن پر ہی اُن سے ملنے کا پیغام بھجوایا ہے ، اس لیے میں اُن سے ملنے جا رہا ہوں امید ہے کہ جب تک پرنسپل غیر مشروط معافی نہیں مانگے گا ایجی ٹیشن جاری رہے گی -

مولانا نے فرمایا کہ میں ابھی ابھی آیا ہوں (۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو) اور گرفتاریوں کی اطلاع پر ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میں آپ کی خدمت میں آگیا ہوں - مجھے آپ حضرات کی خدمت میں یہی عرض کرنا ہے کہ مسلمان کا آگے بڑھتا ہوا قدم کسی حال میں ایک انچ پیچھے نہیں ہٹ سکتا - مگر میری خواہش ہے کہ اس پکٹنگ میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہوں ، اور کانگرس کے والنٹیرز بھی - اور میں اس کے لیے تحریک پیش کروں گا -

(بحوالہ زمیندار لاہور ۱۸ ستمبر ۱۹۳۱ء)

آپ گورنر سے ملے ، اور طلباء کے تمام مطالبات مان لیے گئے اور اُن کے خلاف انتقامی کارروائی روک دی گئی (یا) نہ کرنے کا وعدہ کیا گیا اور گرفتار شدگان کو رہا کر دیا گیا - گورنر سے ملنے کے بعد مولانا ظفر علی خاں اور رہنماؤں کی معیت میں اس فیصلہ کا اعلان کیا گیا ، —— چنانچہ پکٹنگ ختم کر دی گئی اور طلباء نے ہڑتال بھی ختم کر دی - چنانچہ آپ نے اپنے تاثرات اس تصفیہ کے بعد یوں ادا کیے :

ہوئیں تسلیم بے چون و چرا چٹکی بجاتے میں
شرائط ہم نے جتنی پیش کیں حکام کے آگے

کیا ہے کام وہ ہم نے خدا خوشنود ہو جس سے
ہوئی دنیا کی گردن خم ترے ہی نام کے آگے

سپر انگریز نے ہندوستاں میں ڈال دی آخر
بصد زاری خدا کے آخری پیغام کے آگے

تحریک کشمیر :

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو وادیٔ کشمیر میں قرآن مجید اور مسجد کی بے حرمتی کی گئی -

ستمبر ۱۹۳۱ء کے دوران ہی میں کشمیر میں نہتے مسلمانوں پر گولی چلنے کا واقعہ پیش آیا —— مہا راجہ کشمیر کے مسلسل ظلم اور ڈوگرہ گردی نے مسلمانوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دل ہلا دیے - مجلس احرار جانبازوں کی جماعت تھی ، جس میں پنجاب خلافت کے واقعی سرفروش شامل تھے ، اس جماعت میں سرفروشی کا جذبہ زیادہ تھا - تحریک عدم تعاون میں سختیاں برداشت کرنے کے عادی ہو چکے تھے اور حکومت کے خلاف تحریکوں میں مسلسل حصہ لے رہے تھے ، اس لیے مجلس احرار نے اس امر میں بھی پیش قدمی کی ، اور تحریک چلا دی - پہلی مرتبہ جو وفد مہا راجہ کشمیر سے ملنے گیا تھا، اس کو تو مہا راجہ کشمیر نے اطمینان دلا دیا تھا ، لیکن دوسری طرف اس نے گورنمنٹ برطانیہ سے مداخلت کی درخواست کر دی - حکومت برطانیہ نے مہا راجہ کی حمایت کی ، جس کی وجہ سے تحریک ایک سرفروشانہ مظاہرہ بن گیا ، اور لوگ سر سے کفن باندھ کر کشمیری مسلمانوں کی حمایت کے لیے ریاست کشمیر میں داخل ہونے لگے - (چنانچہ ۱۵ نومبر تک ۲۲۱۱۳ رضاکار گرفتار ہو چکے تھے) - مولانا ظفر علی خان نے ۱۳ ستمبر ۱۹۳۱ء بروز جمعہ شاہی مسجد میں ایک نو مسلم انگریز جلال دین سرنٹن کی جامع اور پر مغز تقریر کے بعد مولانا ظفر علی خان نے احرار کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا :

''کشمیر' کے مسلمان ریاست کے مسلم آزار بد دماغ حکام کے ہاتھوں ایک عرصے سے ہدف ناوک بنے ہوئے ہیں - مثل مشہور ہے کہ اگر اونٹ ایسے عظیم الجثہ حیوان کی پشت پر بھی تنکے رکھنا شروع کر دیں اور

۱ - بحوالہ زمیندار لاہور ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء -

نوٹ : بحوالہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء ، ص ۱۰ -

''احرار سب سے پہلے ۱۹۳۱ء میں تحریک کشمیر میں نمایاں ہوئے ، اسی سال ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو مولانا مظہر علی اظہر کی سرکردگی میں ایک سو رضاکاروں کا ایک جتھہ سیالکوٹ سے جموں کے راستے علاقہ کشمیر میں داخل ہو گیا - اس ڈرامائی اقدام سے احرار کی حیثیت نمایاں ہوگئی -''

''ڈوگرہ دربار نے کشمیری مسلمانوں کو انتہائی ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا اور مسلمانان پنجاب کو ان سے گہری ہمدردی تھی - جب اخباروں میں ان شکایات کے تدارک کے لیے مہم شروع ہوئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ جولائی ۱۹۳۱ء میں سری نگر میں بلوہ ہوگیا اور اس طرح احرار نے ۱۴ اگست کو یوم کشمیر منانے کا انتظام کیا - اور دوسرے دن باقاعدہ اعلان کیا کہ وہ کشمیری مسلمان بھائیوں کی حمایت میں تحریک شروع کر رہے ہیں -''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُس کی قوت تحمل کا لحاظ رکھے بغیر تنکے رکھتے چلے جائیں ، تو آخر کار ایک تنکا ایسا ہو گا ، کہ جس کے رکھتے ہی اُس کی کمر کی ہڈی ساری چور چور ہو جائے گی - ریاست کشمیر کے حکام نے غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے ، کہ کشمیر کا مسلمان ایسا اونٹ ہے کہ جس پر جور و استبداد کے تنکوں کا پہاڑ ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے ، وہ اسے بآسانی اٹھا لے گا - لیکن اُن کا یہ تجربہ غلط ثابت ہوا - بلکہ اُس نے اپنے طرز عمل سے برطانوی افواج کے لئے مداخلت کا موقع بہم پہنچایا - نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے مجاہدہ میں حیات تازہ پیدا ہو گئی - بیرون کشمیر کے مسلمانوں کو جب اس کا احساس ہوا کہ حکومت کشمیر مسلمانان کشمیر کو مٹا دینے پر تل گئی ہے ، تو وہ بھی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اور کفن سر سے باندھ کر نکل آئے ، اور جیوش کا سلسلہ شروع ہو گیا - ان امن پسند جیوش کے بعض سر فروش ارکان کے کان جب نیزے کی انی سے چھد گئے تو جوش اور بڑھا اور تحریک نے آل انڈیا حیثیت اختیار کر لی - ملک کے دور افتادہ حصوں سے مجاہدۂ کشمیر میں حصہ لینے کے لئے مسلمانوں کے جیوش آنے لگے اور تمام مسلمانان ہند آتش زیر پا ہو گئے-''

ایک دوسرے موقع پر آپ نے تقریر کرتے ہوئے ''وفاداران ازلی'' کی خوب خبر لی تھی کہ :

''آج مسلمانوں میں آزادی کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے - جسے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں دبا سکتی - آج لاہور کے گیارہ ٹوڈیان کرام کی ایک جماعت اُٹھتی ہے ، جو اپنے کاسہ لیسی کے مظاہرے پر تل گئی ہے اور کہتی ہے کہ انگریزوں سے نہ ٹکراؤ ، بلکہ اُس (انگریزوں) نے مسلمانوں کے اصرار پر مداخلت کی ہے حالانکہ یہ بہتان عظیم ہے - مجلس احرار جو مسلمانوں کے جذبات و احساسات کی صحیح ترجمانی کر رہی ہے اُس نے کبھی انگریزی مداخلت کا مطالبہ نہیں کیا - سر شفیع جیسے عافیت پسندان ازلی اُٹھتے ہیں ، اور انگریزوں کی خوشنودی مزاج کا پروانہ حاصل کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ انگریزوں اور مسلمانوں کا تصادم نہ ہو - مسلمان آج حریت کے جذبہ سے سرشار ہو کر سر سے کفن باندھ کر اُترا ہے وہ آزادی کے حصول میں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرے گا اور دنیا کو بتا دے گا وہ نوع انسان کو آزاد کرانے کے لئے پیدا ہوا ہے'' -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ دریافت کیا :

"مسلمانو ! بتاؤ کیا تم انگریز سے ڈرتے ہو - تم انہیں اپنے خیالات عالیہ سے تلعب کرنے کی اجازت دے سکتے ہو" ؟

(آوازیں) "نہیں ہرگز نہیں"۔

اس کے بعد انھوں نے فرمایا :

"مجلس احرار کے پیش نظر کشمیر میں ذمہ دار حکومت کا قیام ہے میں نے کشمیری نمائندوں کے اصرار پر ایک محضر نامہ تیار کیا تھا ، اس میں ذمہ دار حکومت اور اسمبلی کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا ، لیکن وزیر اعظم نے اس کے متعلق کہہ دیا کہ ہم اسے منظور نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے مہا راجہ کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے" ۔

مولانا ظفر علی نے دوران تقریر وزیراعظم کشمیر سے پوچھا :

"کیا آپ مہا راجہ کشمیر کو جارج پنجم بنانا چاہتے ہیں"۔[1]

مولانا ظفر علی نے اپنی ولولہ انگیز اور پرجوش تقاریر کے علاوہ اپنی صحافت اور اخبار سے تحریک کشمیر میں جو جان ڈال دی ، وہ خدمات آن کی ناقابل فراموش ہیں - آن کی پوری ہمدردیاں مجاہدین تحریک آزادئ کشمیر کے ساتھ تھیں -

بقول اشرف عطا "تحریک آزادی کشمیر میں چالیس ہزار مسلمان گرفتار ہوئے اور تیس کے قریب شہید ہوئے" ۔ اس تحریک کا عملاً فائدہ اس لئے نہ ہوسکا کہ ہندو تو مہا راجہ کشمیر کی ہمدردی میں خاموش تھا ، دوسری طرف سرکاری مسلمان نمائندگان حکومت نے انگریز کو خوش رکھنا ہی اپنا مطمح نظر رکھا ۔

انھوں نے مجلس احرار کے سرفروشانہ جذبے سے متاثر ہو کر کہا :

اگر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوئے
تو وہ اس عہد میں پنجاب کے احرار ہوئے

خیل باطل سے اگر بر سر پیکار ہوئے
تو وہ اسلام کے جانباز رضاکار ہوئے

---

۱ - تقریر مولانا ظفر علی خان ، زمیندار ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ع لاہور -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہڈیاں جن کی ہیں چونا تو لہو ہے گارا
قصر آزادی کشمیر کے معمار ہوئے

(بہارستان ص ۵۵۶)

یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے احساسات عوام کے دل کی آواز بن گئے تھے وہ جو کچھ سوچتے تھے وہی کہتے تھے ، اور جو کہتے تھے وہ بے باکانہ انداز میں کہتے تھے اور جچے تلے الفاظ شاعری کے سانچے میں ڈھل کر تاریخ کے اشارے بن گئے - ہندوستان کی تاریخ آزادی لکھنے والا ظفر علی خاں کی شاعری کو مجذوب کی بڑ یا وقتی ہنگامی شاعری کہہ کر اگر اُس سے چشم پوشی کرتا ہے،تو پھر تاریخ کا ہر واقعہ وقتی یا ہنگامی ہے اور جس طرح ہم مضٰی ما مضٰی کہہ کر اُس واقعہ کی اہمیت کو کم نہیں کر سکتے ، اسی طرح ان کی شاعری نے تاریخ کے جن دریچوں کو کھولا ہے ان دریچوں کو بند نہیں کیا جا سکتا ، یہ بات اور ہے کہ ہم اپنے ماضی کو بھلا دیں - حالانکہ حال کی عمارت ماضی کی سنگلاخ زمین پر ہی قائم کی جاتی ہے - اور ماضی کے رشتوں سے کٹ کر ہمارا حال یا ہمارے حال کی عمارت گویا ریت پر دیوار ہے - اور یہ سلسلۂ فکر ایک تہذیب کی یاد دلاتا ہے جس کے بل بوتے پر ہم زندہ ہیں اور جتنا ہم نے اسے اپنایا ہے ، اتنی ہی زندگی میں توانائی ملی ہے - وہ مسلمانوں کے اُن تمام مسائل اور مصائب کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مسلمانوں کو پیش آئے - اور اُس کا سبب یہی تھا کہ مسلمان پر کسی اور تہذیب کا رنگ نہ چڑھ سکا ، جو اسلام سے بعدالمشرقین رکھتی ہو - وہ کہتے ہیں :

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کان پور ہے
پیدا ہر ایک گوشہ سے شور نشور ہے

ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم بے کسی چور چور ہے

(بہارستان ۵۵۶)

ان کی عملاً ہمدردیاں مجلس احرار کے ساتھ رہیں یک تو یہ کہ وہ مجلس خلافت کے رکن تھے،اور پھر احرار کے نام سے نئی جماعت بناکر تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا - معاشی انقلاب لانے اور معاشی ناہمواری کی درستی کے لیے احرار کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروگرام بہت اچھا تھا ، چنانچہ کشمیر کی تحریک کی بنا پر مہا راجہ کشمیر پر دو گونہ دباؤ پڑا اور اس نے :

۱ ۔ تحقیقاتی کمیٹیوں کے تقرر کا اعلان کر دیا ۔

۲ ۔ دوسرا بڑا کام کوئٹہ کے ۱۹۳۵ء کے زلزلے میں متاثرین کی امداد کرنا ایک اہم نمایاں کام تھا ۔ آفت زدگان کے لیے جو غیر سرکاری طور پر کیمپ لگائے گئے تھے ، ان میں سب سے منظم اور خدمت گزار کیمپ احرار ہی کا تھا ۔

۳ ۔ تیسرے یہ کہ احمدیت کے خلاف تقریری تبلیغ ان کے مقاصد کا جزو بن گئی ۔ البتہ جو کام علمی لحاظ سے کیا جانا چاہیے تھا ، وہ کام نہ ہو سکا ۔ (یعنی علمی مرکز تبلیغ قائم نہ کیے جا سکے) اور صرف عوامی جلسے اس کی رد اور مداوا نہ بن سکے البتہ امرتسر میں مولوی ثناءاللہ صاحب نے اچھا علمی کام کیا اور ان کی خدمات ٹھوس تھیں ، لیکن دوسری طرف رد شیعیت میں بھی ان کی توانائیاں صرف ہوتی رہیں اور مناظرانہ صحافت نے مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچایا احرار کی تحریک میں مولوی مظہر علی اظہر کی خدمات ناقابل فراموش ہیں ، اور یہ اتحاد کا اچھا مظاہرہ تھا - اسی لیے مجلس احرار کو عوامی حلقے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی ۔

مسجد شہید گنج کا قضیہ :

حکومت پنجاب کے معاندانہ طرز عمل ، اور سیاسی بدعہدیوں کی مثال گوردوارہ ایکٹ ہے جس کو حکومت پنجاب کے ایک مسلم رکن(سر فضل حسین مرحوم) نے سرانجام دیا تھا ۔ بنیادی طور پر سر فضل حسین مرحوم نے مسلمانوں کے لیے (حقوق تسلیم کرانے کے سلسلہ میں ، اور مسلمانوں کو زیادہ ملازمتیں دلوانے میں) بڑا کام سر انجام دیا تھا ۔

۱۹۳۴ء میں ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد گوردوارہ کی متعلقہ عمارات کو پربندھک کمیٹی کی مقامی شاخ لاہور کے حوالہ کر دیا گیا تھا ۔ لنڈا بازار میں گوردوارہ کے ساتھ ایک ملحقہ عمارت میں مسجد بھی تھی ، جس پر رنجیت سنگھ کے زمانے سے سکھوں کا قبضہ تھا ۔ کمیٹی نے ۱۹۳۵ء میں پرانی عمارتوں کے انہدام کے ساتھ اس مسجد کو بھی مسمار کرکے نئی عمارتوں کی تعمیر کا پروگرام بنایا اور ۲۲ جون ۱۹۳۵ء کو مسجد کے گرائے جانے کا کام بھی شروع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا گیا ۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں اشتعال پھیل گیا اور اسی اشتعال پھیل جانے کے سبب ۲۸ جون ۱۹۳۵ء تک مسجد گرانے کا کام حکماً روک دیا گیا لیکن شہر کی فضا مکدر ہو گئی تھی ۔ اس زمانے میں ایس۔ پرتاپ سنگھ لاہور کا ڈپٹی کمشنر تھا ، جس کے غیر ہمدردانہ رویے نے حالات اور بھی خراب کر دیے ۔ مسلمانوں کی طرف سے مطالبہ تھا ، کہ عدالت کے فیصلوں سے انکار نہیں ، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ، کہ سکھ اپنے حقوق مالکانہ کا استعمال مسلم عوام کے جذبات سے بے نیاز ہو کر کریں ۔ حکومت اس عمارت کو مفاد عامہ کے پیش نظر معاوضہ ادا کرکے حاصل کر سکتی ہے ، اور محکمۂ آثار قدیمہ کے حوالے کر سکتی ہے ، یا کوئی راستہ اختیار کرکے فساد روک سکتی ہے ۔ حکومت نے اس پر غور کرنے کا وعدہ کیا ، لیکن عملاً اس سلسلہ میں کوئی کارروائی نہیں کی اور گورنر کی شہ نیز ڈپٹی کمشنر کی سازش سے سکھوں نے ۸ جولائی کو نصف شب کے وقت مسجد کی عمارت کو دوبارہ گرانا شروع کر دیا اور صبح تک اس کے گنبد گرا دیے گئے[۱] ۔ اگلے دن مسلمانوں میں اس واقعہ سے ہیجان کی شدت پیدا ہوگئی ، اور لوگ جوق در جوق جمع ہو کر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے چاروں طرف سے مسجد شہید گنج کی طرف روانہ ہو گئے ۔ شہر میں مکمل ہڑتال ہو گئی اور حالات نے یہاں تک رخ پلٹا ، کہ فوج طلب کر لی گئی لیکن بعض جیالے فوجی سپاہیوں نے مجمع پر گولی چلانے سے انکار کر دیا ۔ ٹامی گوروں کو طلب کیا گیا ، جنہوں نے مجمع کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے بندوقیں تان لیں ، نوجوان مسلمانوں نے اپنے سینے تان لیے ، آدھر سے گولیاں چلیں ، ادھر سے قدم آگے بڑھے ۔ وہ گولیاں چلاتے رہے ، یہ کھاتے رہے ، اور جام شہادت نوش کرتے رہے ۔

ہر مسلمان کے سینہ پر ، بازوؤں پر ، اور ٹوپیوں پر مختلف النوع سبز رنگ کے بلے لگے ہوئے تھے ، جن پر فدائی اسلام اور مسجد شہید گنج زندہ باد وغیرہ تحریر تھا ۔ یہ عظیم الشان جلوس دہلی دروازہ پر آ کر ختم ہوا اور رات کو جلسہ ہوا ، جس میں ملک کے چیدہ اور بہترین لیڈر شریک ہوئے ۔ اس جلسہ میں مسجد شہید گنج کی واگذاری ، نظر بندوں کی رہائی اور اخبارات کی

---

۱ ۔ ''خود مولانا ظفر علی خاں کو جو رپورٹ ایک مسلمان انسپکٹر پولیس کے ذریعہ ملی ، اس سے پتہ چلا کہ مسجد کے گنبد پر سب سے پہلے پنجاب سی آئی ڈی پولیس کے سکھ سب انسپکٹر نے کدال چلائی تھی ۔''
گویا حکومت کا واضح ترین اشارہ تھا ۔ (بحوالہ شورش کاشمیری : حالات عطاء اللہ شاہ بخاری طبع ۱۹۵۶ء ، ص ۹۳) ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمانت کی واپسی کے مطالبات تھے ۔ آخر کار جھتوں کی تحریک کمزور پڑ گئی تاآنکہ فروری ۱۹۳۶ء میں قائداعظم مسٹر جناح نے لاہور آکر اسے قطعی طور پر ختم کر دیا ۔[1]

تحریک تحفظ مساجد (اتحاد ملت) :

۱۹۳۵ء کے آخر میں ایک نئی تحریک یا مجلس کا قیام عمل میں آیا ۔ جس کے صدر مولانا ظفر علی خاں اور سیکرٹری ملک لال خاں تھے ، جنھوں نے مجلس احرار (سرخ پوشوں کی جماعت کے مقابل نیلی پوشی اختیار کی تھی) ذیل کے بیان سے مجلس اتحاد ملت کی تاسیس ، اور ان کے کونسلوں میں جانے کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے ۔[2]

''مسجد شہید گنج کے انہدام اور اس پر نہ صرف مسلمانانِ پنجاب بلکہ مسلمانانِ ہندوستان کے اضطراب ، اور حکومت پنجاب کے بھیانک مظالم ، سکھوں کی بے تدبیری ، مسلمانان لاہور کی عدیم المثال فدویت و جاں سپاری ، ہندو پریس کی فتنہ انگیز روش ،بعض اسلامی جماعتوں کی کھلی ہوئی اسلام دشمنی اور بعض کا مجرمانہ سکوت ،مسئلہ کی عام نوعیت شرعی ، ان تمام امور نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کی مساجد جو ان کے نزدیک شعائر اللہ کا حکم رکھتی ہیں ، اور ان کے اوقاف آئندہ کے لیے بالکل محفوظ نہیں ہیں اور مسلمانوں کی موجودہ سیاسی جماعتیں آن کو سلجھانے میں سخت ناکام رہی ہیں اس لیے بجا طور پر اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسی جماعت معرض وجود میں آئے ، جو مسلمانوں کے شعائر کی حفاظت کا انتظام کرے ۔ مسجد شہیدگنج کا انہدام صرف ایک مسجد کا انہدام نہیں ہے ، اور اس کے انہدام کی نوعیت نے یہ امر بالکل واضح کر دیا ہے کہ ہندوستان کی کوئی جماعت حکومت کی کھلی حمایت یا پر سکوت استرضا پا کر مسلمانوں کے معابد اور دوسرے جماعتی اوقاف پر جبراً متصرف و قابض ہو سکتی ہے ، اس لیے ضرورت ہوئی کہ آزاد و سرفروش مجاہدین کی ایک ایسی جماعت کھڑی ہو جو اس اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لے ۔''

مجلس اتحاد ملت یقیناً یہ مقصد لے کر میدان عمل میں گامزن ہوئی ہے ، چنانچہ اس وقت تک اس نے جو کام اس سلسلہ میں کیا ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ

---

۱ ۔ سید نور احمد : ''مارشل لاء سے مارشل لاء تک'' ص ۱۷۱ طبع ۱۹۶۶ء لاہور ۔

۲ ۔ انتخابی منشور ، شائع کردہ مجلس اتحاد ملت ۔ میکلوڈ روڈ لاہور ۱۹۳۶ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آغاز تحریک میں مجلس کے بعض معزز ارکان نے سکھ نمائندوں سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اُن کی افہام و تفہیم میں کسی قسم کی کسر اٹھا نہ رکھی ، مسلمانوں کے استحقاقات ، قومی جذبات اور نتائج ان کے سامنے رکھے گئے ۔ لیکن جب سب چیزیں بے اثر ثابت ہوئیں تو وفد کی شکل میں حکومت پنجاب کو اس مسئلہ کی اہمیت سے روشناس کرایا گیا ۔

حکومت پنجاب کے امید افزا جواب اور اس کے بعد کا کھلا ہوا معاندانہ طرز عمل سیاسی بد عہدیوں کی ناقابل فراموش مثال ہے ۔ مسجد گرا دی گئی ، اور رہنماؤں کو غیر معین مدت کے لیے مختلف مقامات میں نظر بند کر دیا گیا ۔ اس کا نتیجہ اس قیامت صغریٰ کی شکل میں نمودار ہوا جو لاہور میں بیس اور اکیس جولائی ۱۹۳۵ء کو دہلی دروازہ کے باہر دنیا نے دیکھا ۔ یہ واقعہ جہاں ایک طرف حکومت انگریزی کے خونیں مظالم کی بدترین مثال ہے ، دوسری طرف مسلمانوں کی حیرت انگیز شجاعت و بسالت ، بے نظیر خلوص و صداقت اور عدیم المثال فدویت و جاں نثاری کا ایک نہ مٹنے والا مرقع ہے ۔ مسلمانان لاہور نے اس امر کو ثابت کر دیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی ناموس کے بچانے کی راہ میں ان کا خون کس قدر ارزاں ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ سول نافرمانی کی پوری تحریک مسلمانان لاہور کے صبر و عزیمت کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ، مسجد شہید گنج کی بازیافت کے لیے یہ پہلا اور سب سے بڑا قدم تھا ، جو اٹھایا گیا ۔ ماضی مستقبل کا آئینہ دار ہوتا ہے ، اس لیے ناگزیر ہے کہ ایک ایسی جماعت مستقلاً موجود رہے ، جو ایسے حالات میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کر سکے ، اس راہ میں دوسرا قدم عدالتی چارہ جوئی تھا ، جو محترم ڈاکٹر شیخ محمد عالم بیرسٹرایٹ لا کے زیر سرکردگی اٹھایا گیا ۔ انھوں نے جس قابلیت اور استعداد اور جس محنت و جانفشانی کے ساتھ اس فرض کو سرانجام دیا ، اس کا اعتراف اغیار تک کو ہے ، الفضل ما شہدت بہ الاعداء ۔ گو عدالت ماتحت نے فیصلہ ہمارے خلاف کیا ۔ تاہم ڈاکٹر صاحب کے مہیا کردہ قانونی نکات کو بطور حقیقت ثابتہ تسلیم کر لیا ہے ، اور صاف صاف اعتراف کیا کہ گوردوارہ ایکٹ مسجد کی واپسی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔

لیکن یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے جس کے انکشاف کا یہ موقع نہیں ہے کہ گوردوارہ ایکٹ کے مرتب کرنے کا فریضہ مقدسہ بھی حکومت پنجاب کے ایک مسلم رکن نے سرانجام دیا ، اور سب کمیٹیوں وغیرہ میں منظور کرانے کی اسلامی خدمات میں بھی اس وقت کے تین مسلم ارکان حکومت نے خاص حصہ لیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بایں وجوہ وہ مسلمان ہیں ، اور مسلمانوں کے ایک بہت بڑے فرقہ کے فرد فرید ہیں ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

عدالتی چارہ جوئی کے پہلے روز ہی سے یہ چیز طے کر لی گئی تھی ، کہ اس مقدمہ میں پریوی کونسل سے ورے دم نہیں لیا جائے گا ۔ اب مسٹر سیل کے فیصلہ نے جماعت کے اس فیصلہ کو پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کر دیا ہے ، اور جماعت پر سب سے پہلے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اس مسجد کی بازیابی میں ایک تیسری اور اہم راہ یہ بھی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے غیور و فہیم فرزندان کی ایک وقیع جماعت کو آئندہ اسمبلی میں بھیجا جائے جو گوردوارہ ایکٹ کی مناسب ترمیم کرائیں ۔''

۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء کو موچی دروازہ کے باہر سہ پہر کو جلسہ ہوا ۔ مولانا ظفر علی خاں کا اس جلسہ سے خطاب تھا ۔ بلاشبہ وہ صف اول کے مقررین میں سے تھے ۔ اور ان کی تقریروں نے اس تحریک کو عوامی رنگ بخش دیا تھا ، اسی لیے انھوں نے دس ہزار والنٹیرز بھرتی کرکے سول نافرمانی کی دھمکی بھی دے دی تھی - انھوں نے اپنے تاثرات کا تقریر میں اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم نے احرار لیڈروں کو اس جلسہ میں لانے کی بہت کوشش کی ، لیکن انھوں نے آنے سے انکار کر دیا ۔ (ہو سکتا ہے کہ اس کے وجوہات میں کانگرس کا دباؤ شامل حال ہو) احرار کے اس عدم تعاون کے جواب میں مولانا ظفر علی خاں نے (احرار کے سرخ پوشوں کے مقابل) اپنے رضا کار پیش کرنے کے لیے نیلی پوشوں کی جماعت تیار کی ، احرار کے رضا کار انقلابی تحریک کے سبب سرخ پوش تھے ، اور کامریڈ کہلاتے تھے ، یہ رضا کار ان کے جواب میں رفیق کہلائے . اسی شب کو (۱۲ ، ۱۳ جولائی کی درمیانی شب) حکومت نے چار افراد میاں فیروز الدین ، سید حبیب مدیر سیاست ، مولانا ظفر علی خاں اور ملک لال خاں کو نظر بند کرکے مختلف مقامات پر بھیج دیا ، اور اگلے دن پبلک جلسوں پر پابندی لگا دی گئی ۔

مجلس احرار نے جس مصلحت سے کام لیا تھا ، اور خود جس طرح اپنے بڑے مقرر ، عظیم مجاہد اور صف اول کے رہنما کے ساتھ عدم تعاون کا مظاہرہ کیا تھا ، ان کی اس مصلحت نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ، ادھر سرکاری ٹوڈی والوں نے سرکار پرستی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا، اس طرح پنجاب

---

۱ - از پمفلٹ شائع کردہ مجلس مرکز یہ : ''اتحاد ملت کا انتخابی اعلان'' ستمبر ۱۹۳۶ء طبع لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے ۔ اور بقول سید نور احمد اگر مجلس احرار اس موقع پر رہنمائی کا فرض ادا کرتی ، تو اس کو اتنی عدم مقبولیت حاصل نہ ہوتی جو ہوئی[۱]۔

۱۹ جولائی کو نماز جمعہ کے بعد شاہی مسجد میں اختر علی خاں (خلف مولانا ظفر علی خاں) نے اس موقع پر جذبات انگیز الفاظ میں پیغام دیا ، اور اس بیان کو مولانا ظفر علی خاں سے منسوب کر دیا گیا :

''کعبہ کی بیٹی کی بے عزتی سکھوں کے کدالوں سے ہوئی ، اور اب اس کی ناموس مسلمانوں کو پکار پکار کر بلا رہی ہے''۔

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ ہی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے کافی تھے ۔ لہٰذا مجمع اسی قسم کی تقریروں کے بعد مسجد شہید گنج کی طرف چل پڑا ۔ پولیس دھرنا دے کر سڑکوں کے چاروں طرف بیٹھ گئی ۔ آخر بڑی مشکل سے اختر علی خاں کے ذریعہ مولانا ظفر علی خاں کے پیغام کو بحلفیہ لوگوں تک پہنچایا گیا کہ سب مسلمان منتشر ہو جائیں ، اور اندرون شہر چلے جائیں[۲]۔ چنانچہ لوگ اندرون شہر چلے گئے ، اور مسجد وزیر خاں میں جمع ہوگئے اور پھر وہاں سے پانچ پانچ آدمیوں کے جتھے دہلی دروازہ کی طرف سول نافرمانی کے لیے بھیجے گئے[۳]۔

تحریک کے سرفروش رہنما تو قید کر لیے گئے (اور مجلس احرار خاموش رہی ۔ اور سرکاری ٹو ڈی حکومت کی رضا جوئی کو اپنا فرض سمجھ رہے تھے) ۔ ۲۰ جولائی کو مسلمان دہلی دروازہ کے چوک میں خاک و خون سے ہولی کھیلتے رہے ۔ اور انہیں کوئی ہمدرد اور رہبر نہ مل سکا ۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سول نا فرمانی کی تحریک مسلمانان لاہور کے صبر و عزیمت کی مثال ہے ، اور مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں یہ پہلا قدم تھا جو اٹھایا گیا تھا ۔

مسجد کے انہدام کو روکنے کے لیے دوسرا قدم قانونی چارہ جوئی تھا ۔ (لیکن گوردوارہ ایکٹ مسجد کی واپسی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا تھا)اس کے لیے میاں عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر عدالت سے حکم امتناعی حاصل

---

۱ ۔ سید نور احمد : مارشل لا سے مارشل لا تک ، ص ۱۷۰ طبع لاہور ۶۵ء ۔

۲ ۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ مولانا ظفر علی خاں ابھی اپنے گھر نظر بند تھے ۔

۳ ۔ اشرف عطا : شکستہ داستانیں ، ص ۲۳٦ طبع ۱۹٦٦ء لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لیے فیصلہ کیا گیا ۔ اور مولانا اختر علی کو یہ درخواست مرتب کرکے دی گئی ، ابھی یہ درخواست داخل نہیں کی گئی تھی کہ حکومت نے ایک اور حربہ اختیار کیا کہ ڈپٹی کمشنر (ایس ۔ پرتاپ سنگھ) اور سٹی مجسٹریٹ (سردار نریندر سنگھ) کے ذریعہ انہدام کی کارروائی روک دینے کا وعدہ مولانا اختر علی خاں سے کیا ، خدا جانے ان کے الفاظ میں کیا جادو تھا ، کہ وہ اس وعدے پر مطمئن ہوگئے ۔ اور متعلقہ درخواست برائے حکم امتناعی عدالت میں داخل نہ کی جا سکی ، اور بقول شورش کاشمیری : ''یہ درخواست آن کی جیب ہی میں رہی ، اور مسجد مسمار کر دی گئی''۔[1]

اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے پیر جماعت علی شاہ امیر ملت مقرر کیے گئے ۔ ۹ نومبر ۱۹۳۵ء (مطابق ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ) کو ایک عظیم الشان اجتماع ہوا ، جس میں باہر کے نمائندگان میں مولانا شوکت علی ، نواب محمد اسماعیل خاں ، مولانا غلام بھیک نیرنگ ، مولانا مظہرالدین مدیر الامان ، مولانا عبدالقدیر بدایونی (قابل ذکر ہیں) نے شرکت فرمائی ۔

آگے چل کر اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ :

''پنجاب کی وہ آمر و سرمایہ دار جماعت جو اپنی دنیوی ثروت و وجاہت کے اعتبار سے تمام چھوٹے درجہ کے زمینداروں ، کاشتکاروں پر مسلط ہے ، اور ملک کے حالات کے پیش نظر اس امر کو وہ خود بھی اچھی طرح بھانپ چکی ہے ، حکومت کا آلہ کار بنی ہوئی ہے ، تاکہ ان کی سرمایہ داری کو نقصان نہ پہنچے ۔ پنجاب کی سب سے بڑی سربرآوردہ جماعت فقط یہی ہے ، اور ان کی دوستی و دولت پروری معلوم ہے ۔ پنجاب میں گوردوارہ ایکٹ ،کریمنل لا ایمنڈ مینٹ ، پریس ایکٹ،بنگال میں کریمنل آرڈی ننس کے جابرانہ قوانین ، اور اس قسم کے تمام متشددانہ قوانین اپنے وجود میں آنے کے لیے انھی لوگوں کے شرمندۂ احسان ہیں اس جماعت کو کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ، اس کا مشترکہ مذہب سرمایہ داری ہے ۔ دنیوی ارتفاع کے سوا اس کا کوئی مقصد نہیں ، ان کی تمام تگ و دو (سرمایہ داری) کا مآل بجز نسل انسانی کو غلام بنانے کے کچھ نہیں ۔

---

۱ ۔ شورش کاشمیری : ''عطاء اللہ شاہ بخاری'' ص ۹۱ مطبوعہ چٹان لاہور طبع ۱۹۵۶ء مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ۔ ڈاکٹر عاشق بٹالوی : ''اقبال کے آخری دو سال'' طبع ۱۹۶۱ء اقبال اکیڈیمی ، کراچی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں میں سیاسی اعتبار سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی ذہنی اور دماغی استعداد کے اعتبار سے تو یقیناً اچھا ہے ، ملکی اور ملی مفاد کی کچھ گرمی بھی اس میں موجود ہے لیکن عزائم کی استواری اور ارادوں کی کمزوری ، ایثار و فدویت کی قلت ، ظروف و احوال کا پیدا کردہ جبن و خلق ان پر اس درجہ سوار ہے کہ وہ قدم بڑھاتے ہیں مگر پیچھے کو ہٹتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ کچھ کریں مگر خسران و زحمت سے ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں ، اگرچہ ان کی نیک دلی میں شبہ نہیں ۔

وہ جانتے ہیں کہ موجودہ آئین اپنے ظالمانہ قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں بالکل جھوٹ ثابت ہو رہا ہے ، نت نئے قوانین بن رہے ہیں ۔ ایسے قوانین کی روک تھام اور پرانے نافذ شدہ قوانین کی تنسیخ و ترمیم ان کا مقصد ہے ۔ ساتھ ہی مسلمانوں کی کلچر ، ان کی تہذیب اور ان کی حیات ملی و قومی کی حفاظت کو وہ وظیفہ مذہبی جانتے ہیں ، اور جب تک مکمل آزادی کا یہ نصب العین حاصل نہ ہو ، اس وقت تک تمام اداروں میں بطور محاسب و نگران شامل ہونا چاہتے ہیں ، جو قانون و اعتبار کا منبع و سرچشمہ ہیں ۔

یہی مجلس اتحاد ملت کے بنا کا سبب بنے ، اور پھر مجلس اتحاد ملت نے انتخابی پروگرام کو اپنے آئین میں شامل کرلیا''۔[1]

انہوں نے اس طرح اس نئی تنظیم (مجلس اتحاد ملت) کے سلسلہ میں جگہ جگہ دورے کیے ، اپنی تقریروں اور نظموں سے تحریک تحفظ مسجد کو زندہ رکھنے کے لیے بڑا کام کیا ۔ اور اس (نئی تنظیم) کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ اس سلسلے میں ان کی معرکۃ الآراء نظم درج ذیل ہے جس سے ان کے پرجوش جذبہ کا پتہ چلتا ہے ۔ (البتہ ایسی نظمیں پھر معرکہ آرائی میں تبدیل ہوگئیں جن کو ہم آئندہ پیش کریں گے) :

آزادیٔ مساجد ، آزادیٔ وطن ہے
ہے عالم آشکارا یہ اعتقاد ملت
اس فیصلہ کے آگے کیوں سب کے سر نہ خم ہوں
قرآں کی روشنی میں ہے جس پہ صاد ملت
وہ انجمن ہے جس کا نام اتحاد ملت
شکر خدا کہ اس پر ہے اعتماد ملت

---

۱ ۔ ملک لال خاں سیکرٹری اتحاد ملت: ''انتخاب، منشور'' طبع ۱۹۳۶ء لاہور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے رب کعبہ تیرا گھر آج اُجڑ رہا ہے
اُجڑا یہ گھر بسا کر بر لا مراد ملت

چھلنی ہیں گولیوں سے، اسلامیوں کے سینے
پہنچا ہے آسماں تک شورِ نہاد ملت

کشتوں کے لاکھ پشتے لگ جائیں گر، تو غم کیا
کرتا ہے گر تقاضا اس کا مفاد ملت

سن لیں یہ سننے والے، مسجد ملی نہ جب تک
اس وقت تک رہے گا جد و جہاد ملت

مسجد کی بازیابی ہے اصل کامیابی
جب سر مہم یہ ہوگی، ہم لیں گے داد ملت

ملت کے تفرقوں کو آسان ہے مٹانا
لیکن ہیں قادیانی وجہ فساد ملت

ملت اگر سمجھ لے، میں کون ہوں تو اب بھی
دونوں جہاں کی دولت ہے خانہ زاد ملت

مقام رنگون ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

طبع (چمنستان، ص ۱۲)

مولانا کی آویزشیں آہستہ آہستہ مجلس احرار سے بڑھتی چلی گئیں اور انھوں نے پے در پے مجلس احرار اور مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری، مولوی مظہر علی اظہر کے خلاف بے باکانہ نظمیں لکھیں اور اس طرح وہ مجلس احرار کی خوب خوب ہی خبر لیتے رہے مثلاً یہ شعر قابل توجہ ہے:

احرار کے بت خانہ سے مظہر کو بلا لا
منظور بنانا ہو جو مسجد کو شوالا

یہاں تک کہ کم سے کم دسمبر ۱۹۳۶ء تک متواتر اور مسلسل قطعات، نظمیں لکھی جاتی رہیں۔ ملاحظہ ہو:

برائے صدر مجلس احرار

دو غم ہیں جہاں میں، غم دزد و غم کالا
دونوں کا جنازہ مری غربت نے نکالا

خواہش ہے یہ لالہ کی، جپوتی لالہ کی مالا
مالا کا ہر اک دانہ ہو پھر لولوئے لالا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں صدر ہوں احرار کا ، ممدوح مرا ہے
اک پیسہ بھی جس نے مری کشکول میں ڈالا

برائے جنرل سیکرٹری مجلس احرار

کونسل کی الکشن کی بلا ہو گئی نازل
ٹوٹا ہے مرے سر پہ مصیبت کا ہمالا

وہ پانسو سندر مری فہرست میں ہیں درج
اسلامیوں نے جن سے ہر اک بت کو نکالا

گھنٹہ نہیں بجتا ہے مہادیو کا ان میں
ان سب میں ہمیشہ کے لیے پڑ گیا تالا

اب امیر شریعت احرار مولانا عطاءاللہ بخاری کے لیے بھی تاثرات ملاحظہ ہوں :

اک طفل پری رو کی شریعت فگنی نے
کل رات نکالا مرے تقویٰ کا دوالا
میں دین کا پتلا ہوں ، وہ دنیا کی ہے مورت
اس شوخ کے نخرے میں میرا گرم مسالہ

(چمنستان ، ص ۸)

غرض چوہدری افضل حق اور احرار کی ٹولی کے لیے کیا کچھ نہیں کہا گیا - دسمبر ۱۹۳۶ء میں پنجاب اسمبلی کی رکنیت کے لیے حلقہ گڑھ شنکر ضلع ہشیار پور کی طرف سے دو اُمیدوار تھے ، چوہدری افضل‌حق رکن رکین مجلس احرار اور مولانا نصراللہ خاں ہریانوی بی - اے (لو مسلم) جن کی پشت پر مجلس اتحاد ملت کی تائید تھی - چوہدری افضل حق کو اپنے حریف کے مقابلے میں شکست فاش ہوئی - جس کی تصویر اشعار ذیل میں یوں کھینچی گئی :

جاء نصراللہ کی ہریانہ سے آئی صدا
رنگ افضل حق کا سنتے ہی سے فق ہوگیا

ایک اور مشہور اور ادبی لحاظ سے معرکۃ الآراء نظم جولائی ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی - چونکہ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مسجد شہید گنج کی تحریک کی مجلس احرار کے ساتھ مل کر مخالفت کی تھی ، لہٰذا یہ نظم ان کے پرجوش جذبات کا آئینہ بن گئی :

ہندوؤں سے ہے نہ سکھوں سے ، نہ سرکار سے ہے
گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرف پنجاب میں ناموس نبی پر آیا
قائم اس ظلم کی بنیاد ان اشرار سے ہے

پانچ ککوں کا ہے پابند ، شریعت کا امیر
اُس میں طاقت ہے ، تو کرپان کی جھنکار سے ہے

آج قرآن کو کہتے ہیں وہ نطفہ اپنا
سلسلہ جن کا ملا ، سید ابرار سے ہے

آج قرآن کی توہین وہی کرتے ہیں
واقفیت جنھیں قرآں کے سب اسرار سے ہے

آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل
تو یہ سب ذلت اسی طبقۂ غدار سے ہے

کیا قیامت ہے کہ اللہ کا گھر ہو ویران
جس کی رونق کی نمود احمد مختار سے ہے

ہے یہ سب مسجد مظلوم کی فریاد کا فیض
جس قدر درد ٹپکتا مرے اشعار سے ہے

(نگارستان، ص ۱٦۷)

میثاق گجرات اور اس کا حشر :

دوسرے شہروں کی طرح اہل گجرات بھی دو حصوں میں بٹ گئے تھے ' لیکن چونکہ مولانا ظفر علی نے بچپن میں کئی سال خاندان قانون گویاں میں گذارے تھے ، اس لیے انھیں اس شہر سے بے حد الفت تھی ۔ چنانچہ اہل گجرات نے مل کر یہ طے کیا کہ مولانا ظفر علی خاں اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری (یا مجلس اتحاد ملت اور مجلس احرار) میں صلح کرا دی جائے ۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خاں اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری دونوں کو گجرات مدعو کیا گیا ۔ ایک دوسرے سے ملاقات کرائی گئی ۔ مولانا ظفر علی خاں نے حسب معمول معانقہ کیا ۔ وہیں یہ امر طے پایا کہ ایک دوسرے پر تعریض کا سلسلہ ختم کر دیا جائے اور تحریک آزادی کے سلسلہ میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ اس طرح یہ عہد نامہ، معاہدۂ گجرات (یا میثاق گجرات) کے نام سے مشہور ہوا ۔

انھوں نے خود کہا :

ذکر ہے گجرات کے میثاق کا
کر رہا ہوں عالم بالا کی سیر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیر میں سامان شر پیدا ہوا
بزم احرار کا ہے ذکر خیر
(چمنستان ، ص ۱۱)

مولانا ظفر علی خاں شیخ حبیب اللہ قانون گویاں[۱] کے مہمان تھے ، وہاں طے پایا کہ شب (جون ۱۹۳۶ء) میں گجرات میں جلسہ ہو، اور دونوں حضرات شرکت کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ تعلقات کی تجدید کا اعلان کر دیں ۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بے فکر ہو کر کسی دوسری جگہ دعوت میں چلے گئے ۔ ان کی عدم موجودگی میں مولانا ظفر علی خاں نے سب سے پہلے جا کر جلسہ گاہ پر قبضہ کر لیا اور ان کی صدارت میں جلسہ شروع کر دیا گیا ، مولانا نے فوراً اپنے انداز تقریر کے لحاظ سے مسجد شہید گنج کی پوری تاریخ بیان کرکے احرار کے کارنامے بھی ساتھ ہی بیان کر دیے ۔ آن کے اختتامی جملے یہ تھے :

”بہر حال ہم مسلمانوں کا شعار ہی یہ رہا ہے کہ دوسروں کو معاف کر دیں، اس لیے کہ اتحاد المسلمین کی خاطر اگر وہ اپنی غلطی پر نادم ہیں ، تو ہمیں معاف کر دینا چاہیے ، تاکہ آئندہ کے لیے وہ اپنی روش بدل سکیں۔ ہمارا سینہ وسیع ہے، اس لیے ہم ان کی غلطیوں سے درگذر کرتے ہیں“

اس طرح ان کی تقریر نے پورے مجمع کو اپنا ہم خیال بنا لیا ۔ جب احرار والوں کو پتہ چلا اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری معہ احرار کے جلسہ گاہ میں پہنچے ، تو پورا جلسہ مولانا ظفر علی خاں کے ہاتھ میں تھا اب مولانا عطاء اللہ بخاری کے لیے کوئی موقع نہ رہا تھا کہ اپنی بات کہہ سکیں اس غم و غصہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے میثاق گجرات کو کالعدم کر دیا ۔

مولانا ظفر علی خاں کا بیان اس سے مختلف ہے وہ لکھتے ہیں کہ :
”واقعہ مسجد شہید گنج نے عامۃ المسلمین اور مجلس احرار کے درمیان اختلافات کی جو شدید گہری خلیج حائل کر رکھی تھی چند خیر اندیش

۱۔ یہ شیخ کرامت اللہ مؤلف آئینہ گجرات کے چچا تھے ، اور خود شیخ کرامت اللہ مولانا کے قدیم نیاز مندوں سے تھے ۔ بحوالہ انٹریو از شیخ کرامت اللہ گجرات ۔ (سابق الذکر) مولانا کے ساتھ جانے والوں میں ملک لال خاں اور یعسوب الحسن تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں نے افہام و تفہیم سے مصالحت کا پل باندھنے کی کوشش کی ، چنانچہ مجلس اتحاد ملت اور مجلس احرار کے سر برآوردہ نمائندوں کا ایک اجتماع گجرات میں ہوا اور دونوں جماعتوں نے صلح کے ایک میثاق پر دستخط کر دیے ، جس میں جانبین نے اقرار کیا کہ آئندہ کے لیے ہم مل کر کام کریں گے اور مسجد شہید گنج کے عقدہ کو حل کرنے کے سلسلہ میں کوئی بات ایسی ہونے نہ پائے گی، جو ملت کے افتراق کا باعث ہو ۔ لیکن ہنوز اس عہد نامہ کی سیاہی کاغذ پر خشک نہ ہونے پائی تھی کہ احرار نے میثاق کے پرزے اڑا دیے ، اور پھر اس خانہ جنگی کا بازار گرم کر دیا ، جس کی حرارت نے احرار کے منقل میں پرورش پائی تھی ، میثاق گجرات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑانے کا شرف بھی امیر شریعت احرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو نصیب ہوا ۔ ان دھجیوں کی اڑان کی سیر ذیل کی نظم میں کیجیے'' :

سر بازار اچھلتی ہم نے دیکھیں پگڑیاں اپنی
پڑا ہے جب سے پالا فتنۂ احرار سے ہم کو

خدا کے گھر کی بربادی پہ جب خوں آنکھ سے ٹپکا
تو روکا بڑھ کے دل کے درد نے اظہار سے ہم کو

بڑھایا آشتی کا ہاتھ جب ان کی طرف ہم نے
جواب آس کا ملا ، تلوار کی جھنکار سے ہم کو

ہماری جیت میں ہے راز ان کی موت کا پنہاں
پیام زندگی پہنچا ہے ، ان کی ہار سے ہم کو

سیاست اس کو کہتے ہیں کہ چھپ کر گھر میں جا بیٹھے
لڑا کر جنگ کے میدان میں سرکار سے ہم کو

اگر ڈر ہے تو ہے احرار کی مسلم نمائی کا
کوئی طاقت ڈرا سکتی نہیں ، کفار سے ہم کو

اڑائیں دھجیاں گجرات کے میثاق کی جس نے
خدا وندا ! بچا اس وضع کے غدار سے ہم کو

نوشتہ ۲۰ جون ۱۹۳۶ع
(مشمولہ نگارستان ، ص ۱۶۴ طبع اگست ۱۹۶۳ع)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے دوسرے دن ایک اور معرکۃ الآراء نظم زیب قرطاس زمیندار ہوئی (یہی وجہ تھی کہ بقول نادم سیتا پوری، سنڈے اڈیشن مولانا ظفر علی خان کی نظموں کی اشاعت کے سبب بازار میں اتنا عنقا ہو جاتا تھا کہ ایک ایک روپیہ میں بک کر بھی نہیں ملتا تھا :

میرا گناہ

میرا گناہ یہی ہے، کہ مجھ کو ہے اصرار
شہید گنج کی مسجد کی بازیابی پر

کسی سے جرم یہ سرزد اگر ہو مستی میں
تو حد شرع نہ جاری ہو، کیوں شرابی پر

مری نظر میں ہیں مسجد کے منبر و محراب
جمی ہوئی نظر احرار کی ہے لابی پر

ہے اس زمانہ میں اچھا اگر کوئی مذہب
تو ہے وہی جسے قربان کریں رکابی پر

علی کے بازوئے خیبرشکن کی مجھ کو قسم
کہ ناز مجھ کو بھی ہے اپنی بوترابی پر

قریب ہے کہ قیامت بپا ہو دنیا میں
خدائے پاک کے تعمیر کی خرابی پر

ہے لکھنؤ کو بھی آج اتفاق دلی سے
مرے کلام مرصع کی لاجوابی پر

مرقومہ ۲۱ جون ۱۹۳۶ء

(مشمولہ نگارستان، ص ۱۶۵)

شہید گنج کانفرنس :

۱۳ نومبر ۱۹۳۶ء کو لاہور میں عظیم الشان شہیدگنج کانفرنس' زیر صدارت

۱۔ زمیندار، شہید گنج نمبر، ۱۵ نومبر ۱۹۳۶ء بروز اتوار جلد ۲۳ نمبر ۱۹۱۔
نوٹ : یہ کانفرنس موچی دروازہ اور شاہ عالمی دروازے کے درمیان میں منعقد ہوئی اور کانفرنس کے اس کیمپ کا نام ظفر آباد کیمپ تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا شوکت علی ہوئی (مولانا شوکت علی کا بے نظیر استقبال کیا گیا تھا) ۔ اس کانفرس میں ملک کے طول و عرض سے نمائندے شامل ہوئے (لاہور میں گزشتہ تاریخی کانفرنسوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی) ۔ مولانا ظفر علی خاں صدر مجلس استقبالیہ تھے جنھوں نے کانفرس کی غرض و غایت اور مسجد شہید گنج کی تاریخی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ، مسجد کے گرائے جانے کے واقعات ، اور مسلمانوں کا حصول مسجد کے لیے اضطراب ، تذبذب اور آئینی طور پر مسلمانوں کی عدالتی کارروائی پر تفصیلی روشنی ڈالی اور فرمایا :

''جب سکھوں نے اس مسجد کو گرانا شروع کیا، تو میں اس وقت لائل پور (فیصل آباد) تھا ۔ چنانچہ میں یہاں پہنچا ، اور دیگر مسلم اکابر سے ملا ، ایک کمیٹی بنائی گئی ، جس کا نام مجلس تحفظ شہید گنج رکھا گیا ۔ مجلس نے سکھوں سے گفت و شنید کے لیے ایک سب کمیٹی منتخب کی ، جس میں میں بھی شامل تھا ، چنانچہ رنجیت سنگھ کی سمادھ میں مسجد سے متعلق ایک طویل گفت و شنید ہوئی لیکن ماسٹر تارا سنگھ اور منگل سنگھ نے ہماری معروضات پر خاص توجہ نہ دی ، کہ مسجد ڈیڑھ سو سال سے ہمارے قبضہ میں ہے اور گوردوارہ ٹریبونل بھی مسجد کا فیصلہ ہمارے حق میں کر چکی ہے ، اس لیے اس کو گرا دینا ہی مناسب ہے ۔ تاکہ مسلمانوں کے دل میں جو کانٹا کھٹک رہا ہے وہ باقی نہ رہے ۔ بہت کچھ کہنے سننے کے بعد سکھوں کے نمائندوں نے اس پر رضا مندی کا اظہار کیا کہ ہم اپنے مطالبات کو ریزولیشن کی صورت میں بھیج دیں ۔ چنانچہ برکت علی محمڈن ہال میں ان کے حسب منشاء ایک قرارداد منظور کی گئی جو بذریعہ رجسٹری انھیں ارسال کر دی گئی ۔ اس کے بعد ۶ جولائی کو مسلمانوں کے ایک وفد نے جس میں میں بھی شامل تھا ، گورنر سے ملاقات کی ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس گفت و شنید کو صیغۂ راز میں رکھا جاتا ، مگر اس کے اعلان سے سکھوں کے حوصلوں کو اور زیادہ بڑھا دیا گیا اور انھوں نے مسجد کو فوراً گرا دیا ۔''

آپ نے بالتفصیل اس گفت و شنید کا جو مسلم وفد اور گورنر کے درمیان ہوئی ذکر کیا اور ان واقعات کا بھی اعادہ کیا جو اسی دوران مسلمانوں کو پر امن رکھنے کے لیے اختیار کیے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ :

''۸ جولائی سے ۱۴ جولائی تک ہم نے مسلمانوں کو پر امن رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی ۔ ۱۴ جولائی کو اسی مقام پر پرچم اسلام لہرایا گیا ،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس فرض کی ادائیگی کے لیے مجھے ڈکٹیٹر بنایا گیا ، یہاں فیصلہ کیا گیا کہ مسلمان ۵ لاکھ کی تعداد میں نیلی پوش ہو جائیں ۔ اس کے بعد مجھے گرفتار کرکے نظر بند کر دیا گیا ۔ لیکن تحریک نیلی پوش روز افزوں ترقی کرتی چلی گئی جس کا مقصد تحفظ مساجد اور حصول مسجد شہید گنج ہے ۔''۱

آپ نے اسلامی معابد اور شعائر کے تحفظ کی شرعی حیثیت اور مسلمانوں کی مذہبی فدا کاری کا ذکر کیا اور کہا :

''مسلمانوں کی فعال جماعت (بغیر نام بتائے) کے اختلاف سے بھی مسلمانوں کو مسجد کی واگزاری میں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا اور حکومت و سکھوں کے حوصلے بڑھ گئے ۔ حتی کہ مسلمان نوجوانوں کے ایک جتھہ نے سول نافرمانی شروع کر دی ، اور اس معاصلے کو طے کرنے کے لیے بمبئی سے مسٹر محمد علی جناح آئے ، ان کی آمد پر حکومت نے قیدیوں اور نظر بندوں کو (جو مسجد کی واگزاری کے سلسلہ میں ہوئے) رہا کر دیا لیکن اس کے بعد مسجد کی واگزاری کا سلسلہ بدستور جاری رہا اور مسلمانوں کی طرف سے باقاعدہ پیروی کی گئی ۔ اگرچہ ابتدائی عدالت میں اسے ناکامی ہوئی ، لیکن جج نے مسجد شہید گنج کو مسجد تسلیم کیا اور ان الفاظ میں تسلیم کیا جن الفاظ میں اسلامی شرع بتاتی ہے ، لیکن سکھوں کو اس لیے اس کا قبضہ دیا گیا کہ قانون انگریزی کے مطابق وہ ایک عرصہ سے ان کے قبضہ میں تھی ۔ لیکن ہماری جماعت ''اتحاد ملت'' اس مسجد کی واگزاری کے لیے ہر ممکن سعی و قربانی کے لیے تیار ہے ۔''

(خلاصہ تقریر) زمیندار ص ۷ ، ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ع ۔

کہا جاتا ہے کہ مجلس احرار نے کانگرس کے ساتھ انتخابی مہم میں تعاون کر لیا تھا ۔ یا یہ کہ تحریک کشمیر کے بعد کانگرس نے مجلس احرار کی قوت کا اندازہ کرکے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا (مولانا ابوالکلام آزاد تو پہلے ہی کانگرس کی طرف تھے ، انھوں نے بھی احرار پر اپنا اثر استعمال کیا) ۔ اس طرح مجلس احرار نے تحریک کشمیر کے بعد پھر کبھی کسی ایسی تحریک میں شرکت نہیں کی ۔

---

۱ ۔ تقریر مولانا ظفر علی زمیندار اخبار لاہور ، شہید گنج نمبر، ۱۵ نومبر ۱۹۳۶ع ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مولانا ظفر علی خاں نظر بندی سے رہا ہو کر آئے ، تو مجلس اتحاد ملت کے ڈرامے کا نیا باب شروع ہوا"۔[1]

اُدھر احرار نے تحریک شہید گنج میں حصہ نہ لینے کی وجہ ہی انتخابات قرار دی تھی ، (مجلس احرار پر مولانا ابوالکلام آزاد کا بالواسطہ بہت اثر غالب تھا، اسی لیے احرار انتخابات میں کامیابی کے لیے کانگرس کی ہمدردی کی ہی نہیں، بلکہ معاونت کی طلب گار تھی) اور ادھر مجلس اتحاد ملت نے اپنا انتخابی منشور شائع کیا تو تحفظ مساجد کے مسئلہ کو آگے بڑھا کر الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔[2] مجلس اتحاد ملت کے پروگرام میں مسلمانوں کے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کا ذکر تھا ، اور مجلس کا یہی پروگرام اُس کی مقبولیت کا سامان بن رہا تھا اور یہی جذبہ مولانا ظفر علی خاں کو احرار کے خلاف طبع آزمائی کا موقع بہم پہنچا رہا تھا اور اس موضوع پر آپ کی نئی نئی نظمیں زمیندار میں بڑی آن بان سے شائع ہوتی تھیں - مثلاً ایک نظم اس سلسلہ میں ایک معرکۃ الآراء نظم ہے:

دفتر پنجاب ہے جنگل سیاسیات کا
بن گیا میرا قلم منگل سیاسیات کا

پہلوان اور اُن کے پٹھے آ گئے خم ٹھونک کر
دیدنی ہے آج کل دنگل سیاسیات کا

گالیاں دیں ، جھوٹ بول ، احرار کی ٹولی میں مل
نکتہ یوں ہی ہوسکے گا ، حل سیاسیات کا

خالصہ کا ساتھ دے جب یہ شریعت کا امیر
کیوں نہ کہیے اُس کو باباٹل سیاسیات کا

مجلس احرار کے نیفے کی رونق بن گیا
ایک پسو ، دوسرا کھٹمل سیاسیات کا

دخل معقولات میں دیتا ہے کیوں بڈ مولوی
عقدہ کیا کھولے گا یہ ڈھیل سیاسیات کا

۱۶ نومبر ۱۹۳۶ء (نگارستان ، ص ۵۶)

---

۱ - شورش کاشمیری : احوال عطاء اللہ شاہ بخاری، ص ۹۶ طبع ۱۹۵۶ء لاہور۔
۲ - انتخابی منشور، شائع کردہ ملک لال خاں سیکرٹری مجلس اتحاد ملت لاہور طبع ۱۹۳۶ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجلس احرار نے صوبائی الیکشن میں حصہ لیا - جو ۱۹۳۲ء کے آخر میں ہوئے - احرار کے نمائندے چوہدری افضل حق اس الیکشن میں ہار گئے - مولانا ظفر علی خان کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، اُن کے مقابلے میں رانا نصراللہ خان ہریانوی بی - اے تھے - ایک تو وہ اپنے حلقہ میں جانے پہچانے اُمیدوار تھے ، دوسرے مجلس اتحاد ملت کی اُن کو تائید بھی حاصل تھی - ان دونوں باتوں نے مل کر احرار کو نقصان پہنچایا۔ تیسری اہم بات یہ بھی تھی کہ احرار کا رجحان اشتراکی اُصولوں کی طرف بھی تھا، اُن کے کارکن کامریڈ کہلاتے تھے، یہ انقلاب پسند بھی تھے - عوامی طبقے میں اُن کے نظریات سرمایہ داری کے خلاف نمایاں تھے اس لیے پنجاب کا زمیندار طبقہ ذہنی لحاظ سے احرار کا مخالف ہوگیا تھا جس میں اکثریت سرکار پرستوں کی تھی - احرار اقتصادی مسائل کو عوامی نقطۂ نظر کی اہمیت کے پیش نظر بہت اہم قرار دیتے تھے ، اور زمیندار طبقہ اس روش سے خفا تھا ، تااینکہ مسجد شہید گنج کے مسئلہ پر خاموشی کر لینے پر مولانا ظفر علی خان نے اس طبقہ کی کمزوریوں کو بے حد اچھالا - اُن کے اشعار میں جگہ جگہ ایسے ادبی چھینٹے نظر آتے ہیں ، جس نے اُن کے اخلاق دامن کو بھی داغ دار کر دیا (واللہ اعلم بالصواب) -

مولانا نے اُن کو ''احرار کی ٹولی'' کہہ کر پھبتی کسی ، اور اپنے اشعار میں اُن کی شکست کا مذاق اُڑایا :

گر پڑے غش کھا کے مولانا عطاء اللہ شاہ
اور کلیجہ مولوی داؤد کا شق ہوگیا

مولوی مظہر علی اظہر کی رسوائی کا داغ
اُن کی مجلس کے سیہ خانے کی رونق ہوگیا

جا ملے کیا سوچ کر احرار سے ملائے غوث
سارسوں میں کس لیے شامل یہ لق لق ہوگیا

صدر احرار آ گئے ، لے کے لفنگوں کے پرے
لشکر اشرار سے جنگ آزما حق ہوگیا

(چمنستان ، ص ۵۷ ، ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم

تحریک مسلم لیگ میں حصہ لینا

وہ حیدر آباد کی ملازمت کے دوران اکثر و بیشتر قومی جلسوں میں شرکت کرتے رہتے تھے ، خواہ وہ حیدر آباد میں ہوں یا وہاں سے باہر ۔ وہاں وہ تقریریں بھی کرتے ، اور اپنی لطیف نظموں سے جلسوں کی رونق میں اضافہ بھی کرتے رہتے تھے۔ وہ خصوصیت کے ساتھ مسلم ایجوکیشنل کانفرس کے جلسوں میں بالالتزام شرکت کرتے ۔ چنانچہ انھوں نے مسلم ایجوکیشنل کانفرس کے اجلاس منعقدہ ڈھاکہ کے متعلق لکھا ہے :

''مہینوں پہلے سے اخباری دنیا میں غلغلہ تھا کہ امسال ایجوکیشنل کانفرس کئی وجوہ سے مہتم بالشان ہوگی ۔ اول تو اس کا انعقاد ایسے خطے میں ہونے والا تھا ، جو قطع نظر تاریخ کے اعتبار سے ، آجکل بسبب اپنی پولیٹیکل اہمیت کے ہندوستان کا مشرق الاقصیٰ ہو رہا ہے ۔ اس کے علاوہ داعی کانفرس وہ شخص تھا ، جو ہندوستان کے ایک گروہ کے قول کے مطابق ملک کا دشمن ، اہل ملک سے باغی ، گورنمنٹ کا خوشامدی ، دوسرے گروہ کی رائے میں ملک کا بہی خواہ ، قوم کا شیدائی اور گورنمنٹ کی خدمت میں مسلمانوں کا بے لاگ وکیل سمجھا جاتا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی یہ اعلان کیا گیا کہ ایجوکیشنل کانفرس کے مقطع کے بعد پولیٹیکل لیگ کا مطلع پڑھا جائے گا ۔ یہ تمام باتیں ایسی نہ تھیں کہ جو ہماری بے چین طبیعت کو ٹائمس بلڈنگ (بمبئی) کے گوشہ میں بند رہنے دیتیں ۔ چنانچہ ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے اسی گریز پا بھائی (سید محفوظ علی) کے ساتھ امسال شریک کانفرنس ہوں، جو افریقہ کی دشت نوردی و بادیہ گردی کرکے کچھ عرصے سے بہ حصول رخصت ہندوستان آیا ہوا ہے اور جسے ہندوستان میں مستقل طور سے رکھنے میں ہم اور بعض بزرگان قوم ہمہ تن کوشاں ہیں ۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اہم بات اس موقع پر بتانی ضروری ہے کہ سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی ترقی کے لیے ۱۸۸۶ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کانفرنس کی تنظیم کی تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں جدید تعلیم کو مقبول بنایا جائے۔ اس کے جلسوں میں ملک کے دور و دراز علاقوں سے نمائندے شریک ہوتے اور مسلم قومیت کے جذبے سے سرشار ہو کر واپس جاتے۔ اس جذبہ کی سب سے زیادہ نشو و نما علی گڑھ میں ہوئی۔ مسلم لیگ کے قیام سے پہلے سیاسی و نیم سیاسی امور میں کانفرنس ہی کو قوم کی آواز سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سر سید احمد خاں مرحوم نے انڈین نیشنل کانگرس کے خلاف اہم لیکچر ۱۸ دسمبر ۱۸۸۷ء کو اسی ایجوکیشنل کانفرس کے ہی دوسرے سالانہ اجلاس میں دیا تھا۔ بقول سر علی امام مرحوم "نواب وقار الملک نے لکھنؤ میں ۱۸۸۳ء میں ایک میٹنگ بلائی تھی، جس میں ایک سیاسی تنظیم پر غور کیا جانا تھا، لیکن بوجوہ وہ سکیم عملی جامہ نہ پہن سکی۔" (از خطبۂ صدارت مسلم لیگ ۱۹۰۸ء بمقام امرتسر)

غرض مسلم لیگ کا پہلا ابتدائی جلسہ ۱۹۰۶ء ڈھاکہ میں ہوا اور وقار الملک کے ہاتھوں مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس وقت مسلمانوں کی نئی نسل کے نوجوانوں کا ایک گروہ وقار الملک کے گرد تھا، جن میں مولانا محمد علی، مظہر الحق بیرسٹر آف پٹنہ، ظفر علی خاں، حسن امام، خواجہ غلام الثقلین قابل ذکر ہیں (اگرچہ پرانے لوگ بھی ڈرتے ڈرتے اس میدان میں قدم بڑھا رہے تھے) لیکن نوجوان لیڈروں کی قوت عمل اپنے لیے ایک اور وسیع میدان مانگ رہی تھی۔ مظہر الحق مرحوم بیرسٹر نے ڈھاکہ میں صاف صاف کہہ دیا تھا:

"نوجوان اب جنگ کے پیاسے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان کے لیڈر معمر اور تجربہ کار ہوں، تاکہ نوجوانوں کی بیش از بیش قوتوں کو صحیح طور پر منظم کر سکیں۔"[۱]

نواب وقار الملک کے بعد نواب سلیم اللہ خاں رئیس ڈھاکہ نے ریزولیشن پیش کیا۔ حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں نے اس کی تائید کی۔ نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مسلم لیگ کے جوائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ کا دستور وضع کرنے کے لیے ساٹھ آدمیوں کی کمیٹی مقرر کی گئی، پھر یہ دستور تمام ارکان کے پاس بغرض غور و تنقید

۱۔ قاضی عبدالغفار: حیات حکیم اجمل خاں، ص ٦٤، طبع انجمن ترقی اردو علی گڑھ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیجا گیا- مسلم لیگ کے قیام کے سلسلہ میں تقسیم بنگالہ بھی ایک اہم سبب بن گیا (جو ہندوؤں کے لیے درد سری کا باعث بن گیا تھا) - ہند کے اکثریتی گروہ نے مسلمانوں اور خصوصاً نواب سلیم اللہ کے خلاف سخت پروپیگنڈا شروع کر دیا تھا - اسی لیے اس کے ردعمل میں مسلمانوں کو ایک باقاعدہ تنظیم کا خیال پیدا ہوا - وزیر ہند کے اعلان کے بعد کہ ''تقسیم بنگال اب طے شدہ امر ہے'' اس تقسیم کے خلاف ہنگاموں میں کوئی کمی نہیں تھی ، اور اس کا نشانہ مسلمان ہی تھے ، یہاں تک کہ نئے گورنر بنگال مسٹر فلر کو اسی دباؤ کے تحت مستعفی ہونا پڑا اور ان کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ تھیں ، اس لیے اس استعفی کے بعد مسلمانوں پر بھی دباؤ بڑھ گیا اسی لیے ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے بھی احتجاجی تار روانہ کیے گئے تھے -[1]

بہر حال مسلمانوں نے آئینی انداز میں گورنمنٹ کو اس طرف متوجہ کیا اور مارلے کے اعلان (بابتہ تنظیم نو لیجسلیٹو کونسل) کے بعد مسلمانوں کو واضح طور پر متحدہ محاذ کے ساتھ آگے بڑھنے کا حوصلہ ہوا یہاں تک کہ نواب محسن الملک نے بمبئی سے ۴ اگست ۱۹۰۶ع کو آرچیولڈ کو خط لکھا :

''لارڈ مارلے کے اس اعلان کے بعد مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ یہ اعلان کانگرس کے مطالبات کے سلسلہ میں ایک بڑی کامیابی ہے -''

چونکہ یہ خیال بھی عام پیدا ہو گیا ہے کہ علی گڑھ کے افراد سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے (سوائے چندہ وصول کرنے کے) اور میرے پاس کئی خط مختلف لوگوں کے پاس سے آئے ہیں جس میں ''منتخب نمائندوں کے متعلق نئی صورت حال کے متعلق توجہ دلائی گئی ہے کہ موجودہ قانون مسلمانوں کے حقوق کا کوئی تحفظ نہیں کر سکے گا اور الیکشن سے کوئی مسلمان کونسل میں بھی منتخب نہیں ہو سکے گا اور گورنمنٹ شاذ ونادر ہمارا کوئی نمائندہ لیتی ہے اور وہ نمائندہ چونکہ ہمارا نمائندہ نہیں ہوتا ہے ، اس لیے وہ کونسل میں ہماری نمائندگی نہیں کر سکتا ہے ، اگر موجودہ قوانین بروئے کار لائے گئے ، تو ہندو تمام نشستوں پر اپنی اکثریت کے سبب قبضہ کر لیں گے ، اور ہمارا کوئی نمائندہ منتخب نہیں ہو سکے گا ، اس لیے یہ تجویز کی گئی ہے کہ ایک میمورنڈم حکومت کی خدمت میں روانہ کیا جائے تاکہ وائسرائے کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کیا جائے - کیا آپ براہ مہربانی اس بارے میں اپنی رائے عالیہ سے مطلع کریں گے ، کہ

---

۱ - ڈاکٹر رضی واسطی : لارڈ منٹو ، ص ۶۵ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیا یہ صورت حال مناسب ہو گی یا نہیں ، اور یہ کہ وائسرائے سے ایک وفد کے ملنے کی بھی درخواست کی جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے خدشات سے آگاہ ہو سکے ۔''[1]

بقول ڈاکٹر رضی واسطی :

''اس خط سے اس غلط فہمی کا بھی قطعی طور پر ازالہ ہو جاتا ہے کہ محسن الملک کو وائسرائے سے ملنے اور وفد کی تشکیل کا مشورہ آرچیولڈ نے دیا تھا ، اور یہ کہ مسلم لیگ کی تاسیس کا خیال ایک انگریز کو ہوا تاکہ وہ کانگرس کے مقابلے میں لائی جا سکے ۔''

اسی اثنا میں مشرق بنگال کے مسلم نواز گورنر مسٹر فلر کے استعفٰی کے بعد دوسرا گورنر Lanclot Aers ہندو نواز ذہنیت کا آیا ، جس کے تقرر پر ہندو پریس نے بے انتہا خوشی کا اظہار کیا تھا اور اسی وفد کی تشکیل کی خبر کو ہندو پریس نے "شکست خوردہ مسلمانوں کا وفد'' قرار دیا تھا[2] ۔ یہ وفد ۳۴ آدمیوں پر مشتمل تھا جو سر آغا خان کی رہنمائی میں (جن کی عمر ۲۹ سال تھی) وائسرائے سے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو شملہ میں ملا تھا۔ اس وفد میں نواب سلیم اللہ خاں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن انھوں نے ایک خط تمام سر برآوردہ مسلمانوں کو بھیجا تھا - اس خط میں مسلم انڈیا کنفیڈریشن کے قیام کے امکانات پر غور کرنے کے متعلق لکھا گیا تھا اور یہ کہ مسلمانوں پر سے کانگرس کے بڑھتے ہوئے غلط اثرات کو ختم کیا جائے اور یہ کہ اس مسئلہ پر ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کے ڈھاکہ اجلاس میں غور کیا جائے[3] ۔

کراچی میں اس کا پہلا با قاعدہ اجلاس ۲۹، ۳۰ دسمبر ۱۹۰۷ء کو آدم جی پیر بھائی کی صدارت میں ہوا - نواب وقار الملک نے لیگ کے قواعد و ضوابط کا ایک مسودہ پیش کیا (جس کو مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے تیار کیا

---

۱ - ڈاکٹر رضی واسطی : لارڈ منٹو ، ص ۲۳ -

نوٹ: ''یہ خط بجنسہ لارڈ منٹو کو آرچیولڈ نے بھیج دیا تھا،جو انڈیا آفس لائبریری میں کاغذات مارلے میں موجود ہے ۔''

(بحوالہ ڈاکٹر واسطی)

۲ - بحوالہ امرت بازار پتریکا، ص ۷ ، ۱۴ ستمبر ۱۹۰۶ء - ۲ - اخبار بنگالی ۹ ستمبر ۱۹۰۶ء -

۳ - ڈاکٹر رضی واسطی : لارڈ منٹو، ص ۷۹ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا) جو دو دن کی بحث و مباحثہ کے بعد پاس ہوا - دسمبر ۱۹۰۸ء میں لیگ کا سالانہ جلسہ امرتسر میں سر علی امام کی صدارت میں پیش ہوا - یہ اجلاس اس وجہ سے اہم تھا کہ ملک میں آئینی اصلاحات کا جو مسودہ شائع ہوا، اس پر غور کرنا اسی جلسہ میں طے پایا تھا کہ صوبوں میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کی جائیں - پنجاب میں لیگ پہلے ہی قائم ہوچکی تھی -[1]

"مولانا ظفر علی خاں مسلم لیگ ڈھاکہ کے قیام کے بعد ہندوستان کے ہر گوشہ میں جہاں جہاں مسلم لیگ کے جلسے ہوتے بالالتزام شرکت کرتے رہے -"[2]

مولانا ظفر علی خاں ان ہی نوجوانوں میں سے تھے (کہ جو بقول جواہر لعل نہرو "علی گڑھ کالج کے قیام کے تیس سال بعد ایک نئی نسل آغوش کالج میں تربیت پاچکی تھی، اور تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرح ایک سیاسی کروٹ لی، اور کانگرس کی طرح مسلم لیگ کا سنگ بنیاد بھی رکھا گیا") جنھوں نے مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا -[3]

دسمبر ۱۹۱۵ء میں بمبئی میں مسٹر جناح نے یہ تجویز پیش کی، کہ ہندوستان کے آئین میں نئی تبدیلی ہونے والی ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہندوستان کی دونوں سیاسی جماعتیں کوئی اسکیم تیار کریں، جس میں مسلمانوں کی ضروریات اور تحفظ کا خاص خیال رکھا جائے، پھر وہ رپورٹ حکومت کی خدمت میں پیش کی جائے، کہ یہ متحدہ ہندوستان کے مطالبات ہیں - اس تجویز کو بروئے کار لانے کے لیے مسٹر جناح کی تجویز کے مطابق ایک مجلس بھی بنائی گئی، جس کے ارکان میں راجہ صاحب محمود آباد، سر رضا علی، آفتاب احمد خاں، سر وزیر حسن، سر شفیع، مسٹر برکت علی، سر فضل حسین، مولانا ظفر علی خاں، فضل الحق، ابوالکلام آزاد، سر آغا خان، سر ابراہیم رحمت اللہ، سیٹھ یعقوب حسن، سر علی امام، مسٹر مظہرالحق، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، (مولانا) محمد علی اور خود مسٹر جناح تھے-

---

۱ - قاضی عبدالغفار : حیات حکیم اجمل خاں، طبع ۱۹۵۰ء علی گڑھ -

۲ - حسن ریاض : پاکستان ناگزیر تھا، ص ۶۰، طبع ۱۹۶۷ء -

۳ - عنایت اللہ خاں : مدیر حریت ہفتہ وار لاہور ۱۹۲۲ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ پہلی کوشش تھی جو مسلمانوں کو کانگرس سے قریب کرنے کے لیے کی گئی ۔[1]

دسمبر ۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ مرتب ہوا ۔ اس میثاق میں اکثریت کے صوبوں کو اپنے حصہ سے کم نشستیں دی گئی تھیں اور اقلیتی صوبوں کو اپنے حصہ سے زیادہ ، جس کا نقصان بقول خلیق الزمان اکثریتی صوبوں کو پہنچا اور اقلیتی صوبوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا ۔ البتہ مسلمانوں کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے اصل اہمیت رکھنے والی ایک شق منظور کی گئی کہ اگر کسی مجلس قانون ساز کا کوئی ممبر (غیر سرکاری) ایسی قرار داد یا مسودہ قانون پیش کرے جسے کسی فرقے کے ممبران کی تین چوتھائی تعداد اپنے فرقے کے لیے نقصان دہ قرار دے تو ایسا بل زیر بحث نہ لایا جاسکے گا ۔[2] (مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں دونوں اس زمانے میں نظر بند تھے)۔

۱۹ - ۱۹۱۸ء کے پر فتن دور میں ترکوں کی حمایت میں خصوصاً مجلس خلافت کی تشکیل ہوچکی تھی ، جس کا پہلا اجلاس ۱۴ نومبر ۱۹۱۹ء کو مسٹر فضل الحق کی صدارت میں ہوا ۔ جس میں کانفرنس نے مشہد مقدس اور دوسرے اماکن مقدسہ میں اتحادی فوجوں کی چیرہ دستیوں اور مظالم پر احتجاج کیا ۔ مسلمانوں کو خلافت کانفرنس نے ہدایت کی کہ وہ جشن صلح میں شریک نہ ہوں ، اس کے خلاف جلسے کریں اور ولایتی مال کا بائیکاٹ کریں ۔

''اس طرح ہندو نیشنل ازم اور مسلم نیشنلزم کے دھارے وقتی طور پر ایک ہی سمت بہنے لگے[3]۔ اور پھر ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کے خلاف اور خلافت و سوراج کے سوال پر احتجاج نے طوفانی تحریکیں اختیار کر لیں چونکہ مسٹر جناح (قائد اعظم) ان طوفانی تحریکوں سے متفق نہ تھے اس لیے وہ الگ رہے جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ معطل ہو گئی اور مسلمانوں کی قیادت عارضی طور پر خلافت کمیٹی کے ہاتھ آ گئی ۔ مولانا ظفر علی خاں نظر بندی سے رہائی کے بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں

---

۱ - رئیس احمد جعفری : قائداعظم اور ان کا عہد ، ص ۶۹ ۔

۲ - نور احمد : مارشل لا سے مارشل لا تک ، ص ۹ ، طبع لاہور ۱۹۶۶ء ۔

۳ - نور احمد : مارشل لا سے مارشل لا تک ، ص ۱۰ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجلس خلافت کمیٹی پنجاب کے سیکرٹری مقرر ہو گئے اور مولانا عبدالقادر قصوری صدر خلافت کمیٹی پنجاب مقرر ہوئے۔ مجلس خلافت پنجاب نے ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ء تا ۲۷ مئی ۱۹۲۳ء سولہ لاکھ چوہتر ہزار روپیہ جمع کیا۔ ملک لال خاں صاحب مرحوم (مولانا ظفر علی خاں کے بعد) ۱۹-۱۹۱۸ء میں سکریٹری مقرر ہوئے تھے۔ جنھوں نے مجلس خلافت کمیٹی کا پورا حساب آخری دم تک اپنے سینہ سے لگا کر رکھا تھا۔ مرحوم کے بیان کے مطابق ایک لاکھ باسٹھ ہزار روپیہ مرکزی مجلس کمیٹی کو بھیجا گیا تھا۔ نیز مجلس خلافت نے مجاہدین اور کارکنوں کو بے حد مالی امداد دی تھی، اسی کے ساتھ اخبارات کو بھی بے حد مالی امداد دی تھی۔''

دسمبر ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کے اجلاس امرتسر میں منعقد ہوئے۔ اور ساتھ ہی خلافت کانفرنس کا دوسرا اجلاس اور جمیعۃ العلماء کا پہلا جلسہ بھی یہیں منعقد ہوا۔

بقول مولانا عبدالماجد دریا بادی ''مسلمان بحیثیت قوم اب تک کانگرس سے الگ تھے۔ کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مجیب الرحمان، بیرسٹر عبدالرسول، پٹنہ کے بیرسٹر مظہر الحق، بمبئی کے مسٹر جناح جیسے دس، بیس یا پچاس نیشنلسٹ قسم کے مسلمان گریجویٹ اگر جیوٹ کر کے شریک بھی ہوئے تو کیا؟ شرکت خال خال ان ہی افراد تک محدود تھی، عام مسلمانوں کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی، کانگرس کی تاریخ میں پہلی بار یہ ہوا کہ جب چہرہ پر ڈاڑھیاں رکھائے ہوئے، ٹوپیوں پر نشان ہلال لگائے ہوئے اور زبانوں سے نعرۂ اللہ اکبر بلند کرتے ہوئے ان دونوں بھائیوں نے کانگرس کے پنڈال میں قدم رکھا تو ساتھ ہی ایک بڑا لاؤ لشکر بھی تھا اور یا علی کے نعروں سے ملک کا ملک گونج اٹھا۔[۲]

۱۔ انٹرویو از ملک لال خاں صاحب مرحوم: اگست ۱۹۶۹ء بمقام لاہور۔ مرحوم سے مجلس خلافت پنجاب کے حسابات کے متعلق مکمل اعداد و شمار دستیاب ہوئے۔ اور پوری تفصیل بھی بتائی کہ کن کن لوگوں کو کیا کیا امداد دی گئی تھی۔

۲۔ عبدالماجد دریابادی: محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند ورق حصہ اول، ص ۸۱، طبع ۱۹۵۶ء اعظم گڑھ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاندھی جی کے فیصلہ کے مطابق پہلے ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ء اور پھر ۶ اپریل ۱۹۲۰ء عام ہڑتال کے لیے مقرر کی گئی - ان ہی دنوں ہنگامے کھڑے ہو گئے اور ان ہی ہنگاموں کا نتیجہ جلیانوالہ باغ کا حادثہ تھا - ان ہنگاموں میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑے گئے اور سٹر جوری مین ایڈیٹر ینگ انڈیا نے اعتراف کیا کہ واقعی مسلمانوں کو سخت ترین نقصان پہنچے -[1]

۳۰ دسمبر ۱۹۲۴ء کو مولانا ظفر علی خاں قید سے رہا ہو چکے تھے ، اس زمانے میں پورا ملک فسادات کی لپیٹ میں تھا - قائد اعظم اس زمانے میں برابر اتفاق و اتحاد کے لیے کوششیں کرتے رہے -

سائمن کمیشن کی آمد پر مسلم لیگ نے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا اور مولانا ظفر علی خاں، نے لیگ کا ساتھ دیا - اس کے برخلاف سر شفیع اور ان کے رفقاء نے سائمن کمیشن سے تعاون کا فیصلہ کیا -

۲۸ اگست ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی - مولانا ظفر علی خاں نے حج سے واپسی کے بعد اس میں شرکت کی - مولانا ظفر علی خاں، قائداعظم کے ساتھ اس امر پر پوری طرح متفق تھے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی طرف سے ہندوؤں کو تعاون کا پوری طرح یقین دلایا جائے تا کہ ملک کی سیاسی فضا خراب نہ ہو -

چنانچہ انھوں نے نہرو رپورٹ کے بعد مخلوط انتخاب کا فارمولا اسی بنا پر تسلیم کر لیا تھا بشرطیکہ مرکز میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اور سندھ کی علیحدگی اور پنجاب و سندھ کی نمائندگی کے مسئلہ کو ہندو مان لیں - مولانا ظفر علی خاں نے قائد اعظم سے تعاون کی بنا پر سر شفیع کی لیگ کا بائیکاٹ بھی کیا (جنھوں نے مسلم لیگ کے مقابل دوسری لیگ بنا لی تھی) چنانچہ کلکتہ میں قائد اعظم نے مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر نہرو رپورٹ پر غور کرنے کے لیے جو کمیٹی تشکیل کی تھی ، اس کمیٹی کے ایک ممبر مولانا ظفر علی خاں بھی تھے -[2]

---

۱ - جی الانہ: قائد اعظم (انگریزی کتاب)، ص ۱۲۳، طبع کراچی، سن ندارد، فیروز سنز کراچی -

۲ - جی الانہ : قائد اعظم (انگریزی) ، ص ۲۹۱، طبع فیروز سنز کراچی -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخرکار قائد اعظم نے مسلم لیگ کی طرف سے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے نہرو رپورٹ کے جواب میں چودہ نکات پیش کیے ۔[1] یہ بالکل درست ہے کہ قائد اعظم کی بار بار کوششوں کے باوجود کانگرس کسی سمجھوتے کے لیے تیار نہ ہو سکی ، اس سلسلے میں مالوی جی پیش پیش تھے جنھوں نے ہندو مہاسبھا کی نمائندگی کی تھی اور سچ یہ ہے کہ عملاً مالوی جی کی کوئی بھی تحریک خواہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے کتنی ہی مضرت رساں کیوں نہ ہو کانگرس کو ناگوار خاطر نہ تھی ۔ اس کی مثال اس واقعہ سے دی جا سکتی ہے کہ ایک دفعہ امرتسر کے ایک جلسہ میں مولانا ظفرعلی خاں نے پنڈت مالوی جی کی تفرقہ انگیزی کے خلاف کچھ کہہ دیا تو گاندھی جی صدر جلسہ بگڑ گئے اور مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ”آپ نے مالوی جی پر نکتہ چینی کر کے میرے سینہ پر گھونسہ مار دیا“۔[2]

(یہ وہ مالوی جی تھے جو شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں میں شہ رگ کی حیثیت رکھتے تھے اور یہ دونوں تحریکیں مسلمانوں کو مرتد کرنے میں پیش پیش تھیں) ۔

اصل بات یہ ہے کہ کانگرسی لیڈر مہاسبھائیوں کے پشت پناہ تھے اور انھوں نے (کانگرس نے) کبھی مہاسبھائیوں کے خلاف احتجاج نہیں کیا ۔ جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے اور مسلمانوں کو مورد الزام قرار دیا گیا اور مولانا شوکت علی خاں اور حکیم اجمل خاں کی تحقیقاتی کمیٹی رپورٹ سے ہندوؤں کی طرف سے غلطی کا صادر ہونا ثابت ہو گیا ، تب بھی گاندھی جی نے اس امر سے اتفاق نہیں کیا ۔ بلکہ یہ کہا کہ ”ہندو بزدل ہیں ، اور مسلمان دنگئی“ ۔[3]

بہر حال مولانا ظفر علی خاں نے مشروط طور پر نہرو رپورٹ کی تائید کی ؛ لیکن نیشنلسٹ مسلمانوں کے ہم نوا ہو کر اسلامی نظریات کو خیرباد

---

۱ - رفیق افضل : تقریر قائد اعظم (ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لاہور) طبع ۱۹۶۹ء -

۲ - رئیس احمد جعفری : قائد اعظم اور ان کا عہد ، ص ۱۵۰، طبع ۱۹۶۶ء لاہور -

۳ - زمیندار اخبار ۱۹۲۴ء رپورٹ بموقع فسادات کوہاٹ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کہا اور ان نیشنلسٹ مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا جنھوں نے اسلامی نظریات کو کانگرس کے سامنے لپیٹ کر رکھ دیا تھا ۔

مسلم لیگ کا احیاء :

جب قائد اعظم نے لیاقت علی خاں مرحوم اور ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کی بار بار تحریک پر دوبارہ لندن سے واپس آ کر مسلم لیگ کا احیاء کیا اور ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں طلب کیا[1] (واضح رہے کہ یہ اجلاس ۱۵ تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۷ء لکھنؤ میں ہوا ، راجہ صاحب محمود آباد مرحوم اس اجلاس کے میزبان تھے ، اس جلسہ کی میزبانی پر مرحوم راجہ صاحب نے لاکھوں روپے خرچ کیے تھے)[2] تو مولانا ظفر علی خاں نے بھی شرکت کی اور قائد اعظم کی دعوتِ اتحاد و اتفاق پر لبیک کہتے ہوئے اپنی اتحاد ملت نامی تنظیم کو مسلم لیگ میں ضم کر دیا اور اپنی تمام صلاحیتوں کو مسلم لیگ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا ۔ مسلم لیگ کے اس جلسہ میں قائد اعظم کی ذات پر بھرپور بھروسہ کا اظہار کیا گیا ، اور آن کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا عزم کیا گیا ۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ ”کوئی قوم محنت ، قربانی اور نقصان اٹھائے بغیر اپنے مقاصد اور نصب العین میں کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ بہت سی طاقتیں ایسی ہیں جو تمھیں پامال کرنا چاہتی ہیں اور تمھیں غلامی و تباہی کے قعر مذلت میں دھکیل دینے کے لیے مصروف کار ہیں ۔ تمھارے ارد گرد آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں ۔ مصیبتوں کے طوفان اٹھ رہے ہیں ۔ تمھیں آن پر قابو پانے کے لیے بھاری قربانی دینی ہوگی اور شدید مصیبت برداشت کرنا ہوگی ۔ تم شاندار روایات رکھتے ہو ، تمھاری تاریخ درخشندہ ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں — پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ دس کروڑ مسلمان مخالف طاقتوں سے ڈریں اور خوف زدہ ہوں ۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تمھارا اتحاد و نظم و ضبط ، ایثار و قربانی بڑی سے بڑی مشکل پر بھی قابو پا سکتا ہے ، اور کڑی سے کڑی گردن کو

---

۱ - رئیس احمد جعفری : قائد اعظم اور آن کا عہد ، ص ۱۵۰ - واضح رہے کہ یہ مسلم لیگ کا بیسواں اجلاس تھا جو لکھنؤ میں ہوا ۔

۲ - بقول نادم سیتاپوری اس موقع پر پوری ذمہ داری سے کہا جا سکتا ہے کہ راجہ صاحب نے ۳۵ لاکھ روپے اس اجلاس کے لیے خرچ کیے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی جھکا سکتا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ مخالف قومیں متحد ہیں ۔ لیکن تمھارے ہاتھوں میں بھی یداللہی طاقت ہے اور تمھیں اس نازک اور پر آشوب دور میں ایک فیصلہ کرنا ہے ۔ البتہ میں تم سے کہتا ہوں کہ کوئی فیصلہ کرنے سے قبل اُس پر سینکڑوں بار غور کرو اور جب ایک فیصلہ پر پہنچ جاؤ تو پھر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اُس فیصلہ پر ڈٹ جاؤ ۔ اگر آپ صدق دل سے کسی فیصلہ پر ڈٹ جائیں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ آپ کو فتح دے گا ۔''[1]

مولانا ظفر علی خاں نے اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کیا ، اپنی تنظیم (اتحاد ملت) کو مسلم لیگ میں جذب کرکے مسلم لیگ کے لیے ہندوستان کے دورے کیے اور اُن تمام مخالف طاقتوں کے خلاف تقریری اور تحریری جہاد کیا جو مسلم لیگ کی مخالفت میں آگے آ گئی تھیں ۔ انھوں نے مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تن دہی سے کام کیا یہاں تک کہ قائداعظم نے فرمایا :

''اگر مولانا ظفر علی خاں جیسے دو چار آدمی اور مل جاتے تو مسلم لیگ کو اس قسم کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا''۔

اب ۱۹۳۷ء کے بعد مسلم لیگ عوامی حیثیت سے پنجاب میں بھی مقبول ہو رہی تھی ، لیکن جن لوگوں کا حکومت پر قبضہ تھا ، انھوں نے مصلحتاً تو مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا لیکن پھر بھی مسلم حقوق کی حفاظت کی پوری پرواہ نہ کی ۔ خاکساروں پر ظلم و ستم اُن ہی کے دور حکومت میں ہوئے ، مسلمانوں کا خون مسجدوں میں بہا دیا گیا اور یہ یقیناً اُن کی مظلومیت کا نتیجہ تھا کہ ظلم کرنے والے پھر اُبھر نہ سکے ۔ پنجاب اسمبلی میں ملک برکت علی ایڈووکیٹ مرحوم اکیلے مسلم لیگی تھے ۔ اور سب دوسری طرف ۔ ملک برکت علی مرحوم (متوفی ۱۹۴۶ء) اپنے پورے عزم کے ساتھ کام کرتے رہے ۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم ان لوگوں (یونینسٹ پارٹی) سے خفا تھے جو بظاہر تو مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا اعلان کرتے تھے لیکن عملاً اس کے لیے کچھ کام نہیں کیا ۔ وہ قائداعظم کو پنجاب کی سرگرمیوں سے مطلع

---

۱ ۔ تقریر قائد اعظم مرتبہ رفیق افضل (ریسرچ سوسائٹی پنجاب لاہور) ، ص ۳۴ء طبع ۱۹۶۶ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے رہتے تھے - لیکن وہ بھی اس نازک دور میں اپریل ۱۹۳۸ء میں دنیا سے اٹھ گئے۔[1]

مولانا ظفر علی سرگرم مسلم لیگی ضرور تھے لیکن آن میں اخبار زمیندار اور سیاسی جلسوں نے مسلم لیگ کی تنظیم کی طرف سے عملاً عدم توجہی پیدا کر دی تھی -

بلاشبہ وہ مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے تھے اور مرکز میں انہوں نے قائداعظم کے ساتھ پورا تعاون کیا - لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پنجاب یونینسٹ پارٹی نے مقامی مفاد کو زیادہ مدنظر رکھا - مسلم لیگ کی تنظیم میں رکاوٹ پڑتی رہی - جس کے نتیجہ میں مسلم ذہن پورے اتحاد کے ساتھ کام نہ کر سکا ، اور دوسری طرف ہندوؤں اور سکھوں نے اس پارٹی میں شرکت کے باوجود مسلمانوں پر پنجاب میں بھی اعتماد نہیں کیا—آخر کار سر سکندر حیات مرحوم کے عملی تضاد کو ختم کرنے کے لیے قائداعظم کو حضوصی حالات میں سکندرپیکٹ کرنا پڑا - سر سکندر حیات کے بعد جب خضر حیات خاں وزیر اعلیٰ ہوئے تو وہ مسلم عوامی تحریک کے خلاف کھل کر سامنے آ گئے - مسلمانوں کو اس قیادت سے سخت ترین نقصان پہنچا جس کے نتیجہ میں پنجاب میں دو گروہ پیدا ہو گئے - ایک بقول ظفر علی خاں ''ٹوڈی پارٹی اور دوسری مسلم لیگ پارٹی'' اسی لیے خود ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے قائداعظم کو لکھا تھا کہ اگر مسلم لیگ کی تنظیم کا کام یونینسٹ پارٹی کے سپرد کیا گیا تو وہ مسلم لیگ کو ابھرنے نہ دے گی - چنانچہ وہی ہوا - اسی طرح سندھ میں بھی ہوا کہ یونائیٹڈ فرنٹ بنتے اور ٹوٹتے چلے گئے - یہ تو اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں کا حال تھا - لیکن اقلیتی صوبوں میں مسلمان اقلیت نے جم کر ہندوؤں کی مخالفت کی - جس کے نتیجہ میں مسلم عوام کے ذہنوں میں مسلم اقلیت اور مسلم اتحاد کے جذبے کو نئی تقویت ملی ، آن میں نیا حوصلہ اور اعتماد پیدا ہو گیا اور مسلم لیگ عملی طور پر پورے ملک کے مسلمانوں کے اتحاد کا نشان بن گئی۔[2]

۱۹۳۷ء میں الیکشن کے موقع پر کانگرس نے مسلم لیگ کے خلاف جمیعۃ العلماء کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ساری

---

۱ - تفصیل کے لیے دیکھیے شورش کاشمیری : پس دیوار زنداں، ص ۷۵، طبع ۱۹۷۱ء اور ڈاکٹر بٹالوی ''اقبال کے آخری دو سال''۔

۲ - سید نور احمد : مارشل لا سے مارشل لا تک ، صفحہ ۲۰۰ ، طبع ۱۹۶۶ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمدردیاں بھی کانگرس کی طرف تھیں ۔ ادھر مولانا شوکت علی خاں کا مسئلہ ، شہیدگنج اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر مولانا ظفر علی خاں سے اتحاد ہو چکا تھا ۔ (اس طرح مولانا شوکت علی کا بارہ سال کے بعد ملاپ ہوا) اس لیے مولانا ظفر علی خاں تنہا جلسوں میں جاتے یا مولانا شوکت علی کے ساتھ ۔ ہر حال میں مولانا ظفر علی کی تقریریں اور نظمیں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے ہوتیں۔ انھوں نے مسلم لیگ کی طرف سے لوگوں کے مسلسل اعتراضات کے جواب دیے اور اپنی نظموں کے ذریعہ مسلم قوم کو گرمایا ۔ ان کی نظمیں مسلم لیگ ، مسلم قومیت کے احیاء اور قائداعظم کے لیے ہوتیں جو مسلمانوں میں ایک نیا عزم و حوصلہ پیدا کر دیتی تھیں ۔[1]

چنانچہ کرت پور کے ۱۹۳۷ء کے جلسہ میں انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کو بھرپور جواب اپنی نظم کے ذریعہ دیا ۔ گویا یہ ان کی درج ذیل نظم ان کی تقریر کا ملخص ہے :

ابوالکلام آزاد سے یہ پوچھتے ہیں دل جلے
آج کل تم پیشوائے اُمت مرحوم ہو

کیا خطاء کوئی بھی سرزد تم سے ہو سکتی نہیں
تم بھی کیا پاپائے روما کی طرح معصوم ہو

کٹ کے اپنوں سے ملے ہو جا کے تم اغیار سے
پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں ، تم مظلوم ہو

ہم مسلماں ہیں ، جو ہیں اوج سعادت کے ہما
آئیں اس کے سایہ میں ہم کس طرح جو بوم ہو

تم یہ کہتے ہو کہ مسلم لیگ ہے رجعت پسند
تم کہاں کے ہٹلر وقت اے مرے مخدوم ہو

کیا تماشا ہے کہ نہرو ہو ہمارا ترجماں
اور غلامی کفر کی اسلام کا مقسوم ہو

کیا تماشا ہے کہ ہم گاندھی کے آگے سر جھکائیں
کیا قیامت ہے کہ جو حاکم ہے وہ محکوم ہو

۱ ۔ دیکھیے تفصیل کے لیے ان کے مجموعۂ کلام میں ''چمنستان'' طبع مکتبۂ کاروان لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے خدا راہ ہدایت اس مسلماں کو دکھا
غیرت اسلام کی دولت سے جو محروم ہو

وقت آ پہنچا کہ ہو اسلام کا جھنڈا بلند
اور یہ نظم زندگی بار دگر منظوم ہو

وقت آ پہنچا کہ یا گاندھی پکارے کانگرس
نعرہ مسلم لیگ کا یاحئی یا قیوم ہو

وقت آ پہنچا کہ ملت کے مٹیں سب اختلاف
اور ہمارے نام کی ہندوستان میں دھوم ہو

۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء کرت پور، ضلع بجنور۔

(از چمنستان، ص ۹۲)

مولانا ظفر علی خاں نے اس دور میں پوری طرح مسلم لیگ کے لیے کوششیں کیں، اور اس کوشش کی تہ میں آن کا عظیم مقصد یعنی مسلمانوں کی برتری کا خیال کارفرما رہا تاکہ وہ (عظیم مقصد) توحید کے پرچم کو بلند رکھے، چنانچہ جب وہ ۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو اسی مہم کے سلسلہ میں یو-پی میں پہنچے تو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی تشریف لے گئے تھے (راقم کو مولانا کی اس تقریر کے سننے کا شرف حاصل ہوا تھا) فرمایا:

"باوجودیکہ الیکشن مسلم لیگ اور کانگرس کے تعاون سے لڑے گئے تھے اور مسلم لیگ نے ہندو کانگریسی آمیدواروں کی مدد کی تھی، لیکن کانگرس نے جو رویہ مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا اس سے ظاہر ہو گیا تھا:

دبی ہوئی تھیں، برہمن کے دل میں جو باتیں
ہزار سال کے بعد آئی ہیں زبانوں پر

ٹپکتی جن سے ہیں سر مستیاں مدینہ کی
لگائے جائیں گے ٹیکس آن شراب خانوں پر

وہ گردنیں جنھیں انگریز بھی جھکا نہ سکا
جھکائی جائیں گی ہندو کے آستانوں پر

وہ بجلیاں جنھیں تڑپا دیا ہے کاشی نے
گرائی جائیں گی کعبہ کے پاسبانوں پر"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہذا یہ بات اُن کے لیے (اور تمام مسلمانوں کے لیے) ناقابل برداشت تھی اسی لیے انھوں نے علی گڑھ کے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا :

کدھر ہیں ملت بیضاء کے بت شکن فرزند
گڑے ہوئے ہیں علم جن کے آسمانوں پر
سواد اعظم اسلام کی نگاہ امید
گڑی ہوئی ہے علی گڑھ کے نوجوانوں پر

مرقومہ ۴ نومبر ۱۹۳۷ع -
(علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونین)

(مشمولہ چمنستان ، ص ۹۴ مطبوعہ ۱۹۶۲ع)

راقم اس جلسے میں شریک تھا ، جہاں مولانا ظفر علی خاں نے یونین کے ہال میں ۴ نومبر ۱۹۳۷ع ۵ بجے شام تقریر کی ، اور یہ نظم پڑھی - مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ لمبے پھندنے کی ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے ، اور ٹرکش کوٹ زیب تن تھا ، اُن کی داڑھی میں کوئی کوئی بال سفید تھا - اور گھنی داڑھی ، پورا بھرا ہوا خط ، لیکن فرنچ کٹ تھا -

انھوں نے مولانا شوکت علی مرحوم کے ساتھ اس الیکشن (دسمبر ۱۹۳۷ع) میں مسلم لیگ کے امیدواروں کی کامیابی کے لیے دورے کیے ، جب وہ امروہہ پہنچے تو انھوں نے گرج کر کہا :

لیا شوکت علی نے ہاتھ میں اسلام کا ڈنڈا
میں جب جانوں سہیں اک چوٹ بھی اس ہٹے کٹے کی

(چمنستان ، ص ۹۳)

انھوں نے مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں مسلمانوں کو ان کی قومیت کا احساس دلایا اور ملک کی منافقانہ سیاست کا پردہ چاک کیا - گویا وہ مسلمانوں کو واضح راہ عمل کی طرف متوجہ کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں انھوں نے مسلم لیگ پر بھی تنقید کی - چنانچہ انھوں نے پاکستان ریزولیشن پیش ہونے سے قبل (یعنی ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ع سے پہلے) ایک نظم شائع کی تھی ، جس کا مقصد مسلم لیگ کو آگے بڑھانے کے لیے جھنجھوڑنا تھا ، یہ نظم خاصی طنز کی حامل ہے - اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ لیگ کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندھی تقلید کے قائل نہ تھے - بلکہ انھوں نے مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے خلاف ان کی بعض باتوں پر بے حد تنقید کی تھی -

یہاں یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ خود ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم بھی مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی پالیسیوں سے متفق نہ تھے ، وہ چاہتے تھے کہ اصل اختیار مسلم لیگ کو ہونا چاہیے اور مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنانا گویا مسلم لیگ کو ختم کرنا ہے - (سر سکندر حیات مسلم پارلیمنٹری بورڈ میں تھے اور سر محمد اقبال مرحوم سر سکندر حیات کے ہاتھوں میں مسلم لیگ کا مستقبل محفوظ نہ سمجھتے تھے) -۱

ذیل کی نظم سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے واضح طور پر مسلم لیگ کا ساتھ دینے کے باوجود اس پر بھرپور تنقید بھی کی ، وہ نظم ملاحظہ ہو :

ہم کو دیتے تھے یہ دعوت کار فرمایانِ لیگ
گر مسلماں ہو تو ہو وابستۂ دامانِ لیگ

تاکہ آزادی کا پرچم ہند میں لہرائے تو
ابر رحمت بن کے سارے ہند پر چھا جائے تو

مرکزیت میں ہے مضمر زندگی اقوام کی
اور یہی تعلیم پہلے دن سے ہے اسلام کی

ایک جھنڈے کے تلے جس روز ملت آ گئی
ساری دنیا اس کے آگے خود بخود جھک جائے گی

دل کے کانوں سے یہ نکتے پیر و برنا نے سنے
لیگ کے گلشن میں آ کر پھول حکمت کے چنے

آج فرزندانِ اسلام ایک مرکز پر ہیں جمع
اک اشارہ پر جو کٹ جائے وہ سر لے کر ہیں جمع

(بحوالہ نظم ''راہ رو اور راہ نما'' چمنستان، ص ۱۶۴)

قائد اعظم نے اپریل ۱۹۳۸ء میں کلکتہ میں پنجاب کی نئی پراونشل لیگ کے لیے پینتیس آدمیوں کی کمیٹی بنائی تھی جن میں اک منتخب ممبر

---

۱ - جی الانہ : قائد اعظم ، ص ۲۷۶ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ظفر علی خاں بھی تھے۔[1]

وہ بار بار مسلم لیگ کو جھنجھوڑتے رہے کہ اس تنظیم ملی سے کوئی کام لینا چاہیے چنانچہ وہ رہنمایانِ مسلم لیگ سے سوال کرتے ہیں :

قوم کی تنظیم سے کیا کام لیں گے رہنما
یا فقط تنظیم ہی کا نام لیں گے رہنما

غرض انھوں نے مسلم لیگ کو مقبول بنانے میں اپنی تقاریر، اپنی شاعری اور صحافت سے ہمیشہ کام لیا اس لیے مسلم لیگ کی تاریخ سے ان کا نام فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔[2]

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ع کو مسلم لیگ کا عظیم الشان جلسہ لاہور میں نواب صاحب ممدوٹ مرحوم کے زیر انتظام بصدارت قائد اعظم منعقد ہوا۔ اس موقع پر قائد اعظم نے انگریزی زبان میں ایک معرکہ الآراء خطبہ صدارت بیان فرمایا جس کے ترجمے کی خدمت مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے سپرد ہوئی۔ تقریر ختم ہوئی ہی تھی کہ مولانا مرحوم اٹھے اور قائد اعظم کی انگریزی زبان کا ترجمہ اردو میں اس قدر شگفتگی اور روانی کے ساتھ کیا کہ سامعین حیران رہ گئے۔ اس عمر میں بھی ان کا حافظہ قابل داد تھا کہ انھوں نے اتنی طویل تقریر کو یاد رکھا ، اور پھر اپنی خدا داد ذہانت کی بدولت اردو ترجمے کی کلیاں چٹکا دیں۔[3]

اس کے بعد قرارداد پاکستان پیش ہوئی جو جناب فضل الحق[4] نے پیش کی تھی ، اور اس قرارداد کی تائید کرنے والوں میں دوسرے صاحبان کے علاوہ مولانا ظفر علی خاں بھی تھے۔

۱۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی : "ہماری قومی جد و جہد" ، ص ۶۴۲ ، ۱۹۶۶ع لاہور۔ نیز ، اقبال کے آخری دو سال ، ص ۶۴۳ ، ۱۹۶۱ع طبع کراچی۔

۲۔ چمنستان (کلام ظفر علی خاں)، ص ۱۶۵۔

۳۔ فقیر وحید الدین : کتاب انجمن ، ص ۶۲ ، مطبوعہ ۱۹۶۶ع۔

۴۔ جناب فضل الحق صاحب نے ۱۹۱۹ع میں بھی مجلس خلافت کے پہلے جلسہ کی صدارت کی تھی، وہ ہر قومی تحریک میں آگے آگے رہا کرتے تھے۔ (شریف الدین: پاکستان منزل بمنزل ، ص ۲۵۳ ، طبع ۱۹۶۵ع کراچی)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''آج ہم یوں محسوس کر رہے ہیں کہ جیسے ہم ایک آزاد ہندوستان میں کھڑے بول رہے ہیں ۔ چونکہ ہم ایک عرصۂ دراز تک ہندو و مسلم اتحاد کے علمبردار رہے ہیں ، اور کافی عرصہ تک کانگرس میں بھی رہے ہیں ۔ اس عرصے میں انھوں نے دیکھا کہ کانگرس آزادی کے حصول کی مطلق خواہش مند نہیں ہے ، بلکہ درحقیقت وہ اقلیتوں کو دبانا اور انھیں مجبور کرنا چاہتی ہے ۔ کانگرس نے موجودہ اعلیٰ حیثیت بھی اُس حمایت اور اعانت کی وجہ سے حاصل کی ہے ، جو مسلمانوں نے سابقہ ایام میں اس کو دی تھی ، لیکن اب کانگرس نے مسلمانوں سے بے تعلقانہ رویہ اختیار کر لیا ہے، اور وہ اور ان کے دیگر حضرات جو انھی کے مکتبۂ خیال کے پیرو ہیں ، مسلم لیگ پر یہ کہہ کر تنقید کرتے رہے کہ وہ کوئی تعمیری کام نہیں کر رہی ہے لیکن اب وہ کسی ایسے دستور کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے ، جس کو ہندوستان کے مسلمانوں کی تائید اور منظوری حاصل نہ ہو ۔''[1] (تقریر مولانا ظفر علی خان)

اسی جلسے میں انھوں نے ڈاکٹر محمد عالم بیرسٹر ایٹ لا کے مسلم لیگ میں شامل ہونے کا اعلان کیا اور ان کی تائید میں مولانا نے ان پر ''نو مسلم'' مسلم لیگی کی پھبتی بھی کسی تھی ۔[2]

اس جلسے کے بعد آل انڈیا سٹیٹس (ریاستی) مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بھی ہوا تھا ، جس میں دیگر نمائندگان کے علاوہ مولانا ظفر علی ، اور سر شاہنواز (نواب ممدوٹ) بھی اس جلسے میں شامل ہوئے تھے ۔

۱۹۴۲ء و ۱۹۴۳ء :

جنگ عظیم دوئم جاری تھی ، اس زمانے میں جاپانیوں کا پلہ بھاری ہو رہا تھا ، کہ وائسرائے ہند نے کانگرس سے تعاون کے لیے کہا جس کا جواب کانگرس نے مشروط دیا ۔ ۱۲ جولائی ۱۹۴۲ء کو کانگرس ورکنگ کمیٹی نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' کا ریزولیشن پاس کر دیا ، اور یہ بھی کہا کہ یہ ریزولیشن کونسل آف کانگرس کے سامنے ۷ اگست کو پیش کیا جائے ۔ چنانچہ بمبئی میں کونسل نے (۷ ، ۸ اگست کو) یہ ریزولیشن پاس کر دیا ، اور سول نا فرمانی کی تحریک بھی پاس کر دی ۔ جس کے نتیجہ میں ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو

۱ ۔ شریف الدین پیرزادہ : پاکستان منزل بمنزل، ص ۳۹۴ طبع کراچی ۱۹۶۵ء

۲ ۔ فقیر وحید الدین : انجمن، ص ۶۳ ، طبع ۱۹۶۶ء لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبران گرفتار کر لیے گئے۔ ۱۱ اگست سے ہندوستان میں بڑے پیمانے پر شورشیں شروع ہو گئیں۔ کانگرس، خلاف قانون جماعت قرار دے دی گئی۔ دوسری طرف بنگال میں شدید قحط پیدا کر دیا گیا۔[1] اس طرح بنگال، یو۔ پی اور بہار کے علاقے بغاوت کی لپیٹ میں آ گئے اور وسیع پیمانے پر سرکاری املاک کو نقصان پہنچا[2]۔

۱۔ بقول چودہری محمد علی اس قحط میں ۱۸ لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ اس لیے کہ ہندوستان کے دوسرے حصوں سے اناج پہنچانے کی سہولتیں مہیا نہ کی گئیں اور حکومت نے اس موقع پر انتہائی سرد مہری کا ثبوت دیا۔ شاید حکومت بنگال کے انقلاب پسند طبقہ کو معاشی زک دے کر انہیں ذہنی شکست دینا چاہتی تھی۔

۲۔ The Emergence of Pakistan, pp. 45, 1967, Lahore.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمات بحیثیت ممبر سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی ہند

مولانا ظفر علی خاں ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء کو سنٹرل اسمبلی ہند دہلی میں بحیثیت ممبر شامل ہوئے اور اگست ۱۹۴۷ء تک اس کے ممبر رہے ۔ اس دوران جو تقریریں انھوں نے کیں ، وہ ان کے زور بیان اور اخلاقی جرأت کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتی ہیں ۔ وہاں انھوں نے ایک طرف مسلم لیگ سے پورا تعاون بھی کیا ، لیکن وہ کسی حق بات کے کہنے میں کبھی نہیں جھجھکے ۔

۱۷ ستمبر ۱۹۳۷ء کو انھوں نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا :

''ہندو تقسیم ہند کے بارے میں وہ رویہ اختیار کر رہے ہیں ، جو رویہ ایک بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کے ساتھ مکان کی تقسیم کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا اور کہا تھا :

از صحن خانہ تا بہ لب بام ازان من
و از بام خانہ تا بہ ثریا ازان تست

بڑے بھائی (ہندو) کو یاد رکھنا چاہیے کہ انگریز صرف باتوں سے نہیں نکلیں گے ۔ اگر ہندو لڑنے پر آمادہ ہیں تو میں ساتھ دے سکتا ہوں (میں آپ سے یہ عرض کر سکتا ہوں کہ) زاغلول پاشا کی فراست اور فراخ دلی اختیار کیجیے اور مسلمانوں کو کچلنے کے ارادے سے باز آ جائیے''۔

اسی طرح انھوں نے ۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو تخفیف زر کے سلسلے میں کہا تھا:

''انگریز صوبہ سرحد سے آگے قبائلی علاقوں میں اس طرح نہ بڑھیں کہ ان پر ظلم کیا جائے ، اور نہ چترال کے علاقے میں ، بلکہ مکران سے چترال تک کے لوگوں کو حسن سلوک سے متاثر کرکے انھیں اپنا لیں تاکہ وہ حاجی مرزا علی خاں ''پیر ایپی'' کو نہ اپنا لیں۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ۱۹۴۲ء میں انھوں نے خاکساروں پر سے پابندی ہٹانے کے سلسلہ میں سر محمد یامین خاں کے ریزولیشن کی تائید کی ، جس کے نتیجہ میں یہ ریزولیشن متفقہ طور پر پاس ہوگیا ۔

۱۸ فروری ۱۹۴۳ء کو انھوں نے اسمبلی میں پنڈت کشن داس کے جواب میں کہا تھا کہ :

"اکثریت کی رائے سے حکومت کرنے کا خیال چھوڑ دو، کیونکہ دو سو گدھے ایک آدمی کے برابر نہیں ہوسکتے ۔"

اسی طرح ۲۵ اگست ۱۹۴۲ء کو دہلی یونیورسٹی بل پر جب سر محمد یامین نے پر زور تقریر کرتے ہوئے مسلم حقوق کے تحفظ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ :

"جب ڈیموکریسی ہے تو آزادانہ رائے کیوں نہیں دی جاتی، اور نامزد ممبر اسمبلی میں لاکر کس لیے ہماری آواز کارگر نہیں ہوتی ۔"

(چنانچہ اس بل پر ۱۳، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ مارچ کو بھی مسلم لیگ اور گورنمنٹ کے درمیان مباحثہ رہا ، جس میں مولانا غلام بھیک نیرنگ نے بھی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا حق ادا کردیا) ۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسلم لیگ کی طرف سے سر یامین خاں، سید غلام بھیک نیرنگ، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر سر ضیاءالدین، نواب زادہ لیاقت علی خاں نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں تقریریں کیں کہ "ہم تو صرف اپنی قوم کا تحفظ چاہتے ہیں اور جب تک ہم ایک دوسرے کے حقوق کو اس طرح محسوس نہ کریں گے ، جس طرح اپنے حقوق کو، تو دونوں قوموں میں اتحاد نہیں ہوسکتا ہے"۔ اس موقع پر گورنمنٹ نے بھی تسلیم کر لیا تھا کہ واقعی مسلمانوں کو اپنا جائز حصہ نہیں مل رہا ہے اور یہ کہ ہم اُن کو اُن کا جائز حصہ دینے کی کوشش کریں گے ۔

بقول سر محمد یامین خاں دہلی کے مشہور اخبار اسٹیٹس مین دہلی نے ۲ ستمبر ۱۹۴۳ء کو اپنے اداریے میں مسلم لیگ کے ممبران میں اتحاد عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ :

"چاہے مسلم لیگ کا مطالبہ جائز تھا یا ناجائز، لیکن اُس نے (جو اگرچہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک چھوٹی سی اقلیت ہے) بتا دیا تھا کہ وہ یک جان ہوکر گورنمنٹ کا مقابلہ کر سکتی ہے اور یہ کہ وہ حزب مخالف ہونے کی پوری حقدار ہے، اور مسلم لیگی ارکان پوری ایک ٹیم بن کر کام کرسکتے ہیں۔ انھوں نے ہر ہر فقرہ پر اس طرح لڑائی کی کہ اپنی بات کو سچا منوا لیا۔ مسلم لیگی ارکان کی تقریریں معقول وجوہات کی بنا پر تھیں، لیکن گورنمنٹ کی تقریریں روکھی تھیں۔"

۹ فروری ۱۹۴۴ع کو مولانا ظفر علی خان نے گورنمنٹ آف انڈیا کے رویہ پر تنقید کی، اور محمد احمد کاظمی کے ریزولیشن کی تائید میں کہا کہ گورنمنٹ نے ڈیفنس آف انڈیا کی آڑ لے کر ملک میں دہشت پھیلا رکھی ہے، یہاں تک کہ آن وکلاء کو بھی گرفتار کرلیا جاتا ہے جو اُس ملزم کی پیروی کریں جو اس ایکٹ میں پکڑا جاتا ہے (جیسا کہ لاہور اور آگرہ میں ہوا) اسی بنا پر چیف جسٹس الہ آباد نے لکھا تھا کہ "ہم کو معطل کر دیا گیا ہے اور ہمارے اختیارات سلب کرلیے گئے ہیں۔"

اسی طرح ۳ نومبر ۱۹۴۴ع کو انھوں نے نئی دہلی میں تحفظ مساجد کے سلسلہ میں تقریر کی، انھوں نے دوران تقریر ان ممبران اسمبلی کے رویہ پر افسوس کا اظہار کیا جو اپنے آپ کو علماء دیوبند کا نمائندہ کہتے تھے اور پھر بھی اس مسئلہ پر خاموش رہے۔

۴ نومبر ۱۹۴۴ع کو انھوں نے ستیا رتھ پرکاش کے بارے میں لال چند ممبر اسمبلی کی اس تحریک پر جو انھوں نے اس کتاب کے چودھویں باب کو سندھ گورنمنٹ کی طرف سے مفلوج قرار دینے کے سلسلہ میں پیش کی تھی، اپنے واضح خیالات کا اظہار کیا اور اس کتاب کو دل آزار قرار دیا۔

لطیفہ: اسمبلی کے ایک جلسہ میں سر سلطان احمد کی شگفتہ تقریر کے بعد ڈاکٹر امبیدکر کی تقریر ہوئی۔ سر یامین خاں نے مولانا سے کہا کہ "دیکھیے دونوں کی تقریروں میں کتنا فرق ہے۔"

مولانا نے برجستہ کہا:
"بیشک میں جانتا ہوں، دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ایک سید اور ایک چمار میں ہوتا ہے۔"

جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ:
"کانگرس نے ۱۹۴۲ع میں ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک شروع کی تھی،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس پر سنٹرل اسمبلی میں از ۱۵ ستمبر تا ۱۸ ستمبر ۱۹۴۳ء ان واقعات پر مفصل بحث ہوئی جس میں تقریباً تیس ممبران اسمبلی نے حصہ لیا، (جن میں سر سلطان احمد ، ڈاکٹر امبیدکر ، مسٹر ایس ۔ این ۔ اے قابل ذکر ہیں) اس مباحثہ میں مولانا ظفر علی خاں نے حصہ لیا ۔ انھوں نے حکومت پر الزام لگایا کہ اگر کانگرس نے تعاون نہیں کیا تھا تو حکومت نے مسلم لیگ کو گفت و شنید کے لیے دعوت کیوں نہیں دی ؟ انھوں نے اپنی تقریر میں مسلم لیگ پر لگائے گئے الزامات کی بھی پر زور تردید کی (اس موقعہ پر آن کی پوری تقریر جو انگریزی میں تھی آئندہ صفحات میں پیش کر رہے ہیں ۔"[۱]

ان تمام دلائل کی روشنی میں اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ہر جگہ مسلم لیگ کی تائید کی اور مسلم قیادت کے سلسلہ میں قائد اعظم پر پورا پورا اعتماد کیا اور وہ ملت کی عظمت کے لیے قائد اعظم کو اپنی ملت کا رہبر سمجھتے تھے۔ اس تاثر کا اظہار انھوں نے اپنے اشعار میں اس طرح کیا ہے:

ملت کا تقاضا ہے کہ اے قائد اعظم
اسلامیوں کی شان میں کچھ چاند لگا اور

مغرب کے حریفوں کو جو زک دینی ہے منظور
مشرق کی سیاست کا کوئی دام بچھا اور

باتوں سے نہ مانیں گے کہ لاتوں کے ہیں یہ بھوت
ان سے جو نمٹنا ہے تو حربہ کوئی لا اور

گاندھی کے جھکانے کی جو ہے تجھ کو تمنا
اللہ کی دہلیز پہ گردن کو جھکا اور

واقعہ دہلی ۳ دسمبر ۱۹۴۰ء (چٹان ص ۱۰)

(مشمولہ چمنستان[۲] ، ص ۱۶۹)

---

۱ ۔ سنٹرل اسمبلی کے یہ تمام واقعات سر یامین خاں کی کتاب اعمال نامہ طبع لاہور ۱۹۶۷ء سے ماخوذ ہیں ۔

۲ ۔ اس مجموعہ میں ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۱ء کا کلام درج ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب چہارم

شخصیت اور کردار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ اول

عقائد اور مسلک

ظفر علی خاں کی شخصیت اور کردار کا اندازہ لگانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے عقائد و مسلک کا جامع طور پر اظہار کر دیا جائے ۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جب انھوں نے ہوش سنبھالا تو انھوں نے اپنے دادا اور باپ کے زیر سایہ پرورش اور تربیت پائی ۔ یہ دونوں صاحبان اسلامی نظریات پر مستحکم ایمان رکھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے ، ان (ظفر علی خاں) کے والد مولوی سراج الدین احمد نے ہمیشہ اپنے باپ کے ارشاد کو اپنے لیے حکم آخر ہی سمجھا، اور سر مو ان کی خوشنودی سے دریغ نہیں کیا۔ ان کی فرماں برداری کو اپنے لیے عین سعادت جانا، ان کے گھر کا یہ، وہ اسلامی ماحول تھا ، جس میں ظفر علی خاں نے آنکھ کھولی، ان کے والد نے ان کی مذہبی اور اخلاقی تربیت میں بڑا حصہ لیا۔ اس کے بعد انھیں ان کے پھوپھا مولوی محمد عبداللہ پروفیسر مہندرا کالج پٹیالہ کے پاس بھیج دیا گیا جو بے حد متشرع انسان تھے اور سخت گیر استاد بھی ۔ ان کی ہی سخت گیری نے ظفر علی خاں کو لاابالی زندگی سے محفوظ رکھا ، اور ان کو نماز کا بھی پابند بنا دیا ۔ وہ میٹرک پاس کرنے کے بعد علی گڑھ پہنچے تو وہاں سرسید کو دیکھنے ، ان کے نظریات کو سمجھنے کا موقع ملا اور اس ماحول میں ان کے وسیع نقطۂ نظر کو جان لینے کا بہت موقع ملا اب وہ شعور کی منزل کے قریب تھے ، مذہبی لگاؤ تو ان میں پیدا ہو ہی چکا تھا ۔ اسلام کی محبت ان کے دل میں پوری طرح رچ بس گئی تھی ۔ (یہ ضرور ہے کہ سر سید نے عقلی اعتبار سے بعض چیزوں میں قرآنی مفاہیم کی تاویل کی تھی، اور بعض دفعہ یہ تاویلات لا ادریت (ناقابل قبول حد یا نہ ماننا) تک پہنچ جاتی تھیں۔[1] لیکن مذہب کی وسعت نظر، جو اسلام کا منتہائے مقصود ہے، کا پتہ ان کو

---

۱ ۔ حیات شبلی ، مولانا سید سلیمان ندوی، صفحہ ۲۸۵ ، ۲۸۸ ، ۲۸۹ ، طبع اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علی گڑھ جا کر ہی چلا اور وہیں یہ بھی اندازہ ہوا کہ دوسروں کے نقطہ نظر کو کس طرح سنا جا سکتا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ مذہب اور سائنس کے تباین کے متعلق غلط فہمی بھی وہیں جا کر دور ہوئی۔ علی گڑھ کے ماحول نے انھیں قائل بھی کر دیا کہ اسلام علمی ترقیوں کا (جو کسی بھی سلسلے کی ہوں)، کبھی مخالف نہیں ہوا۔ اور یہ کہ صرف مادیت کا فروغ اسلام کا مقصد زندگی نہیں بلکہ اسلام تو انسان کو عملی لحاظ سے بلند تر سطح پر جانے کی دعوت دیتا ہے، وہ تو طلب علم کو فریضہ انسانی قرار دیتا ہے۔[1]

غرض ان کے دماغ میں یہ سب ذہنی تبدیلیاں علی گڑھ جا کر ہی پیدا ہوئیں۔ اسی لیے وہ سرسید احمد خاں مرحوم کے احسان مند رہے اور اس امر کا اظہار عقیدت مندی اور نیازمندی کے انداز میں کیا کہ ''یہ سب ان ہی کی کوششوں کا ماحصل ہے کہ ملت کی بیداری کے اثرات پیدا ہو رہے ہیں''۔ وہ (ظفر علی خاں) سرسید کے اس لیے ممنون ہیں کہ انھوں نے افتراق و تفریق کی تمام بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی سعی کی۔ ان تاثرات کو خود ان کے اشعار میں ملاحظہ کیا جائے جو درج ذیل ہیں:

مسلمانوں پہ جو جو سید احمد خاں کے احساں ہیں
کنقش فی الحجر سرمایہ لوح دل و جاں ہیں

اسی کی عمر بھر کی کوششوں کا ماحصل سمجھو
اثر جس عام بیداری کے ملت میں نمایاں ہیں

اسی کی پر ہنر شیرازہ بندی کے تصدق میں
مجزا نسخہ ملت کے اوراق پریشاں ہیں[2]

سرسید نے اپنے آباء و اجداد کے طریق پر عمل کرتے ہوئے قوم کو غفلت سے جگایا، انھوں نے اس باغ اسلام (علی گڑھ کالج) کو اپنے اشکوں سے سینچا، اس کو اسلام کا مرکز بنایا۔ جہاں نہ صرف ہندوستان، بلکہ عرب و عجم کی بلبلیں غزل خوانی کر رہی ہیں[3]۔ انھوں نے قومی احساس اور روشن خیالی

۱۔ مجلہ برگ گل، ص ۲۹۵، اردو کالج کراچی (باختلاف الفاظ)۔
۲۔ مولانا ظفر علی خاں، بہارستان، ص ۳۳۱، اڈیشن سوم، مکتبہ کارواں لاہور۔
۳۔ ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وہ شمع روشن کی جس نے ہمیں انگریز کے استبداد سے نجات دلا کر زندگی کی صحیح اقدار سے روشناس کرایا[1]۔

بقول مولانا صلاح الدین احمد :

"سرسید مبرور کے فکر کی رہنمائی اور عمل ترتیب میں قوم کی محبت کا انداز نظر کارفرما رہا ، وہ سراپا تعمیر و تہذیب تھے۔ دنیا نے کم ایسے لیڈر پیدا کیے جن کے انداز فکر اور انداز عمل دونوں میں تعمیر و تہذیب کی کیفیت اس شدت سے پائی جائے۔ انھوں نے مسلمانوں کے ابتلائے عظیم میں اپنی حیرت انگیز تعمیری صلاحیتوں سے کام لے کر ایک مامن مصئون تیار کر دیا جو پورے پچھتر برس تک نہ صرف ان کی (مسلمانوں) تعلیم ، بلکہ ان کی ثقافت اور آخر میں ان کی سیاست اور ان کی قیادت کا مرکز بنا رہا"۔ (مولانا صلاح الدین مرحوم کا اشارہ علی گڑھ کالج / یونیورسٹی کی طرف ہے)۔[2]

نور الرحمن لکھتے ہیں : "سرسید اپنی مخصوص تعلیم کے سبب اوہام پرستی سے محفوظ رہے اور یہ شاہ عبدالعزیز کے چار جانشینوں اور شاہ غلام علی کے فیض تربیت کا اثر تھا۔" [3]

سرسید احمد خاں نے جب یہ معلوم کر لیا کہ اختلاف اور کشیدگی کی بناء مذہبی تعصبات ہیں تو انھوں نے اس تعصب کو دور کرنے کی انتہائی کوشش کی ، جب محسن الملک نے آیات بینات لکھی تو انھوں نے (سر سید) اندازہ لگا لیا کہ اس کتاب سے دونوں فرقوں کے درمیان کشیدگی کی خلیج وسیع ہوگی۔ (اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ اس کتاب کے جواب میں ان کے حقیقی بھائی مولوی امیر حسن تعلقہ دار حیدر آباد نے آیات محکمات لکھی) تو انھوں نے محسن الملک کے انداز فکر کو اس طرف سے عام مسلمانوں کی بہبود

۱۔ مولانا صلاح الدین احمد: اردو ادب کے آٹھ سال، ص ۵۷۳ (مرتبہ عشرت رحمانی) لاہور۔

۲۔ مولانا صلاح الدین مرحوم : اردو ادب کے آٹھ سال (مقالہ سرسید کا خواب اور اس کی تعبیر) صفحہ ۵۷۱۔

۳۔ نور الرحمن : حیات سرسید ، ص ۹۵ ، انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۵۰ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مسائل کی طرف پھیر دیا ۔

''دوسری طرف سر سید نے مذہب اسلام کو دین فطرت ثابت کیا ، اور اس دین میں سائنس اور علوم جدیدہ کی مطابقت ثابت کی ، اور علوم جدیدہ کے مخفی خطرات سے اس کو (اسلام) محفوظ رکھا ۔[1]

مذہبی تعصب کے خلاف جہاد :

یہ سرسید کے فیضان نظر کا نتیجہ تھا کہ جس طرح انھوں نے مذہبی تنگ نظری کے خلاف جہاد کرنے کے لیے علی گڑھ کی بنیاد رکھی تھی، اسی طرح ان کے متبع ظفر علی خاں نے بھی (جن سے سر سید کو بہت سی امیدیں وابستہ تھیں) اپنی تحریروں[2] ، تقریروں کے ذریعہ مذہب اسلام کی وسعت کار کو ہمیشہ مدنظر رکھا ۔ بظاہر انھوں نے مغربی تعلیم حاصل کی تھی اور انگریزی لباس بھی پہنا لیکن اسلام سے سچی محبت ان کے یہاں کارفرما رہی ۔ تعاون کا جذبہ جو اسلام کا عین مقصد ہے سیاسی زندگی میں بھی کارفرما رہا اور بحیثیت مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کے سلسلہ میں بھی ۔ مولانا صلاح الدین لکھتے ہیں کہ :

''سر سید قومی غیرت کے بارے میں ذکی الحس تھے ، جب وہ دیکھتے کہ انگریز ہندوستانیوں کی تحقیر کرتے ہیں ، تو وہ تمام مصالح اور مفادات بالائے طاق رکھ دیتے۔ وہ مسلمانوں کی قومی غیرت کا سودا کسی قیمت پر بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔ ان کا تعاون ، دوستی اسی وقت تک قائم رہتی ہے ، جب تک ان کی آبرو اور قومی اقتدار کو ٹھیس نہیں لگتی ۔''[3]

اس امر میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ظفر علی خاں کی بھی یہی کیفیت تھی ، لیکن فرق یہ تھا کہ انھوں نے انگریز کے ساتھ تعاون کا ہاتھ نہیں

---

۱ ۔ نور الرحمن : حیات سرسید ، ص ۹۷ ، طبع انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۵۰ع ۔

۲ ۔ انھوں نے ''معرکہ مذہب و سائنس'' (ترجمہ ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب Conflict Between Religion & Science)میں جگہ جگہ اسلام کی وسعت نظر کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور یہ کہ اسلام تعصب سے بالا ہے۔

۳ ۔ اردو ادب کے آٹھ سال مرتبہ عشرت رحمانی ، صفحہ ۵۶۸ طبع ، لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھایا اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ انگریز کی فرعونیت قدم قدم پر ان کی آبرو اور افتخار کو ٹھیس پہنچاتی ہے۔

حالی کے الفاظ میں: ”سر سید اس اصول کے پابند تھے کہ ہندوستان کی بھلائی بغیر اس کے کہ ہندو و مسلمان بطور ایک قوم کے مل کر رہیں اور کسی طرح ممکن نہیں۔ بالکل یہی نظریہ ظفر علی خاں کا بھی تھا، اسی لیے یونٹی کانفرنسوں میں ان کی شرکت رہی، اور قائد اعظم کے آصولوں کے تحت انہوں نے مشروط طور پر مشترکہ انتخاب بھی مان لیا تھا، لیکن اہل نظر آگاہ ہیں کہ یہ نقطۂ نظر (مخلوط انتخاب) ہندو مسلم مفاہمت کے لیے راہوں کو آسان کرنے کا تھا۔“

سرسید نے اسی عدم مفاہمت کے امکانات کے سبب اکثریتی فرقہ کے متعلق آنسو بہائے تھے، کہ جب ملک کے سر بر آوردہ ہندوؤں نے زبان کے رسم الخط کو بدلنے کی کوشش کی' تو اس وقت ہی انہوں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ ساتھ چلنا محال ہے۔ گویا انہوں نے فلاح اسلامیان ہند اس مشترکہ رسم الخط (رسم الخط فارسی) میں دیکھی جو ہندوستان میں جاری و ساری تھا، اور ہندوؤں نے اپنا نیا راستہ اختیار کرنا چاہا تھا۔ ظفر علی خاں نے اسی کے تتبع میں گیسوئے اردو کو سنوارنے اور آراستہ کرنے میں اپنی پوری صلاحیتوں کو صرف کر دیا۔ ان کی نظر اخبار زمیندار کے ایک ایک نکتے اور فقرے پر ہوتی تھی، اور انہیں ہرگز گوارا نہ تھا کہ زبان کی تہذیب و تصحیح میں ذرا سا بھی غلطی کا امکان رہے۔ انہوں نے خود کسی ملازم کو اخبار کی ملازمت سے دستبردار نہیں کیا، لیکن اپنے بھانجے سہدی علی خاں کی ادبی غلطی کو بھی معاف نہیں کیا۔ اور انہیں اخبار زمیندار کے عملہ سے خارج ہونا پڑا۔

یہ سرسید کے کردار کا اثر تھا کہ وہ کبھی حق بات کہنے سے نہیں چوکے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ ”ایمان یہ ہے کہ جب سچ کہنا مضر ہو اور جھوٹ کہنا مفید ہو“ (لیکن انسان سچ ہی کہے) اسی لیے بقول ان کے یہی ان کا سب سے بڑا قصور تھا کہ انہوں نے انگریز کی بڑی سے بڑی خفگی برداشت کر لی، لیکن وہ اس کی استبدادیت کے اظہار سے باز نہ رہے۔

بقول حالی: ”سرسید نے ۱۸۸۷ء میں نیشنل کانگرس میں مسلمانوں کو شریک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے سے باز رکھا ، یہ آن کی اخلاق جرأت تھی ۔ گویا انھوں نے ایک خار دار جھاڑی میں مسلمانوں کو حالات زمانہ کے اعتبار سے پھنس جانے سے بچایا ۔"[۱]

سرسید کے زمانے میں ہندوستان تین خطروں سے گھرا ہوا تھا :

(۱) مشنریوں کے حملے ۔

(۲) مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت ۔

(۳) انگریزی تعلیم کے اثرات ۔

مشنریوں کے اخبارات ، رسالوں میں اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات ہوتے رہتے، وہ جگہ جگہ تبلیغی جلسے کر کے اسلام کی برائیوں کو بیان کرتے، (اس سلسلہ میں) مولوی رحمت اللہ کیرانوی، مولوی آل حسن اور ڈاکٹر وزیر حسن حتی المقدور اسلام کا دفاع کرتے ۔ (بعد میں سر امیر علی اور مولوی چراغ علی نے باقاعدہ انگریزی میں کتابیں لکھ کر ان کو علمی جوابات بھی دیے) ۔

دوسری طرف انگریز مسلمانوں کے مذہب کو بھی فساد کا سرچشمہ سمجھتے تھے اور امن و عافیت کا دشمن بھی ، اس لیے مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی ۔

تیسری طرف انگریزی تعلیم سے نفرت مسلمانوں کے دل میں بیٹھ گئی تھی ، اور مندرجہ بالا تینوں چیزیں اپنی جگہ مسلمانوں کے لیے عقدۂ لاینحل بن گئی تھیں ۔ سرسید نے ان تینوں محاذوں پر اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی ۔ تبیین الکلام لکھی ، پھر سر ولیم میور کی کتاب کا جواب خطبات احمدیہ کی شکل میں دیا ۔ اس کی طباعت کے لیے اپنے گھر کا سامان بھی بیچ دیا ، دوسروں سے روپے بھی قرض لیے اور خطبات احمدیہ لکھ کر ہی دم لیا اور "یہ آن کی اسلام سے والہانہ محبت کا شدید ترین جذبہ تھا کہ انھوں نے یہ کتاب شائع کردی ۔

سید جمال الدین افغانی :

اسی کے ساتھ سید جمال الدین افغانی کی زندگی اور آن کے پر عزم مشن نے بھی ظفر علی خاں کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ۔ اور اس طرح مخزن ممالک اسلامیہ

۱ ۔ حالی : حیات جاوید، ص ۱۲۸ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جو تجدد پسند لوگ آگے بڑھے، اُن کی جرأت آمیز کوششوں نے ظفر علی خاں کو بے حد متاثر کیا اور انھوں نے اُن حوصلہ مند انسانوں کی موافقت دل سے کی (اگرچہ سلطان ابن سعود نے انہدام مزارات کے سلسلے میں عالم اسلام کے دل پر ناراضگی کے گہرے اثرات ڈالے) لیکن بہرحال امان اللہ، مصطفیٰ کمال پاشا کے لیے بھی انھوں نے گہرے اخلاص عمل کا مظاہرہ کیا ۔ یہاں تک کہ جنرل قادر خاں سے وہ اسی لیے ناراض ہوگئے تھے کہ انھوں نے اپنے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا کہ وہ حالات درست ہونے پر تخت و تاج امان اللہ خاں کے سپرد کردیں گے ، کیونکہ اُن کے خیال میں انگریز امان اللہ خاں سے ناراض تھے ، اور نادر خاں کی بد عہدی مسلمانوں کی قوت کو کمزور کر رہی تھی ۔ ہندوستان میں سنگھٹن اور شدھی کی مخالف اسلام قوتوں کا بھرپور مقابلہ کیا، اور اُن کے رہنماؤں کی دھمکیاں اُنھیں تبلیغ اسلام سے نہ روک سکیں ۔ بلا شبہ وہ مصلحت آمیز نہ تھے، بلکہ مصلحت سوز تھے ۔

اُن کی زندگی کے دو مقصد تھے۔ ایک تبلیغ اسلام دوسرے تحفظ اقدار اسلامی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ان ہی مقاصد کے لیے صرف کردیا اور اپنی تحریر و تقریر دونوں سے دفاع کا کام لیا ۔ بقول مولانا غلام رسول مہر وہ دن میں ایک موضوع پر پچاس پچاس جگہ تقریریں کرتے ۔ تقریر کے لیے مسجد اور تحریر کے لیے اخبار ۔ ان دونوں پلیٹ فارموں کو اپنے عظیم مقصد (اسلام) کے فروغ کے لیے استعمال کیا ۔ انھوں نے نہ مسجد سے کبھی منہ موڑا اور نہ اپنے اخبار کو نازک سے نازک وقت میں بند کیا۔ مسجد شہید گنج کے لیے جان کی بازی لگا دی ، وہ خو. بند ہوگئے لیکن اخبار بند نہیں کیا - وہ دین کے اصول لوگوں میں دو ہی طریقوں سے پھیلا کر انہیں اسلام کے حقیقی معنوں سے قریب لاسکتے تھے ۔ قریب کے لوگوں میں مسجد کے ذریعہ ، دور کے لوگوں میں اخبار کے ذریعہ ۔ انھوں نے یہ دونوں ذریعے بہترین طور پر استعمال کیے - اُن کا مقصد مسلمانوں کو بد حالی کے کیچڑ سے نکالنا تھا اور عالم اسلام میں مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقتوں پر خراج تحسین ادا کرنا تھا ، تاکہ اغیار کے سامنے تجدید اسلام کا روح پرور تصور پیش کر سکیں ۔ یہاں تک کہ قائداعظم کی حمایت اور تعاون اُن کے اسی نظریے کی دلیل تھی ۔ بلاشبہ وہ اتحاد المسلمین کے ذریعے اسلام کی اولین عظمت کو بحال کرنا چاہتے تھے اسی لیے وہ عملی اقدامات میں سید جمال الدین افغانی کی تحریک کو زیادہ پسند کرتے تھے ۔ یہاں وہ ان اقدامات کی حمایت کرکے سید جمال الدین افغانی سے مل جاتے ہیں اور سرسید کی راہ سے اُن کی راہ الگ ہوجاتی ہے ۔ سرسید انگریز سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعاون کرنے کو ضروری سمجھتے تھے اور سید جمال الدین افغانی انگریزوں کے سخت ترین دشمن تھے اور یہی حال ظفر علی خاں کا بھی تھا ۔

وہ پوری ملت اسلامیہ کا درد رکھتے تھے اور ان کی بہتر زندگی میں خوش ہونا ، ان کے ساتھ تعاون کرنا اپنے لیے اور تمام اہل اسلام کے لیے ضروری سمجھتے تھے - ان کی نظر میں عربستان ، افغانستان اور ایران (یہ جغرافیائی خطے) سب سلسلۂ اسلام کی کڑی تھے اور ان تمام ممالک کے مسلمانوں کا یکجا رہنا ملت اسلامیہ کے لیے ضروری تھا ۔ اسی لیے وہ ملت اسلامیہ کو ملت بیضاء کہتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ توحید کو اسلامی عقائد میں بنیادی اہمیت دیتے تھے- اسی لیے انھوں نے اس اصول کو مانتے ہوئے کسی دوسرے کے سامنے سر نہیں جھکایا اور اسلام کے اصولوں کو کسی مصلحت آمیزی کے باعث قربان نہیں کیا ۔ وہ کراچی میں کانگرس کے یک جلسہ میں شریک تھے ، انھوں نے نماز مغرب کے وقت جلسہ روک دینے کا اظہار کیا اور جب کانگرس نے جلسہ ملتوی نہیں کیا ، وہ جلسہ سے باہر گئے ۔ حالانکہ کئی نامور مسلمان نیشنلسٹ بیٹھے رہے لیکن انھوں نے اس کفر آمیز رویہ کی کبھی حمایت نہیں کی ۔ ان کے جگری دوست بھی ان سے الگ ہوگئے لیکن وہ تنہا ہی اس راستے پر چلتے رہے ۔ ان کی صاف گوئی نے انھیں بہت نقصان پہنچایا ۔ اغیار تو خفا تھے ہی، احباب بھی ناراض ہوگئے- وہ ببانگ دہل یہ کہتے بھی رہے ، اور عمل بھی کرتے رہے :

وہ ہوگا اور ہی کوئی ، جو رکھتا ہو لگی لپٹی
میں اپنی صاف گوئی پر پشیماں ہو نہیں سکتا

وہ جسے غلط سمجھتے اس کا اعلان کرتے ، اور اس اعلان میں کسی لگی لپٹی کو دخل نہ تھا ۔ ان پر کفر کے فتوے بھی لگے اور دشنام طرازی کے طوفان اٹھے لیکن وہ یہی کہتے رہے :

لگائیں مجھ پہ فتوے کفر کے یہ بھی سب مل کے
میں ان کے الٹی میٹم سے ہراساں ہو نہیں سکتا

جرأت و بے باکی :

مولانا ظفر علی خاں نے حیدر آباد کے قیام کے ابتدائی دور میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک تبلیغی نظام کی ضرورت کو محسوس کرلیا تھا ۔ حیدر آباد میں مسیحی مبلغین نے ڈھیڑ اور چاروں پر انعام و اکرام کی بارش کر رکھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی - اس خیال نے انھیں اور بھی تبلیغی سر گرمیوں کی طرف مائل کیا - چنانچہ انھوں نے انجمن تبلیغ اسلام کی داغ بیل ڈالی اور وہاں افتتاحی جلسہ کے انعقاد کی تیاریاں بھی کردی تھیں - ''پھر دکن ریویو'' کا اسلام نمبر اور ہندو نمبر اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ پوری جرأت کے ساتھ اسلامی خوبیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے ---ڈاکٹر چٹو پاڈیہ ایم - اے - پی-ایچ- ڈی کے مسلمان ہونے اور اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کرنے کے موقع پر اس جلسہ میں انھوں نے ان کی تقریر کا ترجمہ پیش کیا اور وہاں ایک مرصع نظم بھی اسلام کی خوبیوں پر پڑھ کر سنائی - اس نظم سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کتنی جرأت کے ساتھ اپنے اس مشن کو آگے بڑھانا چاہتے تھے ؎ -

بلاشبہ وہ ایک جری اور قوی دل انسان تھے - انھوں نے کبھی مصیبتوں اور تکلیفوں ، طعن و تشنیع اور طنزیہ جملوں کے سامنے پسپا ہونا سیکھا ہی نہیں تھا جس کا سبب خدا پر یقین محکم اور رسول صلعم پر ایمان کامل تھا - ان کے رجحانات یقیناً تجدد پسند تھے اور اسی تجدد پسندی نے انھیں سلطان ابن سعود کے اقدامات کی بے جا اور خواہ مخواہ کی تاویل بھی کرنے پر مجبور کر دیا تھا لہٰذا انھوں نے سلطان کی پوری پوری موافقت کی اور انہدام مزارات مقدسہ کے درد ناک حادثہ کے باوجود وہ سلطان ابن سعود کی حمایت کرتے رہے - اس سلسلے میں انھیں زک بھی اٹھانی پڑی - بہرحال وہ اپنے ملک میں مختلف سیاسی اور صحافتی محاذ پر قلمی لڑائیوں میں ہمیشہ تن تنہا ہی نبرد آزما رہے - لیکن چونکہ مسلمان سیاسی اعتبار سے بہت پس ماندہ تھے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی موافقت کی جائے تاکہ انگریز کا مقابلہ پورے طور سے کیا جاسکے -

برق رفتاری :

وہ خود مزاجاً برق رفتار تھے ، ہمیشہ تیز چلتے تھے، تیزبولتے تھے اور تیز لکھتے بھی تھے ، اور اسی برق رفتاری سے شعر بھی کہتے- اداریے اور فکاہات بھی خود لکھتے تھے - وہ اسی برق رفتاری سے (جو ان کے مزاج کا خاصہ تھی) مسلمانوں کی پس ماندگی دور کرنے کی کوشش کرتے تھے - مسلمان غیر مسلم طاقتوں کے محکوم تھے اور ان کی خفیہ چالیں سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے مسلمانوں کو ترقی کی دوڑ میں پیچھے رکھنے میں سرگرم عمل رہتی تھیں - مولانا اپنے سیاسی تجربات کے باعث اس کمی (اقتصادی پستی) کو جلد سے جلد پورا کرنا چاہتے تھے - وہ خود بے حد حساس تھے اور یہی احساس انھیں سرمایہ دار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوموں کو شکست دینے کے لیے تحریر و تقریر کے ہتھیار سے مقابلہ کے لیے تیار رکھتا تھا ۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اقتصادی میدان میں بھی اغیار سے پیچھے نہ رہنے پائیں تاکہ سیاسی میدان میں وہ پورا مقابلہ کرسکیں ۔ وہ بعض اہم تحریکات کے بانی رہے ، اُن کی سر پرستی کی ، اُن تحریکات کو پھیلانے کی کوشش بھی کی اور اس سلسلے میں جو نوجوان اُن کے پاس آئے ، انھوں نے ان کی ہمت افزائی بھی کی ، لیکن بقول شورش کاشمیری ''اُنھیں بہت سی مرتبہ اس سلسلے میں دھوکے بھی کھانے پڑے اور مالی نقصان بھی اٹھانے پڑے ، اور پھر ان تحریکات میں ان کے بعض ساتھیوں نے جب ان تحریکوں کو اپنے ذاتی یا سیاسی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا تو وہ فوراً ان تحریکات سے علیحدہ ہوگئے۔ وہ طبعاً جلد باز تھے،لیکن یہ جذبہ اُن کے دل و دماغ کی یکسوئی کا نتیجہ تھا کہ وہ جس قدر جلد سوچتے تھے ، اُسی طرح وہ منزل عمل میں سب سے آگے بڑھ جانا چاہتے تھے ۔ سستی و کاہلی ان میں نام کو نہ تھی ، وہ اپنی گرم رفتاری سے زمانے سے آگے بڑھ جانا چاہتے تھے ، وہ ستاروں سے آگے بڑھ کر کار خرد منداں انجام دینا چاہتے تھے ۔ جس طرح ان کا شبدیز قلم کبھی نہیں رکا ، ان کی طاقت لسانی نے بھی ان کا ہمیشہ ساتھ دیا ۔ بعض ذی علم اور ان کے مزاج شناس بعض مسائل کے متعلق ان کی جلد بازی اور عجلت پسندی کا شکوہ کرتے ہیں لیکن یہ باتیں فروعات کی حد تک توضیح کہی جاسکتی ہیں لیکن سیاسی مسائل سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ انھوں نے منافقت کبھی نہیں برتی۔ انھوں نے کراچی میں کانگرس کے ایک اجلاس کا اسی لیے بائیکاٹ کر دیا تھا کہ اس نے نماز کے لیے جلسہ ملتوی نہیں کیا ۔ اور گویا اس طرح کانگرس نے اسلامی عقیدہ رکھنے والے حضرات کی توہین کی تھی ، وہ بائیکاٹ کرنے والے پہلے اور آخری شخص تھے حالانکہ ایسے لوگ بھی وہاں موجود تھے جو علمی و دینی لحاظ سے ان سے زیادہ مرتبہ کے مالک تھے ۔ انھوں نے ببانگ دہل کہا :

پڑھتے نہیں ہیں قوم کے لیڈر نماز کیوں
کھویا گیا ہے قوم سے یہ امتیاز کیوں

ہوتی نہیں ہے سجدہ فشاں ، صبح اور شام
درگاہ کبریا پہ جبین نیاز کیوں

آقا سے کیوں غلام نے کی ہے یہ سرکشی
محمود سے ہوا ہے عناں تاب ایاز کیوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآں پہ جب عمل ہی مسلماں کا نہ ہو
ہو طاقت آزمائے حقیقت مجاز کیوں

(بہارستان ، ص ۹۹)

وہ جس مسلک سے تعلق رکھتے تھے اس مسلک کا نام اسلام تھا جس کے معنی ہیں اللہ کے سامنے سر جھکانا ۔ اس کی طرف سے بھیجے ہوئے نبیوں کی تعلیم کو ماننا اور آنحضرت صلعم کو آخری نبی مان کر ان پر ایمان لانا ۔ گویا اسلام ان کے عقیدہ و جذبے کے تحت ایک ایسا کلی نظام ہے جس میں انسانی فکر و عمل کے تمام پہلوؤں کو ایک موثر اور فیصلہ کن اصول کے تحت منضبط کر دیا گیا ہے۔

عقیدۂ توحید :

عقیدۂ توحید ان کے لیے بحیثیت مسلماں سرچشمۂ حیات ہے اور سرمایۂ آخرت ۔ وہ ہی عبادت کے لائق ہے ، وہ ہی ذات :

خدائے واحد و قہار لا شریک لہ'

ھو القدیر ھو الآخر و ھو الاول

کارخانہ الٰہی و قانون قدرت ہی سب چیزوں میں کار فرما ہے اور اس کے اشاروں پر نظام کائنات قائم ہے ۔ اور یہ طریقۂ کار ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا :

ازل کی صبح سے بے وقفہ چل رہی ہے یونہی
خدا کے ایک اشارے پہ کائنات کی کل

وہ واضح کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ خدا نے آسمان اس قدر بڑا بنا کر بھی سر نگوں کر دیا تاکہ کسی کو بھی اپنی بڑائی پر غرہ نہ ہو۔ اس کی قدرت کے سامنے ہر چیز سر بسجدہ ہے اور اسی نے مور ضعیف کو سلیماں جیسے ذی قدر نبی' اور عظیم الشان شہنشاہ کے خوان نعمت سے سرفراز فرمایا ۔ وہ اس نعمت پر شکر کرتے ہیں کہ اس نے مجھ کو زبان عطا فرمائی اور یہی انعام اس کا کیا کم ہے کہ اپنی تعریف کے لیے اس زبان کو مخصوص کر دیا ۔ اسی لیے وہ ہر وقت اپنے گنہہ گار ہونے کے اعتراف کے باوجود آمرزش کے سہارے ہی بخشش کی آس رکھتے ہیں اور قرآن مجید کے حکم کے مطابق لا تقنطوا پر اپنا ایمان مستحکم رکھتے ہیں :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاتقنطوا کے نشہ میں سرشار رہتا ہوں
سیہ مستوں کو بخشی ہے حیات جاوداں تو نے

وہ جب اللہ سے خطاب کرتے ہیں تو حرف تو سے خطاب کرتے ہیں تاکہ اس کی شان کبریائی میں کسی غیر کے شریک ہونے کا باطل خیال ذہن میں نہ آسکے اور جب وہ حمد کے میدان میں قلم اٹھانے کی ہمت کرتے ہیں تو اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں کہ جس میدان میں ظہیر، غالب، فیضی و سعدی اور خیام اپنے قلم توڑ گئے ہوں وہاں مجال سخن کی ہمت کرنا دلیل کم فہمی ہے۔ لیکن یہ خیال ان کی ہمت کو آگے بڑھاتا ہے کہ اس بارگاہ میں جب گڈریے کو حضرت موسیٰ سے زیادہ انعام مل گیا تھا تو وہاں اس درگاہ میں خلوص نیت کے ساتھ ناصیہ فرسائی کی ضرورت ہے۔ بیشک وہ ایسی بارگاہ ہے جہاں مقال کی اہمیت نہیں بلکہ گوشۂ دل کو خلوص کے ساتھ غیر اللہ کی محبت سے خالی کر دینے کا مطالبہ ہے۔ تو وہ اس کا یوں اعتراف کرتے ہیں کہ :

ہر چیز ہے ممکن مگر نہیں ممکن
کہ تیری حمد کا ایک شمہ ہو سکے ارقام

جب کہ وہاں قیاس کا دخل بھی ہرزہ سرائی ہے :

چلیں قیاس سے پر قصد گر کرے اس کا
تری صفات سے ہے اس قدر بعید افہام

اس لیے طائر وہم و قیاس اپنی جہالت و عدم علم سے صفات جلالی و جمالی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ فہم انسانی کے لیے یہ غیر ممکن ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہا کا پتہ چلائے، اس لیے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا :

طلوع صبح ازل سے ترا قدیم خلود
غروب شام ابد سے ترا مدید قیام

اپنی نظم میں وہ اس امر کی توضیح کرتے ہیں کہ اگر تمام دنیا بت پرستی اور کفر کی لعنت میں گرفتار ہو جائے تب بھی اس کی جلالت شان اور عظمت علوئے مقام اس کی شان بے نیازی اور صنعت خالقیت کا اعلان کرتی رہے گی۔

---

۱ - بہارستان (مجموعہ کلام ظفر علی خاں)، ص ۱۴۹، طبع مکتبۂ کاروان کراچی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر پوری دنیا اس کی بارگاہ میں سر بسجود ہو جائے اور رہے تب بھی اس کی عظمت اس نیازمندی سے بلند و بالا رہے گی بلکہ یہ تو خود اس انسان کی عظمت کے اضافہ کا باعث بن سکتی ہے کہ وہ اس کی عظمتوں کی چوکھٹ پر اپنا سر جھکا کر غیر کی غلامی سے خود کو آزاد کر لے ۔

ان کے عقیدہ میں اس کا کرم عام اور شان کریمی سب پر یکساں انعام رکھتی ہے ۔ اور یہ شان کرم ادنٰی ، اعلیٰ کافر و مسلم ، مومن و ملحد سب پر اپنا فیضان عام رکھتی ہے ۔ بلکہ جو زیادہ مظلوم ہے ، اتنا ہی وہ بارگاہ الٰہی میں رحمت سے قریب ہے ۔ اس مظلوم کا ٹوٹا دل اس کے فضل عمیمانہ کے سبب غموں میں صبر و استقامت حاصل کرتا ہے ۔ اسی لیے اس کی قدرت کے نظارے اگر ایک طرف زمین کی وسعتوں میں موجود ہیں تو دوسری طرف چرخ نیلی فام اس کی قدرت کا ادنٰی نمونہ ہے :

ہے جلوہ گاہ تری صنعتوں کا پردۂ ارض
کرشمہ ہے تری قدرت کا چرخ نیلی فام

اسی جگہ آگے چل کر وہ ایک عجیب فلسفیانہ نکتہ بیان کرتے ہیں ، کہ بھلا سوچو تو سہی کہ آسمان اس کی قدرت کا نمونہ ہے ۔ لیکن آج تک کوئی اس نظام شمسی کو سمجھ نہیں سکا اور فلاسفہ بھی اس منزل میں عوام کالانعام ہیں ۔ اس لیے کہ جہاں نگاہ عقل خیرہ ہو جائے اور اس کی پیدا کردہ مخلوق اور اس کی صفت تخلیق خود ذی فہم سے مسئلہ لاینحل بن جائے تو خالق کائنات کے لیے کون سی دلیل شمس بازغہ بن کر اس کی طرف راہنمائی کر سکتی ہے۔ یہ تو آسمان کا ذکر تھا۔ اب زمین پر ہی غور و فکر کیجیے کہ کیا انسان لالہ و گل کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے ، کیا نسیم سحری کے اسباب معلوم کر سکتا ہے اور اس کی زلف عنبریں کی خوشبوئے مشک سا کی حقیقت کا پتہ چلا سکتا ہے ۔ جب انسان یہ کچھ معلوم نہیں کر سکتا تو اسے اپنا سر عجز جھکا کر اپنی نادانی کا اعتراف کر کے اس کی عظمت و شانِ جبروت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے ۔ جبھی تو شاعر خدا کے حضور میں یہ عرض کرتا ہے :

نتیجہ یہ کہ خدایا تری خدائی میں
سمند فکر رسا ہے مثال کرۂ خام

مجال چون و چرا کی تری حضوری میں
نہیں کسی کو وہ جاہل ہو یا کہ ہو علام

(بہارستان صفحہ ۲۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر تمام دنیا بت پرستی اور کفر میں گرفتار ہو جائے، تب بھی اس کی جلالت شان اور عظمتیں اپنی شان بے نیازی کے ساتھ اس کی خالقیت کا اعلان کرتی رہیں گی اور اگر تمام دنیا اس کے سامنے سر جھکا لے، تو اس سے اس کی عظمتوں میں اضافہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سجدۂ نیاز خود انسان کو غیر کی غلامی سے آزاد کر دے گا۔

ان کے عقیدہ میں اس کا کرم عام، اور شان کریمی سب پر یکساں اپنا انعام رکھتی ہے، اس کی شان کریمی ادنٰی اعلٰی، کافر و مسلم، مومن و ملحد میں تمیز نہیں کرتی بلکہ جو مظلوم زیادہ ہے، وہ اس کی رحمت سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس کا ٹوٹا ہوا دل نگاہ قدرت میں زیادہ محبوب ہے۔

اس کی قدرت کے نظارے اگر ایک طرف زمین کی وسعتوں میں موجود ہیں۔ تو دوسری طرف چرخ نیلی فام اس کی قدرت کا ادنٰی نمونہ ہے:

ہے جلوہ گاہ تری صنعتوں کا پردۂ ارض
کرشمہ ہے تری قدرت کا چرخ نیلی فام

نظر فلک پہ اگر ڈالیے ذرا تو ہمیں
دکھائے شعبدہ بازی لیالی و ایام

جنھیں سمجھنے کی کوشش میں آج کے دن تک
فلاسفہ بھی ہیں مثل عوام کالانعام

نتیجہ یہ کہ خدایا تری خدائی میں
سمند فکر رسا ہے مثال کرۂ خام

مجال چون و چرا کی تری حضوری میں
نہیں کسی کو وہ جاہل ہو یا کہ ہو علام

حیدر آباد دکن — دکن ریویو جلد دوم، جنوری ۱۹۰۴ء

خدا کے حضور میں سر بسجود رہ کر وہ مسلمانوں کی حالت زار کو بہتر کر دینے کے لیے ہمیشہ دعا گو رہے۔ حرم کعبہ ہو یا میدان عرفات ان کو اپنی قوم کی بہبود کا خیال کبھی نہیں بھولا۔ یہاں تک کہ جب وہ ہلال عید دیکھتے ہیں تو ایک مسلمان بادشاہ کی زبانی خدا سے یوں دعا کرتے ہیں:

اے کہ میرا لطف ہے وجہ نمود کائنات
اے کہ شامل رحمتیں تیری ہیں خاص و عام کو

اے کہ تیرے نور رنگا رنگ نے روشن کیا
قصر گیتی کے در و دیوار و سقف و بام کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے کہ خلاق تری نازاں ہے اس کی ذات پر
جس نے بطحا سے دیا درس حیات اقوام کو

بخش پھر ہم نا توانوں کو توانائی وہی
جس نے دنیا میں کیا تھا سر بلند اقوام کو

رہ چکا ہے نام عالم میں مسلماں کا بلند
اپنی یکتائی کا صدقہ پھر اچھال اس نام کو

عید کا یہ چاند لایا ہے نوید فرخی
ٹال اس کی روشنی میں گردش ایام کو

کشور ہندوستاں کے سر پہ رکھ عزت کا تاج
تاکہ آزادی ملے مصر و عراق و شام کو

ایشیا کو نغمۂ توحید سے معمور کر
تاکہ ہم پہنچائیں یورپ تک ترے پیغام کو

(زمیندار ۲۳ مارچ ۱۹۲۸ع
یوم جمعہ ۳۰ رمضان ۱۳۴۶ھ)

عقیدۂ رسالت :

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے متعلق آن کا یہ عقیدہ بالکل واضح تھا کہ آپ خدا کے آخری نبی ہیں ۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ۔ حضور کی حدیث ''لا نبی بعدی'' پر ایمان کامل تھا ۔ اور یہ کہ خدا کی طرف سے آنھیں جملہ مخلوقات پر تصرف کا حق حاصل ہے۔ حضور صلعم کی ذات والا صفات نے تمام نکات سرمدی کو حل کر دیا ہے اور حضور نے عرب و عجم کی تفریق ختم کر دی اور نسل و ذات کا فرق مٹا دیا ۔ اسی سبب سے موجودات عالم کی تمام رونقیں سب آپ کے سبب سے ہیں اور آخرت میں آپ شفیع المذنبین ہیں ۔ وہ خود کہتے ہیں :

لوں نام مصطفیٰ کا کہ آتا نہیں قرار
اس قصۂ لذیذ و دل آویز کے بغیر[1]

''ایک سچا مسلمان یقیناً دین کے بارے میں حساس ہوتا ہی ہے ۔ وہ

---

۱ ۔ رسالہ ترجمان القران (جلد ۲۷ عدد ۳) صفحہ ۱۳۸ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بارے میں سب سے زیادہ نازک جذبات رکھتا ہے۔ اس عالم محسوسات میں ایک مسلمان کو جس قدر محبت حضور کی ذات اقدس سے ہوتی ہے وہ کسی اور سے نہیں ہو سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اس محبت اور عقیدت کے سب سے بڑے مرکز ہیں باقی سب عقیدتیں اسی کی تابع ہیں حضور صلعم و آلہ کے ساتھ قلبی لگاؤ ایمان کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں حضور صرف ایک مصلح ہی نہیں بلکہ منشائے خدا وندی کے آخری شارح اور ترجمان ہیں۔ ان کی محبت سے انسان کے دل و دماغ میں ایمان کی شمع روشن ہوتی ہے۔ اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے انسان دنیا و آخرت میں فائزالمرام ہوتا ہے[۱]۔ چونکہ انسانی معاشرہ میں نبی کا مقام انتہائی نازک مقام ہے۔ ایک معمولی بات بھی جو کسی دوسرے انسان کی زندگی میں پیش آ جائے چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ نبی کی زندگی میں اگر پیش آ جائے تو وہ قانون کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی لیے ان کا کوئی ادنلی قدم بھی منشائے الٰہی سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا اور ان کے افکار و اعمال میں ذرہ برابر کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جو منشائے الٰہی سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ اس کا احترام اسی بنا پر ہے کہ وہ مرضی الٰہی کا مکمل نمائندہ ہے اور اس کا اسوۂ حسنہ اللہ کی مرضی کی پوری نمائندگی کر رہا ہے''۔

اس بنا پر ایک مسلمان کی پوری زندگی کا ماحصل یہ ہے کہ جب اس نے آنحضرت کو آخری پیغامبر مان لیا ہے تو ان کے اسوۂ حسنہ اور ارشاد گرامی کو اپنا سرمایۂ ایمان بنائے اور ان کے نام کی عظمت اپنے افعال حسنہ سے قائم کرے۔ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اس کا مقصد زندگی ہو اور حضور کی اطاعت میں اس طرح غرق ہو کہ وہ اسلام کا سراپا پیغام بن جائے اس کی زندگی اسلام کا صحیح نمونہ بن جائے۔ ان کی محبت میں دیوانگی حقیقت میں فرزانگی ہے:

دیوانگی نہ ہو تو یہ فرزانگی نہ ہو
مسلم ہے ہیچ عقل جنوں خیز کے بغیر

۱۔ رسالہ ترجمان القرآن (جلد ۲۷ عدد ۳)، ص ۱۵۲، بادنیٰ تصرف۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہے
اسلام کے پیالۂ لبریز کے بغیر
(نگارستان ، ص ٦٠)

چونکہ حضور کے وجود مبارک سے اہل عالم جاہلیت کے دور سے نکلے، بدی کا غبار پھٹا، باطل کی سیاہی چھٹی، ایمان کی سیادت بڑھی، کفر کی ضلالت گھٹی۔ وجود ذی جود نے سہر درخشاں کی تابانی کی طرح عالم سے ظلم و نفرت کی شب تار کی ظلمت کا پردہ چاک کر دیا اور رحمت پروردگار بن کر امن و سلامتی کا پیغام اپنی سچی اور سادہ زندگی سے گھر گھر پہنچا دیا ۔ وہ بدو عرب جو کینہ پروری میں اپنی مثال اور ضد میں اپنی نظیر آپ تھا ، حضور کی تعلیم کی بدولت آن کا کلمہ پڑھنے لگا ۔ حق و صداقت کی جو آواز اس گھر سے آٹھی ، وہ سارے عالم کے کونے کونے میں پھیل گئی اور پیغام ابدی بن کر ساری دنیا کو باطل کے خلاف صف آرا ہونے اور حق کی خاطر جان دے دینے کی ایسی محیرالعقول قربانیاں پیش کر دیں کہ رہتی دنیا تک اس مبارک نام کا ڈنکا بجتا رہے گا :

جناب ختم رسل پر ہزار بار درود
ہے جن سے عالم اسکاں کی گرمیٔ بازار
(نگارستان ، ص ۷۰)

تاجدار مدینہ کا غلام بننا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مصیبتوں میں کندن بن کر نکلے لیکن جب اسوۂ حسنہ پر عمل نہ کیا جائے اور صرف زبان سے اقرار توحید و رسالت تو ہو مگر عمل وہی ریاکارانہ ہو یا دنیادارانہ ، تو پھر نصیب واژگوں نہ ہو تو اور کیا ہو۔ آنھوں نے ان افراد کے خلاف بڑی شد و مد سے قلمی محاذ بھی کھول دیا ۔

آن کے سیاسی خیالات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے ۔ اور یہ ہر شخص کا بنیادی حق ہے ۔ لیکن ان کی نیت پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ چونکہ طبعاً صاف دل انسان تھے ، اس لیے بغض و کینہ رکھنا آن کے لیے قطعی نا ممکن تھا ۔ انھوں نے قادیانیت کی کھل کر مخالفت کی ۔

چونکہ وہ پوری طرح اس عقیدے پر قائم تھے ، کہ آنحضرت صلعم کے بعد اب کسی نبی کا آنا ہی ناممکن ہے اور حدیث شریف لا نبی بعدی اس امر کی وضاحت کرتی ہے اس لیے انھوں نے اپنی پوری زندگی پوری جرأت کے ساتھ قادیانیت کی تردید میں صرف کر دی ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عشق :

ان کے جذبات کا دھارا ان واردات قلبی کے منبع سے نہیں نکلا تھا جسے عرف عام میں عشق کا نام دیا جاتا رہا ہے۔ جب ان کے ایک شاگرد نے اپنی شوخ چشمی کے سبب یہ دریافت کرنے کی ہمت کر ہی لی، کہ کیا انھوں نے عشق بھی کیا ہے، تو انھوں نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور

فرمایا کہ: ''کم بخت! مسلمان کبھی بھی اس قسم کی فحش حرکات نہیں کرتا ہے۔''

ان کے یہاں (ہاں) ملت کا عشق، اسلام کا عشق، تاسی رسول کرنے کا عشق، اسلام کو سر بلند دیکھنے کا عشق اور کردار نیک، کا عشق ہے۔ وہ صوفی سے اس وجہ سے ناراض ہیں کہ ''جو صوفی کبھی محبت و اخوت اور ایثار کا پیکر تھا، آج خانقاہوں کے اندر طبلے کی تھاپ پر مست ہے۔ نہ اس کے ایمان میں گرمی ہے، نہ اس کے عمل میں کوئی شعلہ ہے، وہ عراق کے شعر اور قوال کی دھنوں پر سر دھنتا ہے، مگر اس کا دل آیات قرانی کے سوز سے خالی ہے، اس کی نگاہ خانقاہی نظام کی بدولت دی ہوئی نذر و نیاز سے آگے نہیں دیکھ سکتی۔ بلکہ اس کا مطمح نظر صرف یہ ہے کہ وہ قوال کی تھاپ پر مست رہے۔''

عشق رسول کی اہمیت کا اندازہ مولانا کی ان نعتوں سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہر بات، ہر پریشانی میں حضور انور سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اسی عشق نے قادیانیت کی مخالفت میں اشعار لکھوائے اور اس کے خلاف قلمی، جہاد کا محاذ بھی قائم کرا دیا اور اپنے اخبار کے صفحات اس کے لیے وقف کردیئے اور نہ صرف تحریروں بلکہ تقریروں کے ذریعہ بھی اس مشن کو جاری رکھا۔ ان کی آواز قید خانوں کی دیواروں سے بھی گونجی، تو وہ بھی عشق رسول میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مختصر یہ کہ ان کا منتہائے مقصود ہمیشہ عشق رسول رہا، ان کے لیے میدان عرفات ہو یا کوئی سیاسی پلیٹ فارم، یکساں اظہار محبت کی حیثیت رکھتے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لا تقنطوا من رحمة اللہ :

اسلامی عقیدہ کی رو سے مایوسی کفر ہے ۔ مولانا ظفر علی سیاسیات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے اور مسلمانوں کے اقتصادی ، سیاسی معاملات بہتر نہ ہونے کے اسباب جاننے کے باوجود کبھی مایوسی کو قریب بھی نہ آنے دیتے بلکہ وہ اپنی توانائی قلم سے اس احساس کمتری کو کم کرتے ہیں ۔ وہ بار بار رضائے الٰہی کے حصول کے لیے سجدے کرتے ہیں ، بار بار دعائیں مانگتے ہیں گویا امید کی ایک لو لگی ہوئی ہے۔ وہ مومن کو بار بار مژدۂ لا تقنطوا سناتے ہیں اور کبھی مستقبل کی جھلک دکھاتے ہیں مثلاً :

ان کواکب کے عوض ہوں گے نئے انجم طلوع
ان دنوں رخشندہ تر یہ آسماں ہو جائے گا

وہ فلسفیانہ انداز میں سوچتے ہیں تو عقیدہ کی روشنی مایوسیوں کے گھٹاٹوپ اندھیرے کو کاٹتی چلی جاتی ہے اسی لیے مخالف افراد کی کثرت یا قلت آن کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی ، ان کے نزدیک امید اور ایمان ایک مستحکم چٹان ہے ، جہاں مایوسی کا گزر نہیں ، بلکہ دائمی زندگی انسان کا مقدر ہے ۔ وہ کہتے ہیں :

اپنے بندوں کو سنایا مژدۂ لا تقنطوا
تو نے آباد ان سیہ بختوں کا تیرا کر دیا

اسوۂ حسینی :

وہ عشق رسول کے ساتھ محبت اہل بیت میں بھی سرشار نظر آتے ہیں۔ واقعۂ کربلا اہل دانش کے لیے ایک فکر انگیز مسئلہ ہے جہاں تمام انسانوں کو خلوص سے سر نیاز اس چوکھٹ پر جھکا دینا چاہیے ۔ ظفر علی خان ببانگ دہل اس امر کا اظہار کرتے ہیں ۔

ولایت :

آن کے اعتقاد میں ولایت کا رشتہ رسالت سے کم ہے اور طریقت کا مقصد دراصل شریعت پر عمل کرنا ہے اسی لیے وہ ولی کامل ہو سکتا ہے جو شریعت حقہ پر مکمل طور سے عامل ہو ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھر کی تربیت ، طفولیت و بچپن کے مشاغل :

مولانا خود ناقل ہیں کہ "بچپن میں مجھے کبڈی اور کرکٹ کا بہت شوق تھا" بقول شیخ کرامت اللہ "وہ پتنگ بھی خوب اڑاتے تھے، لیکن یہ شوق بچپن کے ساتھ ختم ہوگیا ۔" آن کی جوانی کی شرارتوں میں شوخی بہت تھی ، وہ دوستوں میں نئے نئے انداز سے ایسی دلچسپ شوخیاں کرتے کہ جن میں خوش مذاقی کا پہلو ہمیشہ مدنظر رہتا ۔

آن کی راست گوئی گھر کی پاکیزہ تربیت کا اثر تھی ۔ پربھنی (حیدر آباد دکن) سے ایک وکیل صاحب نے جن کی مولانا کے والد سے قطعی جان پہچان نہ تھی ، ایک خط میں ظفر علی خاں کی قابل رشک راست کرداری کا تذکرہ کرتے ہوئے آن کو مبارک باد دی تھی کہ آپ کے طریقہ تربیت نے آپ کے فرزند ارجمند کی درخشاں سیرت میں وہ حسن و دلآویزی پیدا کردی ہے ، جس کی نظیر کم دیکھنے میں آئی ہے — اس کے ساتھ ہی آن وکیل صاحب نے خود اپنے نوعمر صاحبزادوں کی تربیت کے متعلق استدعا کی تھی کہ ان بچوں کو کرم آباد میں رکھ کر اپنی نگرانی میں تعلیم دیں اور اپنے فیض تربیت سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیں ۔ منشی سراج الدین احمد نے آن کی استدعا قبول فرما لی تھی ، چنانچہ وہ دونوں بچے اتنے دور و دراز علاقے سے آئے اور ڈیڑھ دو سال کرم آباد رہے ، بعد میں ایک بچے کی علالت کے باعث دونوں بھائیوں کو واپس بھیج دیا گیا[1] ۔

دوڑنے ، ورزش کرنے اور تیز چلنے کی عادت بچپن سے پڑ گئی تھی اور یہ شوق ہمیشہ قائم رہا ۔ جب وہ گجرات میں زیر تعلیم تھے اور کرم آباد آتے تو ان کے والد کہتے کہ جو بچہ وزیر آباد سے پہلے اخبار خرید کر لائے گا ، اسے انعام ملے گا ۔ ظفر علی خاں پہلے اخبار لے کر آتے اور انعام لیتے ۔ لاہور آنے کے بعد بھی روزانہ سیر اور باقاعدہ ورزش کرتے، علی الصبح اٹھتے ، روزانہ دہلی دروازہ سے دوڑ کر نہر پر جاتے ، اس طرح ہر روز چھ سات میل کا چکر کاٹتے ۔[2]

نماز کی پابندی :

گھر کی تربیت اور آبا و اجداد کی کڑی نظر نے ان کو اوائل عمری ہی

---

۱ ۔ عنایت اللہ : مدیر حریت لاہور ۱۹۳۲ء ۔
۲ ۔ سالک ، عبدالمجید : یاران کہن، ص ۷۳ ، طبع ۱۹۶۷ء لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نماز کا پابند بنا دیا تھا - ایک دفعہ ایک میچ میں ریفری تھے - نماز کا وقت آگیا تو انھوں نے فوراً سیٹی بجائی اور کہا کہ کھیل نماز کے لیے بند کیا جاتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے خود امامت کرائی ، سنت کی پابندی کے لیے سب سے اہم مسئلہ نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرنا تھا - ان کی زندگی میں (میرے علم کی حد تک) ایسے اہم دو واقعے پیش آئے ، جب انھوں نے نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں کسی مصلحت کا خیال نہیں کیا - نماز کو انتہائی پابندی کے ساتھ ادا کیا اور دوسروں کو بھی اس فریضہ کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا - پہلا موقعہ یہ تھا جب وہ ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار دیکھنے کے لیے گئے تھے - لوگ گھنٹوں سے شاہی جلوس دیکھنے کے منتظر کھڑے تھے ، اسی انتظار میں نماز کا وقت آ گیا تو انھوں نے وہیں ایک طرف کھڑے ہو کر اذان دی ، اور نماز بھی ادا کی -

دوسرا واقعہ، کانگرس کے اجلاس کراچی میں ۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء کو جب نماز کا وقت آگیا ، انھوں نے اس کے لیے وقفہ طلب کیا جو نہ مل سکا تو وہ احتجاجاً باہر نکل آئے اور فوراً یہ اشعار ارتجالاً زبان پر آئے :

پڑھتے نہیں ہیں قوم کے لیڈر نماز کیوں
کھویا گیا ہے قوم سے یہ امتیاز کیوں ؟

انھوں نے احترام مسجد کے لیے لاہور میں ان عائد شدہ پابندیوں کے خلاف بھی عملی قدم اٹھایا جہاں یہ لکھا ہوا تھا کہ ''ان مساجد میں وہابیوں کو داخلہ کی اجازت نہیں ہے''۔ وہ ان پابندیوں کو اسلام کی روح کے خلاف سمجھتے تھے ، چنانچہ انھوں نے ان پابندیوں کے خلاف خود تحریک شروع کی اور خود جا کر ان مساجد میں نماز ادا کی - اسی نماز کی اہمیت کے پیش نظر نماز کمیٹی بھی بنائی جو صبح کے وقت لوگوں کو نماز کے لیے اٹھاتی - وہ خود ان پارٹیوں کے ساتھ محلہ در محلہ پھرتے اور نماز کے لیے بیدار کرتے - اس کے لیے زور دار نظمیں لکھیں :

سحر قریب ہے اللہ کا نام لے مسلم

انھوں نے اُن مسجدوں میں جا کر نماز ادا کی ، جہاں لوگ ان مسجدوں کو مخصوص فرقے کے لیے ہی سمجھتے تھے - چنانچہ مولوی عبداللہ چکرالوی کی مسجد میں بھی لوگوں کے ہمراہ جا کر نماز پڑھی (چونکہ اہل قرآن تھے) اُن کا زیر دفعہ ۱۰۷/۱۰۱ چالان ہوگیا اور گرفتار کر لیے گئے - بعد میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجلس اہل قرآن نے یہ مقدمہ واپس لے لیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ مرزائیوں کی مسجد میں تبلیغ کے لیے پہنچ گئے۔ وہ اس واقعہ کے دو روز بعد گرفتار بھی ہوئے (اگرچہ انھوں نے عذر گرفتاری کچھ اور لکھوایا) بہر حال پولیس نے تین ماہ کے بعد مقدمہ واپس لے لیا۔

وہ جذبۂ توحید کو ابھارنے کے لیے خود مثال بن جاتے اور انھوں نے مسجد کی اہمیت سے کبھی بھی غفلت نہیں برتی، وہ خود کہتے ہیں:

اچھالا جذبۂ توحید نے عالم میں نام اپنا
ابھارا جس نے اس جذبہ کو ہے وہ بالیقیں مسجد

وہ مسجد کی تعظیم کے لیے سر کٹانے کے لیے بھی تیار رہتے۔ چنانچہ انھوں نے (مسجد شہید گنج) کے سانحہ کے موقع پر کہا تھا:

سر کٹاتا ہوں، میں تاسیس مساجد کے لیے
آبِ خنجر سے طہارت بھی کیا کرتا ہوں میں

وہ مسجد کو کعبہ کی بیٹی کہتے تھے۔ ''اس لیے احترام مسجد قائم مقام احترام کعبہ ہے''۔ آزادیٔ مسجد، آزادیٔ وطن کا دوسرا نام ہے۔ ان کے نزدیک لاہور میں نماز جمعہ پڑھنے کے لیے شاہی مسجد بہت اہمیت رکھتی تھی: ''عالمگیر نے یہ عظیم الشان وسیع مسجد بیکار نہیں بنائی تھی، اس کا مقصد تھا ہی یہی کہ جمعہ کے دن عظیم اجتماع ہو۔ آئندہ سے ہر مسلمان اپنے ساتھ چار، پانچ مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر آئے اور یہ سلسلہ جاری رکھا جائے تاکہ یہ مسجد بھر جائے۔''[1]

اچھالا جذبۂ توحید نے عالم میں نام اپنا
ابھارا جس نے اس جذبہ کو ہے وہ بالیقیں مسجد

بلاشبہ یہ جذبہ اس وقت زیادہ شدید ہو گیا تھا، جب شہید گنج مسجد کو ڈھا دیا گیا۔ انھوں نے ایک معرکۃ الآرا قطعہ کلکتہ میں ۱۶ اگست ۱۹۳۶ء کو لکھا:

شہید گنج کی مسجد پکارتی ہے تمھیں
دبے ہو، وہ خود اٹھ کر ابھارتی ہے تمھیں

---

۱ - تقریر مولانا ظفر علی خان: شاہی مسجد لاہور ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اس جہاز سے جو گھر گیا ہے طوفاں میں
کنارہ پر بسلامت اتارتی ہے تمھیں

وہ آپ اجڑتی ہے لیکن تمھیں بساتی ہے
وہ خود بگڑتی ہے لیکن سنوارتی ہے تمھیں

(چمنستان ص ۷)

پردہ :

مولانا پردے کے سخت سوافق تھے کہ اس سے اسلامی شعائر کی عظمت کا پتہ چلتا ہے بلکہ تہذیب اسلام کا بھی :

تہذیب نو جب آئی ، تو خوف خدا گیا
اور ساتھ ساتھ شرمِ رسولِ خدا گئی

مس حجاب اسماعیل نے ایک مضمون پردہ کے خلاف لکھا تھا ۔ انھوں نے ستارۂ صبح کے پرچوں میں طویل اداریہ لکھا اور بے پردگی کی سخت ترین مخالفت کی ۔[1]

بزرگوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت :

رئیس احمد جعفری[2] نے ایک واقعہ اس سلسلے میں لکھا ہے۔ ''۱۹۳۷ء کی بات ہے دہلی میں اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا ۔ مولانا نئی دہلی میں موجود تھے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی کے تا حال اختلافات تھے - دہلی میں مسئلہ فلسطین سے متعلق مسلم لیڈروں کا ایک اہم اجتماع ہونا قرار پایا تھا- دریا گنج دہلی میں ایک دو منزلہ مکان میں آمنے سامنے دو کمرے تھے - ایک کمرہ میں مولانا شوکت علی خاں ، دوسرے کمرہ میں مولانا ظفر علی خاں مع اپنی پارٹی کے مقیم تھے ۔ مولانا ظفر علی خاں نیلی قمیص پہنے نئی دلی تک سیر کرکے پسینے میں شرابور واپس آئے ۔ پارٹی کے لوگ ان کے منتظر تھے کہ وہ آئیں اور غسل کریں ، تاکہ ناشتہ سے فارغ ہوں ۔ اور ضروری ہدایات دیں تاکہ پھر جلسہ میں

---

۱ - اداریۂ ستارہ صبح لاہور۔ اس اداریےکو ہم اپنی دوسری کتاب ظفر علی خاں بحیثیت صحافی میں لکھ چکے ہیں ۔

۲ - رئیس احمد جعفری : ''ناقابل فراموش'' ص ۷۵۴ (اردو ادب کے آٹھ سال مرتبہ عشرت) ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلیں کیونکہ مجلس مضامین کا اجلاس ناشتہ کے فوراً بعد شروع ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹر سید محمود اور مولانا شوکت علی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ مولانا شوکت علی مرحوم کی نظر ظفر علی خاں پر پڑی ، وہ آواز دیتے ہیں ظفر علی خاں - انھوں نے جواب دیا ''جی''۔ انھوں نے کہا ''یہاں''۔ تو یہ فوراً ان کے کمرے میں داخل ہوئے ۔ دونوں میں خوب گھل مل کر باتیں ہوئیں اور اس بے تکلفی کے ساتھ جو صرف ایک علیگ دوسرے علیگ سے کرتا ہے - وہ (مولانا شوکت علی) تم سے خطاب کرتے ہیں اور انھوں نے ''آپ'' سے جواب دیا ۔ گویا اس بے تکلفی کے باوجود مولانا نے بزرگی کے ادب کو مدنظر رکھا ۔

وہاں اسی اثناء میں مجلس مضامین کا جلسہ شروع ہوگیا اور یہاں دونوں گفتگو میں مصروف - کچھ علی گڑھ کی باتیں کچھ ماضی کا تذکرہ ، کچھ آئندہ کا پروگرام ۔ سیاست کی بازی گاہ کے یہ دونوں حریف تھے لیکن مولانا ظفر علی کی بزرگ داشت میں ذرا بھی فرق نہیں آیا ۔''

''چھوٹوں پر بھی ان کی شفقت کا یہی حال تھا ، جب خوش ہوتے تو جیب میں سے جو کچھ بھی ہاتھ میں آجاتا نکال کر دے دیتے ، خواہ وہ گھر میں ہوں یا باہر ۔ وہ ایک دفعہ ندوہ گئے - طلبہ کی لائبریری میں پہنچے ، جہاں کچھ قلمی رسالے تھے (جو طلبہ ہاتھ سے لکھ کر لائبریری کی میز پر رکھ دیتے تھے) مولانا نے ان رسائل کا مطالعہ کیا ، خوشنودی مزاج کا اظہار کیا۔ پھر انھوں نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس دس روپے کے دو نوٹ نکال کر لائبریری کو عطیہ دیا اور وعدہ کیا کہ لاہور پہنچ کر 'زمیندار' مفت جاری کر دیں گے -'' وہ اس فلسفۂ قرآنی پر پوری طرح عامل رہے کہ تمہارے لیے بدلہ میں زندگی ہے - ان کا دوستوں کے ساتھ سلوک تھا تو انتہائی مروت کے ساتھ ۔ اگر دشمن بھی یا نا پسندیدہ شخص سامنے آگیا تو پھر آنکھ نہیں ملا سکتے تھے- اور جب کوئی مقابل میں سامنے آ جائے تو پھر کوئی کسر بھی اٹھا نہیں رکھتے تھے ۔ وہ ''جیو اور جینے دو'' کے اصول پر قائم رہے ۔ اور پھر جب کوئی وار کرتا تو اسے پینترا بھی بدلنے نہیں دیتے تھے ۔

مولانا شبلی اور مولانا ظفر علی خاں (دونوں) میں راجپوتی خون موج زن تھا ۔ ڈاکٹر عبدالحق نے شبلی کے متعلق لکھا ہے کہ :

''ان میں ضبط نہیں تھا ۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل یہی بات ظفر علی خاں پر بھی صادق آتی ہے کہ جب بات آن پڑے تو پھر بھرپور حملہ کرنے سے پیچھے نہ ہٹتے، یہ بات استاد و شاگرد دونوں پر صادق آتی ہے ۔ انھوں نے زہریلی نکتہ چینی کے شدید حملوں کا کھل کر مقابلہ کیا ۔ مولانا ظفر علی جسمانی اعتبار سے بھی ایک مضبوط اور توانا جسم کے مالک تھے اور بدن کی مضبوطی کا ہمیشہ خیال رکھا ، ذہنی توانائی کے بھی مالک تھے ۔

جسمانی ساخت اور مزاج :

بقول شورش کاشمیری ”بلند قد، بھری ہوئی گنجان داڑھی، چمکیلی اور دل میں اترنے والی آنکھیں، آواز پاٹ دار، جوش وخروش، مزاج میں تیزی، تقریر میں لطافت، زور بیان میں آندھی کی طرح چھا جانے والے، حافظہ غیر معمولی طور پر رکھنے والے، دماغی صلاحیتیں بلاشبہ اور مسلمہ طور پر اعلیٰ درجے کی تھیں ۔ ان دماغی صلاحیتوں سے ہمیشہ ایسے کام لیے جو ملت اسلامیہ کے لیے اہم اور مفید تھے ۔ ان کا دماغ ہمیشہ ایسی باتیں سوچتا تھا کہ جب تک وہ عمل کی منزل پر نہیں پہنچتے تھے، تو اپنے آپ کو بے بس پاتے ۔ کام کرنے کی بڑی لیاقت ، سرگرم عمل رہنے کی صلاحیت بے پایاں تھی ، لیکن دوسرے ان کی برق رفتاری کا ساتھ کبھی نہ دے سکے ۔ نتیجۃً یہ سکیم ناکام ہو جاتی ، اور یہ دل برداشتہ ہو جاتے ۔“

یہاں پر ہم ان کی زندگی کو تین اہم خصوصیات کے تحت پیش کرتے ہیں :

۱ ۔ معمولات ۔

۲ ۔ انداز مزاج ۔

۳ ۔ کیفیت نفس ۔

ان کے معمولات میں سخت محنت ، جفاکشی ، حقہ نوشی اور چائے نوشی ، نیز سفر شامل تھے ۔ انداز مزاج میں ان کی گفتگو ، طلاقت لسانی ، حاضر جوابی اور مذاق سخن شامل ہے ۔ کیفیت نفس میں مذہبی حمیت ، راسخ العقیدگی ، الاسلام و التسلیم ، مسلم قومیت کا احساس اور ایثار نفس کی کیفیات شامل کی جا سکتی ہیں ۔ ذیل میں ہم مختصراً ان سب کا ذکر کرتے ہیں :

معمولات :

ان کی طبیعت میں شروع ہی سے محنت اور جفاکشی تھی ۔ تیز چلنا ، تیز بولنا اور تیز لکھنا ان کے معمول زندگی تھے ۔ نماز صبح کے بعد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچ سات میل کا چکر لگانا ان کا روز کا معمول تھا ۔ اخبار کے اداریے یا ادرایہ لکھتے اور پھر شہر سے باہر شکار کو بھی نکل جاتے ، یہ اکثر ان کی زندگی کا معمول رہا ۔ انھوں نے اسی جفاکشی کے سبب بعض مشکل کام بھی کیے ، لیکن نہ ان کی طبیعت گھبرائی اور نہ مذاق سلیم پر بار گزرا ۔ وہ اس طرح بیک وقت کئی کام کر لیتے تھے ۔ حیدر آباد کے زمانہ قیام میں دفتر کے کام کے علاوہ رسالہ مرتب کرنا، سماجی اداروں میں شرکت کرنا، ترجمہ کا مشکل کام اپنی یکسوئی کے ساتھ اس طرح انجام دینا کہ ہر صاحب ذوق اسے پسند کرے ، ان کے لیے سامنے کی بات تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ بقول رئیس احمد جعفری وہ اپنی عمر میں ساٹھے پاٹھے نظر آتے تھے۔[1]

حقہ نوشی اور چائے :

حقہ نوشی اور چائے نوشی ان کے مرغوب ساتھی تھے ، جن کی جدائی ان کو شاق گزرتی ۔ اگر سفر میں حقہ نہ ملے تو سفر کی تکان اور بڑھ جاتی اور حقہ کے کش کے ساتھ ہی تکان دور ہوتی اور پھر طبیعت کی روانی بادیہ پیمائی کے ساتھ ساتھ دل و دماغ کو معطر کر جاتی ۔ چائے کا ایک گھونٹ لیتے ، حقہ کا ایک کش لگاتے اور پھر شاعری کے سلسلہ میں لوگوں کی فرمائشیں بھی اس بذلہ سنجی سے پوری کرتے کہ فی البدیہ شعر کہنا ان کے لیے گویا سامنے کی بات تھی :

زندگانی کے لطف دو ہی تو ہیں
صبح کی چائے ، شام کا حقہ

اس کو کہتے ہیں سلسبیل کی موج
اس کو کہتے ہیں نور کا حقہ

وہ زمانہ انتخابی مہم کا تھا ۔ مسلم لیگ کے مقابلہ میں کانگرس تھی ، اور احرار کانگرس کی ہم نوا ، اسی زمانے میں ان اشعار کی فرمائش پوری کرتے ہوئے پھر کسی نے فرمائش کی ، ذرا احرار کے متعلق بھی ہو جائے ۔ بس پھر کہا تھا :

---

۱ ۔ رئیس احمد جعفری : دید و شنید ، ص ۲۳۵ دسمبر ۱۹۳۸ء لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا کہیں آپ سے کہ کیا ہیں احرار

اس طرح حقہ کے ساتھ ان کی طبیعت نیا رنگ ہی لاتی۔ جوں جوں حقہ کا کش کھینچتے، معلوم ہوتا کہ مضامین عالم خیال سے زبان پر گویا اترتے چلے آرہے ہیں۔ اب وہ خیال کسی انسان کے متعلق ہو، کسی شہر کے نام کے متعلق ہو، یا کوئی ماحول ہو۔ ان سب چیزوں کو شعر کی صورت میں پیش کرتے، نہ کوئی الجھن، نہ دقت، اور پھر لطف یہ کہ بے ڈھب قافیوں کو وہ اس چابک دستی سے استعمال کرتے کہ لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے۔ بقول سالک مرحوم ”اُن کی عادت تھی کہ حقہ پیتے جاتے اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے سرے پر ملتے جاتے، بس یہی فکر شعر کا انداز تھا۔ پھر جو شعر نازل ہونا شروع ہوتے تو دیکھتے ہی دیکھتے نظم ہو جاتی جو زمیندار کے صفحہ اول پر سنڈے ایڈیشن میں جلی قلم سے شائع ہوتی۔

۲۲ ستمبر ۱۹۳۶ء کو رنگون میں مقیم تھے، چائے کا دور چل رہا تھا کہ اُن سے فرمائش ہوئی اور انھوں نے حقہ کا کش لیتے ہوئے فی البدیہہ کہا :

حقہ پی رہا ہوں میں، پی کے جی رہا ہوں میں
جس میں جی رہا ہوں میں وہ عالم مثال ہے
گنگنا رہا ہوں میں گڑگڑا رہا ہے وہ
سر ہلا رہا ہوں میں دے رہا وہ تال ہے

(چمنستان، ص ۳۳)

اسی طرح چائے بھی اُن کی مرغوب شے تھی اور حقہ و چائے اُن کے مرغوب معمولات میں سے تھے اور چائے کے دور کو وہ ارغوانی دور کہتے تھے :

چائے کا دور چلے، دور چلے، دور چلے
جو چلا ہے تو ابھی اور چلے اور چلے

سفر :

سیاحت، سیاست اور صحافت اُن کے معمولات زندگی میں داخل تھے۔ اُن کی سیاست کی سرگرمیوں کو ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں۔ صحافت کے مشاغل الگ حصہ میں چھپ چکے ہیں۔ اس حصے میں ہم سیاحت پر گفتگو کرتے ہیں :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آن کی زندگی کا ایک بڑا حصہ سفر میں کٹا ۔ اس سفر کا مقصد سیاسی دوروں کے ساتھ ساتھ تحریکات اسلامی ، اخوت اسلامی اور اسلام کے پیام امن کو ہمیشہ مدنظر رکھنا ہوتا تھا ۔ وہ جس جگہ بھی پہنچے وہاں کے مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی پستی کو دور کرنے کے لیے سعی کرتے اور بہتری کے لیے کام کرتے تھے ۔ برما کے سفر کا دو مرتبہ اتفاق ہوا پہلی مرتبہ ۱۹۳۳ء میں ، دوسری مرتبہ ۱۹۳۶ء میں ۔ وہ شعر و ادب کی محفلیں بھی گرم رکھتے ۔ فی البدیہ اشعار بھی سناتے ، بر جستہ تقریریں کرتے اور بقول مولانا غلام رسول مہر بے تکان تقریر کرتے۔ اسلام کی تبلیغ کرتے ، اور مسلمانوں کی تنظیم کے لیے بھی کام کرتے ۔ پہلی مرتبہ ۱۹۳۳ء میں اکتوبر سے دسمبر تک تبلیغی جلسوں کے سلسلہ میں برما رہے ۔ وہاں علمائے دیوبند سے بھی ملے۔ بلاشبہ علمائے دیوبند بنگال و برما کے دور دراز علاقوں میں مفید علمی کاموں اور تبلیغ میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ وہ آن کے کاموں سے خاصے متاثر ہوئے اور ایک نظم میں اس کیفیت کا اظہار بھی کیا ۔ یہ نظم انھوں نے رنگون میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو لکھی ، جس میں علمائے دیوبند کی خدمات کو سراہا گیا تھا :

شاد باش و شاد زی اے سر زمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا ، اسلام کا جھنڈا بلند

ملت بیضاء کی عزت کو لگائے چار چاند
حکمت بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دوچند

اسم تیرا با مسملی ، ضرب تیری بے پناہ
دیو استبداد کی گردن ہے ، اور تیری کمند

تیری رجعت پر ہزار اقدام سو جاں سے نثار
قرن اول کی خبر لائی ہے تیری اک زقند

تو علم بردار حق ہے ، حق نگہباں ہے ترا
خیل باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند

ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو
کر لیا آن عالمان دین قیم نے پسند

جاں کو کر دیں گے جو ناموس پیمبر پر فدا
حق کے رستہ میں کٹا دیں گے جو اپنا بند بند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء کو انجمن تبلیغ اسلام کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے چونڈہ پہنچے اور اس قصبہ کے لیے جو نظم کہی گئی وہ آگے چل کر

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند

اس میں قاسم ہوں کہ انور شہ کہ محمودالحسن
سب کے دل تھے درد مند ، اور سب کی فطرت ارجمند

رنگون ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء - (نگارستان صفحہ ۸۷)

یہ نظم الٰہی تاثرات کا نتیجہ ہے جو علمائے دیوبند کی برما میں تبلیغی خدمات کے سلسلہ میں اُن کے دل پر پڑے اور اس کا اظہار اشعار کی صورت میں کیا ۔

ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ تھا کہ اُن کے قدم وہاں نہ پہنچے ہوں اور انھوں نے اس شہر کے متعلق قطعات نہ کہے ہوں اور ان تمام قطعات میں اسلامی روح کے تقاضے کار فرما نہ رہے ہوں۔

جنوری ۱۹۳۴ء میں بہار میں سخت زلزلہ آیا جس نے تمام مسلمانوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا - وہ وہاں پہنچے اور لوگوں کو دستگیری کا فلسفہ سمجھایا ۔ اس لیے کہ یہ زلزلہ کیا تھا ایک قہر خدا تھا ، جہاں سینکڑوں نیک و بد پیوند زمین ہوگئے اور بلند و بالا مکانات زمین بوس ہوگئے ۔ واپس آ کر یہ نظم سپرد زمیندار کی گئی :

ہلا دیں زلزلے نے مشرق و مغرب کی بنیادیں
اُدھر برطانیہ لرزا ، اُدھر ہندوستاں لرزا

ہر اک کشور کے ہر گوشہ میں ہیبت چھا گئی اُس کی
فضائے باختر لرزی ، سواد قیرواں لرزا

نئی دنیا کا سقف زرنگار آیا تنازل میں
نئی تہذیب کے ایواں کا برق نردباں لرزا

زمین و آسماں لرزے ، نشانِ حجت حق سے
لرزنا آدمی کے دل کو تھا ، لیکن کہاں لرزا

(لاہور ۲۰ فروری ۱۹۳۴ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(چمنستان[1]، ص ۱۰۴)

۱۹۶۵ء کی جنگ پاک و بھارت میں ایک معرکۃ الارا پیش گوئی کی حیثیت اختیار کر گئی اور تبلیغ اسلام کے سلسلے میں یہ مقام ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا :

خدا کرے کہ بجز اس کی آستاں کے کبھی
کسی کے آگے نہ گردن ہو خم چونڈے کی

(چمنستان، ص ۱۰۹)

''ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ میں ایک پر لطف واقعہ ہوا ۔ یہ جلسہ حکیم اجمل خاں کی صدارت میں کانپور میں ہو رہا تھا اور ہندوستان کے علماء ، سیاست دان اور نامور شخصیتیں موجود تھیں - مولانا محمد علی ، مولانا حسرت موہانی ، ڈاکٹر کچلو ، غلام بھیک نیرنگ ، شاہ سلیمان پھلواروی، مولانا نثار احمد مکی (یکے از اسیران کراچی)، مولانا عبدالماجد دریا بادی، مولانا ظفر علی خاں اور دوسرے اکابر بھی ۔ جلسہ میں ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لیے علمائے کرام اور مشائخ عظام کی دھواں دھار تقریریں ہوئیں ، مولانا ظفر علی خاں بھی اسٹیج پر موجود تھے ۔ انھوں نے بھی دھواں دھار تقریر کی ۔ اُن کی تقریر میں کہیں صوفیاء کا بھی ذکر آ گیا اور کچھ اس طرح ذکر آیا کہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی برداشت نہ کر سکے ۔ انھوں نے مخالفت کی ۔ مولانا ظفر علی خاں نے ان کی مخالفت کو رد کر دیا ۔ شاہ صاحب نے چاہا کہ مولانا ظفر علی خاں اپنے الفاظ واپس لیں - لیکن انھوں نے تو بار بار اپنے الفاظ کا اعادہ کیا ۔ جلسہ کا رنگ بگڑ گیا ۔ ایسے مواقع پر میں نے بڑے بڑے لیڈروں کو عوام کے غصے سے بچنے کے لیے رنگ بدلتے، معافی مانگتے اور الفاظ واپس لیتے دیکھا ہے ۔ لیکن یہ دبلا پتلا منحنی انسان پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑا تھا ، نہ تیور میں کوئی فرق تھا ، نہ لب و لہجہ میں، نہ عزم و استقامت میں کوئی لچک. حکیم اجمل خاں جیسا محبوب زعیم جلسہ کو کنٹرول کرنے میں معذور ہو چکا تھا ۔ مولانا ظفر علی خاں

---

۱ - چمنستان اور نگارستان کے صفحات شہروں کے دوروں اور اُن پر قطعات سے پر ہیں ۔ خلیج بنگال ہو یا کنجاہ ، گجرات کی سر زمین ہو یا پشاور ، ہر شہر میں پہنچتے ، اور فی البدیہ نظمیں کہتے ۔ یہ تمام نظمیں ، قطعات اب ان دونوں کتابوں میں جمع ہوکر شائع ہو چکے ہیں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ذرا سی لچک پیدا کرلیتے تو سارا جھگڑا ہی ختم تھا - لیکن جو لوگ اپنی سچائی اور حق گوئی پر ایمان رکھتے ہیں وہ بڑے سے بڑے خطرہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور بڑی سے بڑی قوت سے بھی مرعوب نہیں ہوتے - وہ خوفناک طوفان کے سامنے بھی سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ جان چلی جائے لیکن اُس بات کو جس کو حق سمجھتے ہیں واپس نہیں لیتے - چنانچہ میں نے دیکھا کہ متعدد اصحاب نے جن میں بعض چوٹی کے افراد تھے ، اُن کو ہموار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے - وہ ان کو اس امر پر آمادہ نہ کر سکے کہ جس امر کو وہ (ظفر علی) سچ سمجھ رہے تھے ، اُسے نہ کہیں - جلسہ میں ہنگامہ جاری تھا - مولانا شاہ سلیمان کے مرید سیل تند کی طرح سٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے اور اس اجتماع میں کوئی ایسا نہ تھا جو اُن (ظفر علی) کا ہم نوا ہوتا اور جان دینے پر تیار ہوتا - مولانا ظفر علی خاں کو اپنی تنہائی اور اکیلے ہونے کا احساس تھا لیکن اُن پر مطلق ہراس تھا نہ ماتھے پر شکن - نہ پائے ثبات میں لغزش - ہنگامہ آرائی کے دوران ان کی تقریر جاری رہی اور ختم ہو گئی''۔[1]

یہی استقامت ان کے مزاج کا معمول تھی - اکثر ایسا بھی ہوا کہ تقریر کے دوران مخالفانہ نعرے بلند ہونے لگے اور یہ اندیشہ ہو چلا کہ بس اب کرسیاں اُچھلیں ، لیکن وہ ہر خطرہ سے بے پروا ، اُدھر حاضرین اپنے شور سے اُن کی آواز دبانے پر مصر ، ادھر اُن کا استقلال حاضرین کو اپنی بات سنانے کے لیے کوہ گراں کی طرح سامنے موجود - کتنا ہی ہنگامہ ہو لیکن اُن کی استقامت اور زور بیان میں کوئی کمی نہیں - لکھنؤ میں نہ جانے کتنی مرتبہ سلطان ابن سعود کے ماننے والوں کی مٹی پلید ہو چکی تھی اور مجلس خلافت کے جلسہ کے بعد گنگا پرشاد ہال میں جلسہ ہوا ، ان کی معرکۃ آلآرا تقریر مجلس خلافت کی مخالفت میں اور ایک آواز بھی ان کی مخالفت میں بلند نہ ہو سکی[2] -

---

۱ - رئیس احمد جعفری : ناقابل فراموش (اردو ادب کے آٹھ سال) ص ۳۷۵ ، طبع لاہور ۱۹۵۸ع -

۲ - رئیس احمد جعفری : ناقابل فراموش ص ۵۷۵ ، اردو ادب کے آٹھ سال ، مرتبہ عشرت رحمانی - طبع لاہور-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انداز مزاج :

وہ مضبوط ارادے اور عمل کے انسان تھے ، جس بات پر جم گئے اس سے نہ ہٹنے والے ۔ مخالفت کی پرواہ نہ اضمحلال کی راہ ، بولنے میں کم نہ چلنے میں نرم ، گرم رفتاری سے پیہم اپنا عمل جاری رکھا ۔

بقول چراغ حسن حسرت ''وہ گفتگو کرتے وقت ادبیات و مذہب سے سیاسیات پر آ جاتے ، میں چاہتا تھا کہ وہ شعر و شاعری کی طرف آئیں۔ اور وہ ہم سب کو سیاسیات کی طرف کھینچے لیے جاتے تھے ۔ میں نے غالب کا نام لیا، مولانا نے برکن ہیڈ کا ذکر شروع کر دیا۔ میں نے اقبال کی روحانیت کی داستان چھیڑی اور مولانا نے اقبال سے سائمن کمیشن اور سائمن سے ٹوڈیوں کی طرف گریز کی اور ہندوستان کے ٹوڈیوں کی فہرست ایک سانس میں بیان کر گئے ۔ بس اب یہ کیفیت تھی کہ میں انھیں میر کی طرف بلاتا اور وہ مجھے بالڈون کی طرف لے جاتے ۔ میں کہتا ہوں 'مومن' وہ فرماتے ہیں سائمن ۔ غرض دیر تک یہی جھگڑا رہا ۔ آخر مولانا کو فتح ہوئی ۔ یعنی ہم نے مجبوراً شعر و ادب کا پنڈ چھوڑا اور خاموشی سے اُن کی باتیں سننے لگے ۔'[1]

طلاقت لسانی :

وہ اس صفت خداداد سے متصف تھے کہ نہ آنھیں کبھی کوئی تقریر کرنے میں باک تھا اور نہ کوئی گفتگو مصلحت آمیز ہوتی تھی ۔ علی گڑھ کے ماحول اور حیدر آباد کی تہذیب نے اُن کی طلاقت لسانی کو ایسا پر زور بنا دیا تھا کہ ہر تقریر میں آمد کا زور اور خطابت کا طور ہوتا تھا ۔ صاف گوئی اور حق گوئی اُن کی تقریر کے دو ایسے جوہر تھے جو دوسروں میں ملنے مشکل تھے ۔ اُن کی تقریروں نے اردو زبان کو نکھارا اور اردو زبان ہی نے اُن کی پرجوش تقریروں کو دل میں اتارا ۔ وہ اس سلاست و روانی سے تقریر کرتے کہ بیان میں ذرا الجھن باقی نہ رہتی ۔ اُن کا زورِ بیان اور لطف زبان دونوں ہی تقریروں میں جزو لا ینفک تھے ۔

گورنر پنجاب سر مائیکل اڈوائر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ظفر علی خاں اپنی زبان و قلم سے دلوں میں جوش و خروش کی آگ بھڑکا دیتا ہے ۔

---

۱ ۔ چراغ حسن حسرت : ''مردم دیدہ'' ص ۱۴۲ ، طبع لاہور ۱۹۳ ع-

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آن کی تقریروں میں خطابت کے جلال سے زیادہ انشا پردازی کا جمال ہوتا تھا ، وہ الفاظ کے زیر و بم کو مطالب کی گہرائی پر فوقیت دیتے اور اس انداز سے استعارے ، تشبیہیں ، تمثیلیں اور کنایے استعمال کرتے کہ سامعین جھوم اٹھتے ۔ ان میں فکر سے زیادہ جذبہ اور گہرائی سے زیادہ رعنائی تھی ۔ ان کی تقریروں کو بڑے مقررین بھی زینت گوش بنا لیتے ۔ وہ پنجابی نژاد ہونے کے باوجود دہلی و لکھنؤ کے بانکپن اور حیدر آباد و علی گڑھ کی نزاکتوں کا اظہار کرتے جس سے تلفظ کی صحت کے ساتھ الفاظ کے صحیح مخارج کا پتہ بھی چلتا تھا ۔

اُردو سے محبت :

اردو سے محبت آن کے مزاج میں اس قدر رچ بس گئی تھی کہ آس کی نوک پلک سنوارنے میں آن کی پوری زندگی وقف تھی ۔ مجال ہے کہ کوئی جملہ ، کوئی فقرہ شین قاف کی درستی کے بغیر لکھا یا بولا جائے ۔

"یہاں تک کہ انھوں نے گھر میں تاکید کر رکھی تھی کہ صرف اردو ہی میں گفتگو کی جائے اور کسی کو اردو کے علاوہ گفتگو کرنے کی اجازت نہ تھی ۔ اگر اجازت تھی تو وہ صرف آن کی بیگم کو تھی ، جن سے پنجابی میں گفتگو کر لیتے ، اور کسی کی مجال نہ تھی کہ آپس میں بھی پنجابی میں گفتگو کرے"۔[1]

ذیل میں آن کی تقریروں کے دو نمونے پیش کیے جاتے ہیں جس سے آن کے زور بیان کا اندازہ ہوگا ۔ انھوں نے ایک تقریر میں کہا :

تقریر :

(الف) "جس حکومت کے عہد میں انصاف خواب و خیال ہو جائے ۔ لوگ نان شبینہ کو ترسیں ، تمام ملک فکر و نظر کے دائروں میں اپنے آپ کو عاجز پائے اور یہ احساس روز بروز بڑھتا رہے کہ ہم غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں ، تو آس حکومت کا چلے جانا ہی بہتر ہے ۔ اور اگر وہ حکومت جانے سے انکار کر دے تو پھر آس کو نکال دینا ہی سب سے بڑا جہاد ہے ۔ ایک ظالم حکومت سے تعاون و اشتراک وقت کی سب سے بڑی مصیبت ہے ۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم اس ملک کے رہنے والے اس بات کا تہیہ کر لیں کہ برطانوی حکومت کو یہاں سے رخصت

---

۱ ۔ انٹرویو از بیگم اختر علی خان ، ۱۹۶۸ء بمقام لاہور ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا ہے - اسے چھٹی دینی ہے۔ اسے چھٹی ہی دینی ہے - اس سے کہنا ہے کہ وہ بستر بوریا باندھ کر چلی جائے - اور اگر وہ جانے کے لیے تیار نہ ہو تو اس کو بیک بینی و دو گوش نکال دینے کا عزم کرنا چاہیے - یہ ملک سمندر پار سے آئے ہوئے گوروں یا ان کے خانہ زاد وفاداروں کا نہیں، اس ملک کے مالک کلایو اور وارن ہسٹنگیز نہیں۔ بلکہ اس ملک اور اس ملک کے چپہ چپہ کے مالک ہم ہیں، - ہماری تاریخ یہاں بکھری ہوئی ہے - اور ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ انقلاب کی دعوت عام کریں اور ملک کے طول و عرض کو نعرہ ہائے رستاخیز سے گونجا دیں - حکومت جب اندھی ہو جاتی ہے تو اس کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے - اس کی زبان پر رعونت کے بول اژدھا بن کر لہراتے ہیں - وہ اپنے آپ کو ملائکہ مقربین کی فہرست میں داخل کر لیتی ہے - اسے احساس نہیں رہتا کہ وہ کیا کر رہی ہے - برطانیہ کا سراپا اس وقت یہی ہے - وہ ہندوستان کو اپنی جیبی گھڑی سمجھ رہا ہے - لیکن ہندوستان جاگ اٹھا ہے اور برطانیہ غروبِ آفتاب کے لمحوں کی طرح ڈھل رہا ہے''۔'

(ب) ۱۷ ستمبر ۱۹۳۷ع کو انھوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا :

''مسلمانوں کی وہ جماعت جس نے اسلام سے دغا کر کے انگریزوں کی وفاداری پر اپنی بقا کی اساس رکھی ہے، جن کا خمیر مایہ خاک تذلل سے اٹھایا گیا ہے، جن کے ضمیر کو زنگ لگا ہوا ہے اور جن کے دلوں کو فکری تسفل اور نظری تعبد کھا گیا ہے، جن کا مسلک کاسہ لیسی ہے، جنھیں اپنے پشتینی وفادار ہونے پر فخر و ناز ہے، جن کے سینے خود فروشوں کے نگینے ہیں، جنھیں رب کعبہ کی دہلیز سے زیادہ بکنگھم پیلیس کی چوکھٹ عزیز ہے، جن کے دلوں میں مدینۃ النبی سے زیادہ ۱۰ - ڈاؤننگ سٹریٹ کا احترام ہے، جن کے ہاتھوں بلادِ اسلامیہ کی اینٹ سے اینٹ بجتی رہی ہے، جن کے ہاتھوں ہر ایشیائی ملک ہدف بنا، جنھیں اس بات کا قطعاً احساس نہ رہا کہ ان کے ہاتھوں پیغمبروں کی بستیاں اجاڑی جا رہی ہیں، جو سترہ روپے لے کر پولیس میں بھرتی ہوتے رہے اور چودہ روپے لے کر فوج میں - جنھوں نے برطانوی حکومت کے بازوئے شمشیر زن کی حیثیت سے بصرہ، بغداد اور قسطنطنیہ اور قاہرہ پر چڑھائی کی، ان سے

---

۱ - تقریر مولانا ظفر علی خاں : ۲۶ جنوری ۱۹۳۱ع -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اسلام کی افواج قاہرہ کا ہراول دستہ ثابت ہوں گے - یہ آپ کی خام خیالی ہے ، وہم ہے - جن لوگوں کی بنیاد ہی غداری پر ہو ، جو لوگ انگریزوں کے دسترخوان کی چچوڑی ہوئی ہڈیوں پر گزر بسر کرتے رہے ہوں ، جن کے نام برطانوی حکومت کے لفظی اعزازات سے گراں ہوئے ہوں اور جنھیں ایک گورے کو آقائے ولی نعمت کا درجہ دیتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہو اور اس کو کلمہ الٰہی سمجھتے ہوں ، انھیں یہ کہنا کہ وہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ میں حصہ لیں ، اندھیروں سے کرنیں مانگنا ہے ، یا برص کے داغوں کی زینت سے حسن و زیبائی کا خواہاں ہونا ہے''- الخ[1] -

۱۹۴۹ع میں اُن کی معرکۃ الآرا آخری تقریر پنجاب یونیورسٹی لاہور کی اردو کانفرنس میں ہوئی - اُن کا عزم و حوصلہ اُس وقت بھی جوان تھا اور تمنائے راہ پیمائی بھی وہی تھی - اس کانفرنس میں انھوں نے دلدوز تقریر میں یہ جملے کچھ اس انداز سے کہے کہ ان جملوں میں ماضی کی تاریخ بھی آ گئی اور مستقبل کے عزم کی بلند و بالا عمارت اور اس کے عظیم الشان مینار بھی نظر کے سامنے آ گئے اور ہر شخص کے دل میں یہ پر اثر جملے پیوست ہو گئے -

انھوں نے فرمایا :

''ہمارا قافلہ منزل مقصود تک پہنچ چکا ہے ، اس کے بعد تمنائے راہ پیمائی تو ہے لیکن قوت راہ پیمائی نہیں - اب ہم راستہ میں بیٹھ کر چلنے والوں کی تیز رفتاری کا تماشہ دیکھنے کے قابل رہ گئے ہیں - وہ جو ہمیں عہد ماضی کی یادگار سمجھ کر تماشہ سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو تماشائی ، صحیح ہے کہ دنیا چڑھتے سورج کی پرستش کرتی ہے ، ڈوبتے ہوئے آفتاب کو کون پوجتا ہے ، اور ہم تو ڈوبتے ہوئے ستاروں کی طرح دنیا پر نظر ڈال رہے ہیں -''[2]

حاضر جوابی :

۱ - پنجاب کی جیلوں کے انسپکٹر جنرل مسٹر بارکر تھے - جب وہ مولانا کی بیرک میں پہنچے ، تو کسی نے پس دیوار بھونکنا شروع کیا - یہ

---

۱ - تقریر ظفر علی خاں ، چٹان ، لاہور ۱۷ ستمبر ۱۹۳۷ع -
۲ - عبداللہ بٹ : روزنامہ آفاق لاہور ، ۱۸ فروری ۱۹۵۶ع -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک قیدی ہی تھے جو بھونکنے میں مشاق تھے ۔ مسٹر بارکر نے پوچھا ? Who is that مولانا نے فوراً جواب دیا "May be barker" مسٹر بارکر مسکرا کر رہ گئے ۔

۲ ۔ زمیندار اخبار کے مفروضہ ایڈیٹر سید لعل شاہ تھے ، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے ۔ اخبار میں ایک مضمون شائع ہونے پر ان پر مقدمہ قائم کر دیا گیا ۔ عدالت میں مقدمہ پیش ہوا ۔ عذر یہ کیا گیا کہ اس مضمون کی ان کو کچھ خبر ہی نہیں ہے اس لیے ان پر مقدمہ فرضی ہے ۔ عدالت نے سوال کیا :

"آخر لعل شاہ اخبار کا کام کس طرح چلاتے ہیں ؟"

مولانا نے فوراً جواب دیا :

"جس طرح مہاراجہ رنجیت سنگھ حکومت کا کام چلاتے تھے ۔"

مذاق سخن :

مولانا کا مذاق سخن غیر معمولی طور پر بلند تھا ۔ جب انھیں کوئی بات ناگوار معلوم ہوتی تو وہ فرماتے :

"ہمارے مذاق سلیم پر گراں گزری ہے ۔"

اخبار کا ہر ہر جملہ جو درج کیا جاتا ، ہر ہر فقرہ جو لکھا جاتا ، وہ ان کی نظر کے سامنے سے گزرنا ضروری تھا، اور وہ بغیر اصلاح کے نہ گزرتا اور جب وہ تحریر ان کے مذاق سلیم کے مطابق معیار پر پوری اترتی تو وہ انعام کی بارش کر دیتے اور یہ بات بھی ان کے مذاق سلیم کی بلندی کی دلیل تھی کہ ان سے گھر میں کوئی اردو کے سوا بات نہیں کر سکتا تھا ۔ اسی لیے وہ کہا کرتے تھے کہ :

"میری زبان میں دہلی و لکھنؤ کا لوچ ہے ۔"

کیفیات نفسی :

(الف) درویش صفتی :

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے ۔ جیل کے چیف وارڈن نے ان کی زندگی کو جس زاویہ نظر سے دیکھا ہے ، شورش کاشمیری کے الفاظ میں اس طرح بیان ہوا ہے :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مولانا نے جو مزاج پایا تھا وہ بہت کم لوگوں میں میں نے دیکھا ہے، وہ صحیح معنوں میں درویش صفت طبیعت کے مالک تھے ، قدرت نے ان کا مزاج شاہانہ اور دل قلندرانہ بنایا تھا ۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے ۔ پابند صوم و صلٰوۃ ، قول کے پکے ، عمل کے سچے تھے ۔ ان کی زبان سے کسی شخص کو آزار نہیں پہنچا ۔ بڑے ہی وضع دار تھے ، بے حد فیاض بھی تھے ۔ دوسروں کی مدد کرنا ان کی طبیعت کا خاصہ تھا ۔"

(ب) وضع کی پابندی :

خواہ لباس ہو یا طریق زندگی ، ان میں وضع کی پابندی انتہا درجے کی تھی۔ دو چیزوں کے سخت مخالف تھے اور آخر تک رہے (۱) ایک انگریز (۲) دوسرے قادیانی پیغمبر۔ اور یہی دو چیزیں ان کے مزاج میں مخالفت کا خاصہ بن گئیں ۔

"وہ مزاج کے زجاج تھے ، لیکن خود خارا تراش تھے[۱] ۔"

شورش کاشمیری قید سے چھوٹ کر آئے تو انھوں نے فرمایا :

"جو انگریز سے لڑتا ہے ، وہ بہادر ہے ۔ تم نے اس باب میں جوانمردی کا ثبوت دیا ہے ۔ میرا دل تمھیں دعائیں دیتا ہے[۲] ۔"

انھوں نے جن اصولوں کو اپنا لیا تھا ان سے انحراف سرمو گوارا نہ تھا ۔ بلاشبہ وہ منافق نہ تھے ، ریاکاری کا ان میں نام نہ تھا ۔ وہ دوسروں سے دھوکا کھاتے رہے ، لیکن کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا ۔ ان کے کھرے پن نے دوسروں پر اعتبار کیا ، اور اسی اعتماد نے ان کو بھی نقصان پہنچایا اور ان کے اخبار کو بھی ۔

(ج) مذہبی حمیت :

ان کے بعض خیالات و عقائد سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی مذہبی حمیت کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ۔ اسی لیے جس بات کو وہ حق سمجھتے تھے اس کے اظہار کے لیے شمشیر برہنہ تھے۔ فردوسی کا یہ شعر آپ پر پوری طرح صادق آتا ہے :

---

۱ ۔ شورش کاشمیری : قید فرنگ ، ص ۸۳ مکتبہ چٹان لاہور جون ۱۹٦۷ ۔
۲ ۔ " " ، ص ٦١ ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر جز بکام من آید جواب
من و گرز و میدان و افراسیاب

مفاہمت جس کا دوسرا نام دلجوئی ہے وہ اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ مصلحت بینی پر اظہار جذبات کو مقدم سمجھتے تھے ، اسی لیے وہ دشمنوں کے لیے یا حریفوں کے لیے تیغ براں اور شعلۂ جوالہ تھے۔ چنانچہ اُن کی زندگی کا ہر دن اُن کی مجاہدانہ زندگی کا دفتر ہے ، جہاں طوق و سلاسل کی جھنکار کے ساتھ اُن کی بے خوفی نبرد آزما ہے۔ کانٹوں کی سیج پر بھی اُن کا ذوق شعری اور ادبی گل کاریوں کی کیفیت اُن کی استقامت طبع اور حمیتِ دینی کا پتا دیتی ہے —— جب تک کوئی ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے وہ واسطہ نہ رکھتے تھے اور جب کوئی ذرا چھیڑ دے تو پھر ان کا مدافعانہ وار کچھ کم نہ ہوتا۔ وہ شعر کے تیروں سے نئے سے نئے وار کرتے تھے حتیٰ کہ دوسرا لاجواب ہو جائے۔ چونکہ ان کا کوئی وار خالی نہیں جاتا تھا اس لیے ان کے مزاج کی اس انفرادیت نے ان کی مشکلات میں اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن انھوں نے زمانہ کی تمام ناہمواریوں کو اس کشادہ پیشانی سے برداشت کیا کہ وہ ہر امتحان کی آگ سے کندن بن کر نکلے۔ وہ زمانہ با تو نہ سازد ، تو با زمانہ ستیز کے قائل تھے۔ اور ماحول کی ناگواری کو لاحول کے ڈنڈے سے دور کرنا چاہتے تھے۔ اسی استقامت نے انھیں ماحول سے متاثر ہونا نہیں سکھایا تھا۔ ان کے خیال و عقیدہ میں مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماحول سے بلند رہے اور اس کے پائے استقامت میں کوئی لغزش آنے ہی نہ پائے۔ وہ خود کہتے ہیں :

ماحول کی فضا نہیں ، لاحول سے بلند
مومن کی شان ہے کہ ہو ماحول سے بلند

پھرتا نہیں ہے قول سے مرد خدا بلند
انساں کا مرتبہ ہے اسی قول سے بلند

(د) زمانۂ اسیری :

ان کی زندگی میں نظر بندی اور اسیری کے طویل دور آئے۔ البتہ بقول مولانا سید سلیمان ندوی : وہ جب بھی قید سے باہر آئے تو اپنے ساتھ ہمارے لیے کوئی نہ کوئی ادبی تحفہ لے کر آئے۔

بلاشبہ یہ دور انسانی آزمائشوں کا دور ہوتا ہے جس کی ایک مثال ہم سابقاً بیان کر آئے ہیں کہ وہ جیل میں کس طرح رہے۔ اور جیل کی مشقتوں نے ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی رعنائی فکر میں اضافہ کیا اور وہ خود بھی کندن بن کر نکلے - انہوں نے کبھی ان آلام زندگی سے منہ نہیں موڑا بلکہ وہ یہی کہتے رہے :

بچپن ہی سے لکھی تھی مقدر میں اسیری
ماں باپ کہا کرتے تھے ، دل بند جگر بند

ان کی نظر بندی اور اسیری کا زمانہ حسب ذیل ہے :

۱ - زمانۂ نظر بندی : ۴ اکتوبر ۱۹۱۴ء تا دسمبر ۱۹۱۹ء (البتہ خصوصی حالات میں ۱۹۱۷ء میں لاہور آکر ستارۂ صبح نکالنے کی اجازت مل گئی تھی - وہ ۱۹۱۸ء میں حیدر آباد چلے گئے اور وسط ۱۹۱۹ء میں دوبارہ واپس آگئے اور پھر کرم آباد میں دسمبر ۱۹۱۹ء تک نظر بند رہے - یہاں تک کہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں رہا ہوئے -

۲ - وہ از ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۰ء تا دسمبر ۱۹۲۴ء چار سال ایک ماہ، تین دن تک تحریک عدم تعاون کے سلسلہ میں اسیر فرنگ رہے -

۳ - ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء تقریباً ایک سال قید رہے (حالانکہ تین سال کی سزا ملی تھی لیکن ایک سال ہی میں چھوٹ گئے) -

۴ - تحریک کشمیر کے سلسلہ میں ۱۹۳۱ء کے آخر میں ایک ماہ کے لیے جیل جانا پڑا -

۵ - ۱۹۳۵ء میں مسئلہ شہید گنج کے سلسلہ میں تقریباً ڈیڑھ سال نظر بند رہے - حقیقت یہ ہے کہ قید و بند کا زمانہ انسان کے لیے غیر معمولی طور پر اس کے نفس کے لیے جبر کا دور ہوتا ہے اور یہاں ہی اس کے کردار کا امتحان ہوتا ہے اور کسی نے سچ کہا ہے کہ دروازہ جیل اور دسترخوان دو ہی چیزیں ایسی ہیں جہاں اس کے کردار اور اندرونی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے - وہاں زنجیر پا کی ہمت شکن آواز، قید سلاسل کی صبر آزما گھڑیاں، اس کے ضبط نفس کا وہ کٹھن وقت ہوتا ہے جہاں اس کو بے بسی اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے اس امر پر آمادہ کر دیتی ہے جو رذالت کا ادنی ترین درجہ ہوتا ہے - یہی وہ جگہ ہے جہاں اچھے اچھوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور انسان اپنی آزادیٔ ضمیر کا سودا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کیونکہ انسان آہنی سلاخوں کے پیچھے ظلم و جور کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکی میں دانے کی طرح پس جاتا ہے۔ وہ جگہ ——— جہاں تہذیب عنقا ہے۔ اور درندگی ہی وہاں کا چلن ہے۔ جہاں رسوائی کے سب سامان ہیں - جیل کے افسران اپنے جابر حاکموں کے احساسات کا مرقع ہیں، ان کے چہروں کی خشونت اور جبینوں پر رعونت، انسان کے احساس نفس کو کچل ڈالنے کے لیے کافی ہے۔

مولانا ظفر علی خاں نے اسی لیے شورش کاشمیری سے کہا تھا :

قید کاٹنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ جو انگریزوں کے دور میں قید رہا ہو، اس کی بہادری میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ نر جیسا بہادر ہے۔"[1]

(ہ) درندوں میں انسانی زندگی کا نمونہ :

مولانا کی زندگی جیل میں بھی اسی وضع سے گزری جیسے آزادگی میں گزرتی تھی۔ بقول شورش کاشمیری :

"جیل کے حکام انسان نما درندے تھے، لیکن وہ جیل میں طنطنے سے رہتے تھے حکام میں ان کا ادب کیا جاتا، ان کی خوشنودی کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ وہ صبح سویرے اٹھتے، چہار دیواری کے دو چکر کاٹتے، پھر ڈنڑ پیلنے، نماز پڑھتے، چائے پیتے۔ سول ملٹری گزٹ اخبار ساتھ لے کر چلتے۔ وہ ایک ایک صفحہ الٹتے، ان کے لیے دونوں وقت کھانا گھر سے آتا۔ لیکن اتنے فیاض و سیر چشم واقع ہوئے تھے کہ سب بانٹ دیتے اور خود چائے کی ایک پیالی یا ایک دو بسکٹ پر گزارہ کرتے۔ ہم نے انھیں دوسرے لیڈروں کی طرح حریص نہیں پایا۔ ہمیں ان کی اداؤں میں یہ ادا خاص طور پر پسند تھی کہ صبح کی نماز اذان دے کر پڑھتے تھے۔ ہم ان سے آئین کے متعلق پوچھتے، وہ ہمیں سمجھاتے تھے۔ ہم کہتے تھے کہ ہم ہیں۔ وہ اللہ کا ذکر کرکے کہتے کہ یہ کائنات اس کے بغیر کیونکر بن سکتی تھی۔ ایک دفعہ انھوں نے اذان کے معنی بتائے۔

جب وہ منٹگمری جیل میں تھے، تو سیاسی قیدیوں سے خوراک کے بارے میں اخلاقی قیدیوں کا سا سلوک روا رکھا گیا تھا۔"[2] یہاں بھی تکالیف بے حد تھیں لیکن یہاں بھی انھوں نے جس وضع داری اور آن بان کے ساتھ وقت گزارا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ زمانہ تحریک عدم تعاون کا تھا۔ داروغہ جیل تو

---

۱ - زمیندار لاہور ۱۳ نومبر ۱۹۲۰ء۔

۲ - شورش کاشمیری : قید فرنگ، ص ۲۰۴ مکتبۂ چٹان، لاہور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزاج شاہانہ رکھتے ہی ہیں ، لیکن وہ کسی کی پرواہ کیے بغیر ہر کام التزام سے ہی کرتے - نماز کی پابندی ، صبح کی ورزش کا پوری پابندی سے اہتمام تھا - بیرک کی چھوٹی سی کیاری میں سبزیاں بوتے ،پھول لگاتے ، پانی دیتے اور گلاب کی قلمیں تیار کرتے تھے -[1]

وہ ہمیشہ راضی برضا رہے اور صابر و شاکر - اپنے رکھ رکھاؤ کو قائم رکھا اور ہمیشہ مسکرا کر بات کرنا شعار رہا - ان کا انگریز افسروں سے جیل میں بھی تمکنت سے بات کرنا طریقۂ کار رہا - انھوں نے بہادرانہ انداز میں تکالیف کا مقابلہ کیا اور کبھی بھی جیل کے اصولوں کو نہیں توڑا - یہ کہنا مبالغہ سے خالی ہے کہ قید و بند نے ان کی جسارتوں کو کم نہیں کیا اور انھوں نے اس امر کا اظہار دیوان غالب کے خالی ابتدائی اوراق پر ذیل کی نظم سے کیا :

رحمت باری کم اپنا جوش کر سکتی نہیں
یہ چڑھی ندی قیامت تک اتر سکتی نہیں

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ
مرحوم ہو سکتی ہے مر سکتی نہیں

میں نے یہ مانا کہ جس پر ہو عتاب انگریز کا
اس کی دنیا ہند میں رہ کر سنور سکتی نہیں

منزل خوف خدا ہے مومن قانت کا دل
ہیبت قید فرنگ اس میں اتر سکتی نہیں

رات ہی ایسی تھی ، جس کا بھول جانا تھا محال
بات ہی ایسی ہے جو دل سے نکل سکتی نہیں

پانچ سیپاروں کی دولت ہے میرے سینہ میں جمع
جس کو انگریزی حکومت قرق کر سکتی نہیں

میں حرم سے اڑ کے جا پہنچوں گا شاخ سدرہ پر
میرے پر تثلیث کی قینچی کتر سکتی نہیں

(۲٦ اگست ۱۹۲۵ء)

---

۱ - شورش کاشمیری : قید فرنگ ، ظفر علی خاں کے ایام اسیری ، ص ۲۰۷ ۱۹٦۷ء لاہور -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بقول اشرف عطا :

"میں نے جیل کے اندر جن لیڈروں کو اخلاق و کردار، جرأت و استقلال کے اعتبار سے بلند پایا، ان میں مولانا کفایت اللہ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ مولانا ظفر علی خاں بھی تھے، جنھوں نے جیل میں کبھی ذاتی مراعات کے حصول کے لیے حکام جیل سے منت گزاری نہیں کی، وہ لوگ جیل میں سنت یوسف کی طرح زندگی گزارتے، مشقتیں اٹھاتے، چکی پیستے پھر وہاں نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے، عبادت کرتے، تلاوت کلام مجید سے اپنے قلب کو منور کرتے۔"

مولانا ظفر علی خاں نے کس سوز دل سے یہ شعر کہا ہے :

پیمبر کی شفاعت پر مری اس عرض کا حق ہے
کہ آقا تیری خاطر میں نے چکی جیل میں پیسی

مسلم قومیت کا احساس :

حالی کی نظر میں[۱] قومیت کے قوام میں نسل، زبان اور مذہب بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے وہ ماضی کی داستان کے ذریعہ پوری مسلم قوم کی تاریخ بیان کرتے ہیں اور قوم کے زوال کے اسباب بھی بتاتے ہیں۔ بلاشبہ حالی کی وسعت نظر فلسفیانہ انداز پر تھی اور وہ حال کا ماضی سے رشتہ جوڑنا چاہتے تھے۔ ظفر علی خاں اس دور جدید کے بالغ نظر انسان تھے جو حالی کے اصولوں سے قطعاً انحراف نہیں کرتے۔ لیکن وہ عملی زندگی میں حال کے تقاضوں کو نظر انداز بھی نہیں کرتے۔ مغرب کی فاتح قوم نے مسلم قومیت کے ڈھانچہ کو چور چور کردیا تھا اور جیسا کہ ابتدا میں بیان کیا جاچکا ہے کہ ظفر علی خاں کی زندگی میں مصلحت آمیزی نہ تھی، بلکہ بلاتشبیہ ضرب کلیمی کے نقش قدم پر تھی، وہ مصلحت سوز تھے، وہ اس عمل کی وادی کو سر کے بل چل کر طے کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود کہتے ہیں :

وادیٔ عشق میں کانٹوں نے نکالا جب سر
پیشوائی کے لیے پاؤں کے چھالے نکلے

اسی لیے مذہب کی بقاء اور زبان کا تحفظ گویا ان کے نزدیک مسلم قومیت کی عزت کو دوبارہ تعمیر کرنا تھا۔ وہ اسی کے لیے جیئے اور اسی کے لیے جان

۱ - معین احسن جذبی : حالی کا سیاسی شعور، ص ۸۵ طبع ۱۹۵۹ع انجمن ترقی اردو علی گڑھ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی ۔ یہی احساس انھیں مخلوط انتخاب سے جداگانہ انتخاب کی طرف لے گیا۔ ان کا مقصد دو قومی نظریہ بن گیا اور اس کو عملی شکل دینے کے لیے پاکستان کی حمایت کی۔ ان کا یہ نقطۂ نظر بالکل واضح تھا کہ مسلم قومیت کی جدید عمارت کے لیے ان دونوں اقدار کی حفاظت ضروری ہے اور اس کے تحفظ کے لیے غیرملکی اقتدار سے چھٹکارا پانا لازم ہے تاکہ استعماریت کے استیصال اور استحصال سے بچا جا سکے ۔ بلاشبہ اس کی توانائی کے لیے سیاسی لحاظ سے مسلم لیگ کی مدد کرنا اور اقتصادی لحاظ سے مسلمانوں کو تجارت کی طرف متوجہ کرنا ضروری تھا ۔ چنانچہ گجرات میں مسلم بازار کا قیام اسی خیال کی عملی کڑی تھی تاکہ مسلمان آزادانہ طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں ۔ وہ انگریز کی ملازمت کو غلامی سمجھتے تھے، اسی لیے انھوں نے کبھی انگریز کی ملازمت کا رخ بھی نہیں کیا اور بی ۔ اے کی ڈگری کے بعد سرکاری پیش کش ہونے کے باوجود ڈپٹی کلکٹری بھی قبول نہیں کی ، اور انگریز کی نوکری کو ذریعہ معاش نہیں بنایا ۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اگر وہ انگریزی سرکاری ملازمت اختیار کر لیتے تو ان کی علمی ، ادبی اور صحافتی صلاحیتیں کبھی بروئے کار نہ آ سکتیں اور پھر ظفر علی خاں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا :

حریف لشکر باطل شدن شے دگر است
نہ ہر کہ کلک بگیرد ، ظفر علی بشود

سیاسی بصیرت :

چراغ حسن حسرت نے مولانا کی سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''سیاست آن کے ڈھب کی چیز نہیں - یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں آج سے بیس برس پہلے تھے ، آج بھی وہیں ہیں ۔ مدت تک کانگرس میں رہے لیکن ورکنگ کمیٹی کو چھوڑ کر صوبہ کی کانگرس کے صدر بھی منتخب نہ ہو سکے ، لیگ میں گئے وہاں بھی ان سے یہی سلوک کیا گیا ۔ اگر وہ سیاسیات کو چھوڑ کر ادب و شاعری کی طرف جھکتے تو قیامت ہوتے ۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سیاسیات سے قطع نظر کر لینے کا مشورہ دے تو وہ فوراً بگڑ جاتے ہیں ۔ میں ایک مرتبہ اس قسم کی گستاخی کر بیٹھا تھا اس پر ایسے بگڑے کہ خدا کی پناہ''[1]

---

۱ - چراغ حسن حسرت : مردم دیدہ ، ص ۳ ، مطبوعہ ۱۹۳۹ء لاہور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبصرہ :

اگر سیاست سے مراد میکاولی کا فلسفہ قرار دیا جائے جس میں فریب دینا ، اپنے مقصد کے حصول کے لیے (محاورے کی زبان میں اپنی ہانڈی چڑھانا دوسرے کی اتارنا) ہر غلط کام کو صحیح سمجھنا درست قرار پائے تو یہ سیاست اس لیے ان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اسی سیاسیات کے خلاف تو نبرد آزما تھے لیکن سیاسی بصیرت کے یہ معنی کہ خود کسی کو دھوکا نہ دے ، اور اپنے مطلب کی خاطر دوسروں کو دھکا نہ دے، تو یہی تقاضائے انسانیت ہے اور ظفر علی خان نے اسی سیاسی بصیرت سے قائد اعظم کو لیڈر تسلیم کر کے ادنٰی سپاہی کی طرح قوم و ملک کے مفادات کا تحفظ کیا ، لیکن کسی سامری وقت کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ۔ اسی سیاسی بصیرت نے ان کے دامن کو اپنے ذاتی مقصد کے داغ سے پاک رکھا۔ وہ اس سیاست کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما رہے جو میکاولی کی سیاست تھی یا انگریز کی سیاست ۔ وہ ایسے ہی لوگوں کو ٹو ڈی کہتے رہے - اسی لیے ان کے لیے غیر ممکن تھا کہ وہ اس رنگ میں رنگے جاتے ۔ اگر یہ صورت حال ہوتی تو پھر نہ مجلس خلافت سے لڑائی کا سوال ہوتا نہ احرار کی مخالفت سول لیتے ، نہ کانگرس کے رویہ کی شکایت کرتے ۔ پھر وہ ہوتے اور زمانے کی رعنائیاں ، دنیا کی کامیابیاں اور دولت ان کے قدموں میں ہوتی ، امارت ان کے سر کا تاج ہوتی اور وہ اس ظفر علی سے مختلف ہوتے ، جس ظفر علی کا نام گونج رہا ہے ۔

قومی کمیشن کی تحقیقات (اُن کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ) :

انھوں نے مسجد شہید گنج کی بازیابی کے سلسلہ میں جو مسلسل کوششیں کیں اور مجلس احرار کو قومی جد و جہد میں شریک نہ ہونے کے سلسلہ میں جو ذمہ دار قرار دیا ، اس کے نتیجہ میں لوگوں میں اس مجلس کے خلاف بدگمانیاں پھیل گئیں اور مجلس احرار نے مولانا پر نئی نئی تہمتیں لگانی شروع کر دیں ۔ مولانا نے خود اس واقعہ کو بیان کیا ہے : ''مجلس مرکزیہ احرار ہند (جو تحریک شہید گنج کو فنا کرنے کی غرض سے مجھ پر اور میرے رفقاء پرنت نئی تہمتیں لگانے کے فن میں ید طولیٰ رکھتی ہے اور اسے شریعت مطہرہ کا مقدس ترین فرض سمجھتی ہے ، نے اپنے ایک رکن (سراج الدین سراج کنجاہی) سے یہ الزام ترشوایا تھا کہ ظفر علی خاں جس کے پیٹ میں رہ رہ کر شہید گنج کی بربادی کا مروڑ اٹھتا ہے ، دین مبین کا سب سے بڑا دشمن وہی ہے ،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اس نے اپنی آبائی مسجد کرم آباد کو ڈھا کر اس کے ملبے سے اپنی کوٹھی تعمیر کر لی۔'' مولانا ظفر علی خاں نے اس امر کی اجازت دے دی کہ ان کی عدم موجودگی میں اسلامی کمیشن سے کھلی تحقیقات کرالی جائے۔ غالباً یہی سبب تھا کہ وہ رنگون چلے گئے تاکہ ان کی موجودگی کا الزام بھی نہ لگایا جا سکے۔ چنانچہ ایک اسلامی کمیشن نے کرم آباد پہنچ کر اپنی آنکھ سے سب کچھ دیکھا۔ مستری، مزدور الگ بلائے گئے اور ان کی شہادتیں لی گئیں، اور اچھی طرح چھان بین کرکے یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ ان کو وہیں اس کمیشن کے نتیجہ سے بذریعہ تار اطلاع دی گئی۔ ان کی زبان سے یہ شعر بے ساختہ نکلا:

کرم آباد کی مسجد سے ندا آتی ہے
ہوگیا مجلس احرار کے ارمان کا خون

(چمنستان، ص ۱)

جب وہ واپس آئے تو کنجاہ کے مسلمانوں نے ایک بہت بڑے سیاسی جلسہ میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ (مولانا ظفر علی خاں) مجلس اتحاد ملت کے چیدہ چیدہ ارکان کے ساتھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۶ع کو کنجاہ پہنچے اور وہاں سراج الدین سراج نے (جنھوں نے مولانا پر الزام لگایا تھا) انھیں دعوت طعام دی اور کرم آباد کے واقعہ سے متاثر ہوکر مجلس احرار سے قطع تعلق کر لیا۔ مولانا ظفر علی خاں نے ارتجالاً یہ اشعار وہیں سنائے:

یہ حسن و عشق کا گھر ہے اسے کنجاہ کہتے ہیں
مرے ہر جرم کا آکر یہاں کفارہ ہوتا ہے
زہے قسمت بچا لے جاؤں گر میں آبرو اپنی
کہ ہے جو آبرو والا یہاں آوارہ ہوتا ہے
مسلماں بھی خدا رکھتا ہے پھر یہ ماجرا کیا ہے
ہدف سارے مصائب کا یہی بے چارہ ہوتا ہے
کہا کنجاہ کی کڑوی چلم نے باتوں باتوں میں
کہ تمباکو یہاں کا عقرب جرارہ ہوتا ہے
ابد تک جو بجے گا، طبل ہے وہ ہم غریبوں کا
بلند اسلام کا پنجاب میں طیارہ ہوتا ہے

چمنستان ص ۵۲ - (کنجاہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۶ع)

---

۱ - چمنستان ص ۵۱ (مولانا نے نظم کنجاہ سے قبل اپنے قلم سے یہ واقعہ لکھا ہے۔)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اتحاد اسلامی :

فروغ اسلام کے مشن کے ساتھ ساتھ اُن کا دوسرا اہم مشن اتحاد اسلامی تھا ۔ انھوں نے شیعہ سنی فروعات میں بہت کم دخل دیا ۔ وہ دونوں کو سمجھا کر اسلام کے مقصدِ عظیم یعنی اتحاد اسلامی کے قریب لانا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں اُنھوں نے 'اتحاد اسلامی' ایک نظم سے قبل یہ کلمات خود تحریر فرمائے کہ آقائے مؤدب زادہ مدیر ''چہرہ نما'' قاہرہ نے اپنی اخبار کی ایک حالیہ اشاعت میں مسئلہ فلسطین پر چند مقالے شائع کیے ۔ ایک مقالے میں آقائے محترم نے مفتی امین الحسینی قائد فلسطین سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ جب آقائے ممدوح ہندوستان سے واپسی پر براہ تہران عازم کربلا ہوئے تو مفتی صاحب اُن کے ہم سفر تھے ۔ ایک دن انھوں نے مفتی صاحب سے دریافت کیا کہ شیعوں اور سنیوں کے تعلقات کے بارے میں جناب کا کیا خیال ہے ؟ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ اسلام کے ان دونوں فرقوں کی کشاکش تقویم پارینہ بن چکی ہے ۔ موجودہ اسلامی دنیا میں اس اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اس حقیقت پر سب سے بڑی روشن دلیل یہ دی جا سکتی ہے کہ کربلائے معلی میں شیعہ عالم کے پیچھے فریضۂ نماز ادا کرتے ہوئے میں نے اور دوسرے حنفی المذاہب مسلمانوں نے کسی قسم کا تامل نہیں کیا ۔ اس سے پہلے بیت المقدس میں اسلامیان عالم کی مؤتمر منعقد ہوئی جس میں مختلف اطرافِ عالم کے ایک لاکھ فرزندانِ توحید شریک تھے ۔ لیکن تمام حنفی مسلمانوں نے مسجد اقصلی میں نماز جمعہ ایک شیعہ مجتہد حضرت حجۃ الاسلام کاشف الغطاء کی اقتدا میں ادا کی ۔ ''ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیائے اسلام شیعہ سنی مناقشت سے بہت بلند ہو چکی ہے''۔ مفتی صاحب کے ارشادات سے میرے دل پر جو اثر ہوا ، اُس کی تصویر اشعار ذیل میں ملاحظہ ہو :-

گرفتارانِ بوبکر و علی اچھی طرح سن لیں
کہ اُن کی چپقلش سے کام غیروں نے نکالا ہے

بڑھائی ہے اُسی نے طاقت استعمار مغرب کی
اسی نے نام رہ رہ کر نصاریٰ کا اُچھالا ہے

مفاد اسلام کا بالا ہے دونوں کی کشاکش سے
عرب پر اور عجم پر یہ معما کھلنے والا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدا دونوں کا ایک اور ایک ہے دونوں کا پیغمبر
انھوں نے اسی ہی کے سانچے میں ان دونوں کو ڈھالا ہے

یہ شان اسلام کے لشکر کی دیکھیں گے حریف اک دن
کہ سنی پلٹنوں کے ساتھ شیعوں کا رسالا ہے

کریں گے اعتراف انگورہ آ کر انتھنی ایڈن[۱]
کہ بول اسلامیوں کا آج بھی مشرق میں بالا ہے

چمنستان ، ص ۷۷ - (لاہور ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء)

بشری کمزوریاں :

آن کے مزاج میں بشری کمزوریاں ضرور شامل رہیں لیکن کوئی اخلاق کمزوری آن میں کبھی دیکھنے میں آئی نہ سننے میں ۔ بظاہر آن کا دامن گناہ کی آلودگیوں سے پاک رہا ۔

البتہ بشری کمزوریوں سے کون خالی ہوتا ہے ۔ آن کے اخلاق و کردار کی بلندی نے بشری کمزوریوں کے ساتھ ایک ایسا امتزاج پیدا کر لیا تھا کہ محبت و نفرت میں راجپوتی خون اپنا رنگ دکھائے بغیر نہ رہ سکتا تھا اور نہ رہ سکا۔ آن کی دونوں چیزوں میں انتہائی شدت تھی - وہ اخلاص کے باعث اپنے عمل میں مصلحت آمیزی کو کبھی بروئے کار نہ لا سکے ، جس کے نتیجہ میں وہ خود ایک شعلہ جوالہ بن گئے - وہ اسی لیے مخالفت و دشمنی میں انجام سے بے خبر ہوکر میدان میں کود پڑتے تھے ، آن کا استقامت کا جذبہ تو بے حد تھا ہی کہ اینٹیں برس رہی ہیں اور وہ کھڑے ہوئے ہیں ۔ دشمنوں نے گھیر لیا ہے اور آن کے چہرے پر گھبراہٹ کا نام نہیں، اس طرح وہ اپنے مشن پر ڈٹے رہے ۔ ایسے مواقع پر نہ آن کے کلام کی گرمی کم ہوئی اور نہ پائے استقلال میں لغزش ہی آنے پائی ، لیکن آن کی شدت مخالفت کے اثرات نے ، اچھے اچھوں کو ناراض بھی کر دیا -

بلاشبہ آن کے چشم مروت میں حیا تھی، اس لیے بعض اوقات ان کو نقصان بھی پہنچتے رہے ۔ لیکن اس کے باوجود آن کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ شدید اختلاف کے باوجود جب کسی دوسرے کی طرف سے محبت و الفت کی راہیں نکلیں ، تو آن کے قدم پیچھے نہیں ہٹے اور آنھوں نے تنگ دلی کا ثبوت بھی نہیں دیا ، اس سلسلے میں آن کی زندگی کے تین واقعے بہت اہم ہیں :

۱ - وزیر خارجہ برطانیہ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) مولانا شوکت علی سے مسئلہ خلافت اور سلطان ابن سعود کے اقدامات کے باعث شدید اختلاف کے باوجود وہ مسئلہ شہید گنج پر معانقہ کر کے گویا پچھلے تمام واقعات کو بھول گئے۔ (اس لیے بھی کہ مسئلہ خلافت ختم ہو چکا تھا اور سلطان ابن سعود اپنا مقصد پا چکے تھے اور انہدام مزارات مقدسہ کر چکے تھے، اس طرح دونوں قصے تمام ہو گئے تھے)۔

(۲) گجرات میں احرار سے مفاہمتی جلسے کے سلسلہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے اس طرح بغل گیر ہوئے کہ اب کوئی جھگڑا ہی نہیں رہا۔

(۳) پولیس افسروں سے (اُن کے بے جا طرز عمل اور انگریزوں سے وفاداری کے سبب) زعمائے وطن کو جو جو تکلیفیں پہنچیں، اُس کے باعث وہ اُن سے سخت ناراض رہتے تھے۔ ایک دفعہ ریل کے سفر میں ایک پولیس افسر کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ وہ نواب فخر الملک کے قریبی عزیز ہیں تو فرمایا یہ بات پہلے ہی کیوں نہ بتائی گئی؟[1]۔ لیکن وہ اپنے دوستوں کے مشوروں اور تنقید سے کبھی نہیں گھبرائے۔ خواجہ غلام الثقلین اور سید محفوظ علی سے بے حد متاثر تھے اور ان کا ذکر کئی مرتبہ خلوص سے کیا۔ غلام الثقلین کے اعلیٰ کردار کا ذکر مخصوص انداز میں کیا ہے۔[2] حالانکہ سید محفوظ علی نے اُن کی بعض ادبی باتوں میں اُن سے اختلاف کیا لیکن مولانا ظفر علی خان نے سید صاحب کی گرفت کا احترام کیا اور اپنی اصلاح کر لی۔

ایک الزام کی تردید :

اُن کے متعلق ایک تاثر عام طور سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ جلد باز تھے اور استقامت مزاج نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض اسباب معلوم نہ ہونے کے

---

۱ ۔ حیات فخر الملک ۔ نواب مشتاق احمد خاں ۔ طبع لاہور مارچ ۱۹۶۶ ع ۔

۲ ۔ زمیندار، لاہور ۔ خواجہ غلام الثقلین کے انتقال پر تبصرہ ۔
(دیکھیے اس سلسلہ کا تیسرا حصہ ۔ زمیندار میں مولانا کے قلم سے
نوٹ ۔ نیز دیکھیے خواجہ غلام السیدین: آندھی میں چراغ ۱۹۶۴ع لاہور
(خواجہ غلام الثقلین کے متعلق تاثرات) ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبب یہ تاثر قائم کر لیا جائے ۔ لیکن استقامت صرف اس بات کا نام نہیں کہ اگر کسی امر میں غیر معمولی خامیاں پائی جائیں تو انسان ان خامیوں کو جاننے کے باوجود اس امر کے ساتھ منسلک رہے خواہ وہ انفرادی لحاظ سے نقصان دہ ہو یا اجتماعی لحاظ سے ۔ دراصل یہ اعتراض صرف ان لوگوں کی طرف سے ہوا جنھوں نے کانگرس کی قیادت کو اپنے لیے حرف آخر سمجھ لیا تھا اور اس کی ناراضگی کو وہ لوگ برداشت نہیں کر سکتے تھے ۔ بلاشبہ مولانا ظفر علی خاں کی نظر میں مہاتما گاندھی کی عزت اور جواہر لعل نہرو کے ایثار کی قدر و قیمت ضرور تھی ۔ لیکن اسلام کے اصولوں کو اس عزت پر قربان نہیں کیا ۔ اور ان کا توکیا ذکر ہے ، انھوں نے اپنے جگری دوستوں سے بھی مصلحت آمیز مفاہمت کبھی نہیں کی ۔ جب تک کانگرس کا رویہ مبہم رہا ، وہ قائداعظم کی طرح مخلوط انتخاب کے حامی رہے اور جب کانگرسی رویہ واضح طور پر سامنے آگیا تو پھر انھوں نے قطعی طور پر کانگرس سے منہ موڑ لیا اور ببانگ دہل یہاں تک کہہ دیا :

ع او دشمن اسلام ، گاندھی ہے ترا نام

وہ مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھے ۔ قائداعظم کے ساتھ ہمیشہ معاون کی حیثیت سے رہے ، اسمبلی میں لیگ پارٹی میں تھے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ تنقید کرنے سے باز رہیں یا ان کی تنقید ان کی عدم استقامت قرار دی جائے ۔ انھوں نے بہت سی عوامی تحریکیں چلائیں لیکن ان تحریکوں میں استقامت پیدا نہ ہو سکی ۔ اس عدم استقامت کی تہ میں دو اسباب کارفرما تھے ۔

۱ ۔ جب اس تحریک میں مختلف عناصر صرف سیاسی مقصد کے لیے آگے بڑھے اور اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے معاشی نظام کا سہارا لیا ، تو وہ اس پارٹی سے سخت بیزار ہو گئے اور جب انھیں ان کے اپنے خاص دوستوں کی طرف سے مبارز طلبی کی دعوت ملی ، تو وہ تن تنہا پوری قوت کے ساتھ سامنے آ گئے اور اپنے موقف کی حمایت میں اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کر دیا ، اور انھوں نے بیک وقت کئی محاذ کھول دیئے مثلاً ادبی محاذ ، صحافتی محاذ اور پھر سیاسی پلیٹ فارم کا محاذ ۔ انھوں نے ایک شعر میں اسی محاذ کا ذکر بھی کیا ہے :

مسلماں باندھ کر نکلا ہے اپنے پیٹ پر پتھر
مگر تم بیچ میں لاتے ہو ، روٹی کے جھمیلوں کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲ - جب بین الاقوامی حالات کے تحت اس تحریک کی اہمیت کم ہوگئی تو ان کے لیے یہ امر مشکل تھا کہ وہ اس لاش کو سینے سے چمٹائے رکھیں -

۳ - جب اس تحریک سے زیادہ بہتر تحریکیں مسلم مفاد کے تحفظ کے لیے سامنے آئیں اور اس وقت اتحاد کو وقت کی ناگزیر ضرورت سمجھا گیا ، تو انھوں نے ذاتی جلب منفعت پر اس مسلم عوامی مفاد کے عظیم ترین مقصد کو سامنے رکھا اور اس عظیم تر مطمح نظر کو مدنظر رکھ کر اپنی تحریک کو ختم کر دیا -

یقیناً یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی ان بشری کمزوریوں میں ان کی صاف گوئی کے سبب غصہ کو دخل ہو - اور وہ لوگ ان کی حریفانہ چوٹوں کو اپنے لیے رسوائی کا سبب بھی جانتے ہوں اور ان کے اخبار زمیندار کی اشاعت و مقبولیت بھی ان کی نظر میں کھٹکتی ہو لیکن جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے وہ اپنی دشمنی و محبت میں شدید تھے -

بعض لوگ ان پر عدم استقامت کے باعث کردار کی ناپختگی کا الزام لگا کر ملت اسلامیہ کے لیے ان کی خدمات کو فراموش کر دینا چاہتے ہیں یا ان پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں - جب لوگوں نے ان کو جلد باز اور تھڑ دلا کہا تو انھوں نے ان لوگوں سے وابستگی نہ رکھنا اپنا شعار کر لیا -

اگر مولانا ظفر علی خاں مخلوط انتخاب کے حق میں تھے (جیسا کہ ''انقلاب'' لاہور نے ان پر مسلسل الزام لگائے) تو یہی نقطۂ نظر قائداعظم کا بھی تھا - لیکن جب حالات نے ان پر واضح کر دیا کہ قائداعظم ہی مسلم قوم کے رہنما بن سکتے ہیں — بلکہ ''ہیں'' تو انھوں نے کشادہ پیشانی کے ساتھ ان کی قیادت کو تسلیم کر لیا -

کیا تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کی خاطر جیل جانا اور پانچ برس تک قید کی مشقتیں اٹھانا ان کی کسی جلد بازی کا نتیجہ تھا - اگر جلد بازی کا نتیجہ تھا تو ان کو جلد ہی پشیمان بھی ہو جانا چاہیے تھا -

جب مولانا ابوالکلام آزاد کے کہنے پر مجلس احرار بنائی تو جب تک احرار نے عوامی مفاد میں کام کیے وہ احرار کے ساتھ ہر حال میں شریک رہے - اور جب مسجد شہید گنج کے قضیہ میں مجلس احرار نے خاموشی اختیار کی تو انھوں نے اس لیے مقاطعہ کر دیا کہ انھوں نے معاہدہ شکنی کی تھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس سلسلے میں فضا کا خراب ہونا بھی لازمی تھا جیسا کہ انھوں نے کہا ہے :

جلتے ہیں میرے نام سے احرار اس طرح
جس طرح جل رہے ہوں ، انگیٹھی میں کوئلے

(غیر مطبوعہ ، بحوالہ شیخ کرامت اللہ)

ان اصولوں پر قیام (جو امت مسلمہ کے مفاد میں تھے) ، کیا ان کے عدم استقامت کی دلیل ہے ؟ اور کیا ان حریفوں کا مقابلہ کرنا ان کے اضمحلال کی علامت ہے ۔

انھوں نے مسلم لیگ کے قیام کے بعد اس کو زندہ رکھنے کی کوشش کی اور ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں جگرداری کے ساتھ حریفوں کی آندھیوں کا مقابلہ کیا اور اس سے سر مو پیچھے نہیں ہٹے ۔ اسمبلی میں انھوں نے مسلسل دس سال تک قائداعظم کی سرپرستی میں مسلم مفاد کی حفاظت کی ۔ مجلس اتحاد ملت کو مسلم لیگ میں ضم کر دینا ان کے خلوص و دیانت کی بہترین مثال ہے ۔

وہ زندگی کے مثبت اور منفی نقطۂ نظر سے اچھی طرح واقف تھے ، لیکن وہ کسی جماعت سے اس کی اکثریت کے باعث مرعوب نہیں ہوئے ۔ یہی سبب تھا کہ وہ کانگرس کی جھولی میں نہیں گرے ۔ ان کی سیاسی چال ڈھال میں کوئی جھول نہیں تھا ۔ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بعض دوسروں کی کمزوریوں کو شعری صورت میں اچھالا ، لیکن جب ان پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی جاتی تھی تو وہ کلوخ انداز کا "پاداش سنگ است" سے جواب دیتے تھے ۔

ایک مزاج داں کہتے ہیں :

''وہ جس طرف جھک گئے، جھک گئے ۔ ان کے جو دل میں ہے وہی زبان پر ہے ۔ موقع محل کا کیا ذکر ہے ۔ گھر کے اندر یا باہر ، سیاسی صحبتوں میں یا ادبی محفلوں میں ، دلی دروازے کے جلسوں میں یا زمیندار کے قطعات میں ، نثر ہو یا نظم ، تحریر ہو یا تقریر ، وہاں ایک ہی رٹ لگی ہوئی ہے ۔ آپ کچھ کیے جائیے ، ادھر سے ایک ہی جواب ملے گا ۔ آپ کی یا ہماری دلیل بازی بےکار ہے کیونکہ آندھی بر وزن گاندھی اسی کا نام ہے ۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ صحیح بات ہے کہ سیاسی مسلک کی تبدیلی اگر ذاتی اغراض کے لیے ہو تو یقیناً یہ امر قابل ستائش نہیں لیکن اگر قومی مفاد اور اس کے بنیادی اصول پیش نظر رہیں تو پھر ایک مسلک جس سے قومی مفاد کو نقصان پہنچے، پھر اسی مسلک سے وابستگی یقیناً ذاتی اغراض کے تحت سمجھی جائے گی۔

وہ جئے تو اسلام کے لیے، کام کیے تو اسلام کے لیے حتیٰ کہ کانگرس سے ناراضگی مول لی تو اسلام کے لیے۔ انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کو ناراض کر لیا، مجلس احرار اسلام کو جانی دشمن بنا لیا، لیکن ان کی مخلصانہ کوششیں یہی رہیں کہ اقدار اسلامی کی پامالی نہ ہو۔ حیدر آباد کے قیام کے دوران جب ایک اطالوی کمپنی نے عورتوں اور مردوں کا اجتماعی رقص پیش کیا اور اس کے بعد ان سے شکریہ ادا کرنے کے لیے کہا گیا تو انھوں نے سخت الفاظ میں اس قسم کے مظاہروں کی مخالفت کی اور یہ شعر بھی پڑھا:

تہذیب نو کے منہ پہ وہ تھپڑ رسید کر
جو اس حرام زادی کا حلیہ بگاڑ دے

ان کو اس پاداش میں حیدر آباد (وطن ثانی) کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنا پڑا لیکن وہ اس امر پر منفعل نہیں ہوئے۔

بلاشبہ ان کے احباب ان کی آتش بیانی اور شعلہ نوائی سے ناراض رہے لیکن وہ اسلام کے اصولوں کے مقابلے میں مصلحت آمیز خاموشی کو اسلامی اصولوں کے منافی سمجھتے تھے۔

وہ ہندوستان میں سید جمال الدین افغانی کی تحریک کے زبردست داعی اور قائداعظم کے قابل اعتماد ساتھیوں میں سے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جن اقدار کے تحفظ کے لیے ۱۹۰۶ء میں کھڑے ہوئے تھے، اس کے لیے انھوں نے ایک طویل عرصہ تک اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ کام کیا چاہے ان کو کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑا، لیکن ان کے عزم مستحکم اور ثبات کوہ پیکر کو کوئی نہ ہلا سکا۔ یہی وجہ تھی کہ قائداعظم نے ۱۹۳۷ء میں مولانا کو اپنا دست راست تصور کرکے فرمایا تھا کہ مجھے آپ اپنے صوبہ میں سے مولانا ظفر علی خاں جیسے دو چار بہادر آدمی دے دیں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر مسلمانوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لباس :

ان کے لباس میں ترکی ٹوپی ، ٹرکش کوٹ ، شیروانی یا اچکن اور پاجامہ شامل تھا اور آخر وقت تک یہی صورت حال قائم رہی۔ یورپی ممالک میں سوٹ اور ہیٹ کا استعمال کیا ۔ ان کی بعض تصویریں پگڑی اور شیروانی کے ساتھ بھی موجود ہیں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم

علالت اور سفر آخرت :

ان کی جسمانی صحت باقاعدہ ورزش اور سیر کے باعث بہت اچھی تھی ، انہیں جسمانی مشقت سے کبھی عار نہ تھا - خود انھوں نے تمام عمر پاکبازی کے ساتھ بسر کی تھی البتہ ان کی صحت آہستہ آہستہ گرنی شروع ہو گئی تھی اور کچھ رعشہ کی شکایت بھی پیدا ہو گئی تھی - کسی مخلص نے کوئی نسخہ تجویز کیا جو ان کو راس نہ آیا اور ان کو ایسا فریش بستر کر دیا کہ وہ پھر اٹھ ہی نہ سکے -

عبداللہ بٹ ناقل ہیں کہ "حبیب الرحمٰن (جو مکتوب برلن کے نام سے زمیندار میں مضامین تحریر کرتے تھے اور جنگ کے زمانے میں برلن سے اردو میں خبریں بھی نشر کرتے تھے) اگست ۱۹۴۷ء میں میرے یہاں مقیم تھے۔ انھوں نے مولانا سے ملنے کی خواہش ظاہر کی - وہ مولانا سے بہت عقیدت رکھتے تھے- چنانچہ ہم دونوں زمیندار کے دفتر میں پہنچے - مولانا اختر علی (ان کے فرزند) نے اپنے مخصوص جوش و خروش کے ساتھ معانقہ کیا اور ہمیں دفتر کے عقبی حصے میں لے گئے جہاں مولانا بیٹھے ہوئے تھے - ان کی صحت خراب تھی ، کمزوری و نقاہت کے آثار بہت نمایاں تھے - لیکن اس کے باوجود وہ ہم سے بغل گیر ہوئے - جب بیٹھے تو ان کے ہاتھوں میں رعشہ تھا - آواز بہت نحیف کہ بڑی دقت سے بولنے کے باوجود بمشکل ہم تک پہنچ رہی تھی - میں ایک مدت کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا - ان کی حالت دیکھ کر میری آنکھیں پر نم ہو گئیں -"[1]

تقریبا ۱۹۴۸ء سے ان کے بدن میں رعشہ اور زبان میں کچھ لکنت بھی پیدا ہو گئی تھی - لیکن اس عالم میں بھی وہ زمیندار کے دفتر جاتے ، دیر تک بیٹھتے ، افتتاحیہ ضرور سنتے اور کچھ تبدیلیاں کراتے- اسی سال ۲ مارچ ۱۹۴۸ء

---

۱ - بحوالہ روزنامہ آفاق لاہور - ۲۸ فروری ۱۹۵۲ء -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ان کی بیگم کا انتقال ہو گیا - اس حادثہ نے ان کی صحت پر اور بھی اثر ڈالا اور تقریباً دس سال تک عملی زندگی سے کنارہ کشی پر مجبور ہو گئے تھے -

لیکن اس غم کے باوجود انھوں نے ۱۹۳۹ع میں پنجاب یونیورسٹی میں اردو کانفرنس کے جلسہ میں ایک معرکۃ الآراء تقریر کی جو سابقاً درج کی جا چکی ہے -

بقول عشرت رحمانی[1]:

''میں نے انھیں ۵۲/۵۳ع میں کوہ مری میں دیکھا جبکہ وہ طویل علالت اور رعشہ سے مجبور تھے اور اپنی کوٹھی سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے برآمد ہوئے اور باہر سڑک پر بدستور مست خرام نظر آئے - ان کے بھائی چوہدری غلام حیدر ان کو سہارا دیئے ہوئے تھے لیکن مجاہد کے تیور بتاتے تھے کہ ان کو سہارا گوارا نہیں - تاہم معمولات کی پابندی میں فرق نہ آنے دیتے اور سخت پابندی کے باوجود صبح کی سیر کا ناغہ نہ ہونے دیتے - اسی طرح وہ موسم گرما میں بالالتزام مری ضرور جاتے اور سارا موسم گرما وہیں گزارتے - اس علالت کے دوران دو صاحبان ایسے تھے جنھوں نے اپنی محبت و خدمت کا حق ادا کر دیا - ایک ان کے بھائی چوہدری غلام حیدر جو شروع ہی سے ان کے شریک کار رہے تھے، اور دوسرے ان کے بیٹے اختر علی خاں - ان کے بیٹے نے تو اپنے والد کی تیمار داری اس انداز میں کی کہ شاید و باید - وہ کوئی گھڑی، کوئی لمحہ اپنے باپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتے - ہر دیکھنے والے نے ان کی اس خدمت کو سراہا -''

بقول شیخ کرامت اللہ[2]:

''اختر علی خاں نے سالہا سال تک اپنے والد کی وہ خدمت کی کہ ہر دیکھنے والے نے اپنے دانتوں میں انگلیاں دے لیں -''

۲۳ جولائی ۱۹۵۳ع کو ناصر الدین ناصر کی ملاقات مری میں ان سے ہوئی - انھوں نے اس ملاقات کا حال اس طرح بیان کیا ہے[3]:

''مولانا مکان کے برآمدے میں کرسی پر پڑے ہوئے تھے، گردن او

۱ - عشرت رحمانی: ''ماہ نو'' جنوری ۱۹۵۷ع کراچی -
۲ - انٹرویو از شیخ کرامت اللہ مولف آئینہ گجرات (۱۹۶۸ع میں) -
۳ - انٹرویو ناصر الدین ناصر - طبع اردو نامہ ۱۹۶۹ع کراچی ص ۳۵ -

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھاتی کے گرد ایک تولیہ لپٹا ہوا تھا - ہاتھ متورم تھے اور رعشہ سے مسلسل کانپ رہے تھے - ہمارے دوران قیام میں آن کا جسم بے حس و حرکت پڑا رہا - البتہ آنکھوں کی گردش اور زبان کی لکنت کے سہارے انھوں نے کچھ کہنے کی کوشش ضرور کی - جب راقم نے نقوش کے غزل نمبر کی طرف آن کی توجہ دلائی اور عرض کیا کہ ''اتنے بڑے مجموعے میں آپ کی غزل نہ دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید آپ نے غزل کبھی نہیں کہی'' -

''ہاں میں نے غزل کبھی نہیں کہی'' -

''عالم جوانی میں تو مولانا ابولکلام آزاد نے ایک آدھ غزل لکھ لی تھی - آپ نے توجہ کیوں نہیں فرمائی'' ؟

مولانا جوانی پر اس لطیف چوٹ سے مسکرائے اور پھر ہنس پڑے - میں نے عرض کیا :

''آپ کے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے اصناف ادب کو مجتمع کیا جائے، تو آپ بہت حد تک ایک دوسرے کا پاسنگ ہیں - آپ کے ہاں نظم، نثر، صحافت، خطابت ہے - آن کے ہاں علم قرآن، نثر، صحافت، خطابت ہے، بلکہ یہ سننے میں آیا ہے کہ آپ ہی اس در شہوار سے ادیب کو پہلی مرتبہ لاہور لائے تھے'' -

''یہ ایک زمانے کی بات ہے'' -

آن کی مسکراہٹ متواتر آن کے جذبات کا اظہار اور ہماری عقیدت کا خیر مقدم کر رہی تھی - میں نے کہا :

''مولانا اختر علی خاں صاحب کی رہائی کے سلسلے میں آپ مبارکباد قبول کر لیجیے - آن کی عارضی جدائی سے آپ کی گرتی ہوئی صحت پر ہولناک اثر پایا جاتا ہے، اس کا تمام قوم کو قلق ہے - کاش حکومت بھی عوام کے جذبات اور آپ کی ذات کا احترام کرتی'' -

مولانا اس تذکرے سے کچھ ملول سے ہوئے اور کچھ وقفہ خاموشی کے بعد انھوں نے فرمایا - ''اختر نے زمیندار کو خوب چلایا ہے'' -

(زمیندار سے جو تعلق خاطر مولانا کو ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں - یقیناً انھوں نے اس پودے کی آبیاری اپنے خون سے کی ہے) -

''آپ کے کلام میں داغ کی روانی اور انشاء کی مشکل گوئی بہت نمایاں ہے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کلام کی مجموعی حیثیت آپ کی یکتائی کی دعوے دار ہے" - میں نے عرض کیا -

انشاء کے ذکر پر آپ نے ایک جملہ کہا جو ان کی لڑکھڑاتی زبان سے گرا اور میری سماعت سے پھسل گیا - میں نے اس کو دہرانا مناسب نہیں سمجھا - میں دیکھ رہا تھا کہ کس ضعف و کرب سے آسمانِ ادب کی زبان سے چند ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے - میں نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا - میر انیس نے بھی غزل کی صنف میں کچھ نہ کچھ یادگار چھوڑا ہے ، اگر آپ اب بھی توجہ فرمائیں تو شاعری جو آپ کی طبع زاد غلام رہی ہے ، شعر در شعر بن کر آپ کے قدموں میں آ گرے گی - میں نے ان کی توجہ ان کی ایک نظم "بخاری سے روایت" کی طرف دلائی ، بلکہ عنوان سے مقطع تک ایک ایک لفظ کی اپنے فہم کے مطابق تشریح کی اور کہا "واللہ اگر اس کا عنوان ہٹا کر تھوڑی سی ترمیم حسب ذیل کر لی جائے تو یہ باقاعدہ ایک بیش قیمت غزل بن جائے گی -"

مولانا اس انداز سخن فہمی پر خوب ہنسے - وہ یقیناً اپنی توانائی سے زیادہ ہنس گئے اور مجھے یقین ہے کہ کچھ دن اگر ان کی صحبت اور میسر آتی تو میرا اصرار ان میں کیفیت غزل گوئی پیدا کر کے ہی رہتا اور وہ غزل یادگار زمانہ ہی ہوتی - موضوع سخن بدلتے ہوئے میں نے پوچھا کہ "کیا حکومت پاکستان نے آپ کی صدا بندی کر لی ہے" ؟

"نہیں- ریڈیو والے ایک روز آئے تھے-- پھر نہیں آئے- سنا ہے کہ علامہ اقبال کی آواز بھی حکومت کی غفلت کا شکار ہو گئی تھی - لیکن اس وقت غیر ملکی حکومت تھی اور اس سے ہمیں توقع ہی کیا ہو سکتی تھی - جب کہ آج ہماری اپنی مملکت ہی اپنی اس متاع ادب کو طاق نسیان کے گلدستہ کا پھول سمجھے ہوئے ہے -

صدا بندی موجودہ دور میں کوئی عجوبہ روزگار بات نہیں رہی - یورپ اور امریکہ کے باشندے ایک مقام سے دوسرے مقام پر خط بھیجنے کے بجائے اپنی گفتگو ریکارڈ کر کے بھیج دیتے ہیں اور خرچ کی نوعیت بہت معمولی ہوتی ہے" -

اس ملاقات کو غنیمت جانتے ہوئے میں نے پوچھا - "کیا آپ نے اپنی زندگی کے واقعات کو جمع کرنے کی کبھی کوشش کی ہے" ؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"نہیں ۔ کبھی نہیں ۔ لوگ لکھنا چاہتے ہیں ، شورش کہتے تھے" ۔
میں نے عرض کیا :

"اس کام کو شورش سے بہتر شاید اور کوئی انجام نہ دے سکے۔ وہ صاحب طرز ادیب ہیں اور آپ کے احوال زندگی سے کماحقہ واقف ہیں ۔ میں لاہور پہنچتے ہی اُن کی توجہ اس کام کی طرف دلاؤں گا" ۔

فضا میں اب کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہو رہی تھی ۔ کرسی اندر کر لی گئی اور مولانا پر کمبل ڈال دیا گیا ۔

کہنے لگے ۔ "بارش سے فضا میں کچھ خنکی پیدا ہو گئی ہے" ۔

میں نے کہا ۔ "ٹھنڈک آپ کی صحت کے لیے مفید ہے ۔ انشا اللہ آپ کے جسم میں توانائی پیدا ہو جائے گی" ۔

پھر میں نے دعائیہ لہجہ میں کہا :

"اگرچہ آپ ہماری تاریخ کے لافانی انسان ہیں ۔ تاہم ہماری یہ دعا ہے کہ وہ جسم جو اس عظیم روح کا مسکن ہے ، اپنے ملک کے لوگوں میں اس وقت تک سلامت رہے جب تک ان میں جوہر شناسی کا مزاج نہ پیدا ہوجائے ۔"

میں نے اُٹھتے ہوئے اُن کے رعشہ زدہ ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اجازت چاہی۔ مولانا نے فرمایا ۔ "جزاک اللہ" اور مسکراہٹ کی زبان میں ہمیں الوداع کہا ۔ مولانا سے گفتگو کرتے وقت میرے ذہن میں غیر ارادی طور پر غالب اور انشاء کی زندگی کے آخری ایام کی تصویر کھنچ رہی تھی ۔ نہ معلوم ان مخصوص شخصیتوں کا تصور مولانا کی موجودگی میں کیوں پیدا ہوا تھا ، شاید اس لیے کہ قلم کی عظمت اور زمانے کی غفلت ان کا بھی مقدر رہ چکی تھی[1] ۔"

وفات

۲۷ دسمبر ۱۹۵۶ء کو بوقت دوپہر بارہ بجکر بیس سنٹ پر اپنے وطن کرم آباد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئے ۔ ادب و صحافت کا یہ جری انسان جو زمانے سے کبھی نہ ہارا ، موت کے ہاتھوں ہزاروں من مٹی کے نیچے سو گیا :

پہاڑ کھودنے والے زمیں سے ہار گئے
اسی زمیں میں سمائے ہیں آسماں کیا کیا

۱ ۔ ناصر الدین ناصر : "سامان لخت لخت" مطبوعہ چٹان لاہور ۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۴ء ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اپنی کوٹھی کے پائیں باغ میں دفن ہوئے۔ آن کی قبر پر آم کا ایک بڑا درخت سایہ فگن ہے۔

(اس جگہ کے قریب ہی ایک شاندار مسجد بھی ہے۔ جو سیالکوٹ جانے والی سڑک پر واقع ہے)۔

سید ابو ظفر نازش رضوی مرحوم سابق مدیر اعلٰی زمیندار نے قطعہ تاریخ کہا :

ازیں دنیا چوں بابائے صحافت
بحکم حق رواں شد ، سوئے جنت

ستارہ بود رضواں با ملائک
باستقبال شاں با صد مروت

رہین درد و غم بودند ہر سو
ہمہ ابنائے ملک و قوم و ملت

محبان وطن کردند شیون
بہ مرگ مرد میدان سیاست

بیاد بلبل شیوا بیانے
سخن گویاں شدند مصروف رقت

ادیبان زماں و اہل دانش
ہمہ بودند محو رنج و حسرت

ندیدم ہمچنیں از شرق تا غرب
عدیلش در جہان علم و حکمت

مجلا طینتے گویم ، کہ بودے
مصفا گوہرے بحر فصاحت

ازو لعل بدخشانی فروتر
کہ بودے او خودش کان بلاغت

پسر ہمچوں دگر زادے نہ مادر
دریں عالم دلیر و باحمیت

ظفر دادش علی در معرکہ ہا
فرنگی پست شد چوں مرحبیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پئے تاریخ سال رحلتش من
بدم در فکر با صد درد و کلفت
بگفتا ہاتفے از غیب نازش
پناہی یافت در آغوش رحمت
۱۹۵۶ء

اولاد :

مولانا ظفر علی کے صرف ایک صاحبزادے ہوئے ، جن کا نام اختر علی خان رکھا گیا ۔ مولانا نے ان کی تربیت کے لیے فن صحافت ہی کو پسند کیا اور اپنی زیر نگرانی ان پر اس سلسلے میں اپنی پوری توجہ مبذول رکھی ، یہاں تک کہ ان کی زندگی ہی میں انھوں نے اخبار کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اور ۱۹۳۷ء سے آخر وقت تک وہ اداریہ نویسی کرتے رہے ، اگرچہ بعض بعض دفعہ مولانا ظفر علی خان نے بھی اداریہ نویسی کی ہے ۔ مولانا اختر علی خان کی زندگی پر تبصرہ ہمارے اس موضوع سے خارج ہے اس لیے مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا اختر علی خان نے اپنی زندگی بھر اپنے والد کی روایات کو زمیندار کے سلسلہ میں حتی المقدور قائم ہی رکھا ۔ ان کے بعد یہ روایات قائم نہ رہ سکیں اور اخبار بند ہو گیا ۔

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ

ذیل میں ہم مولانا ظفر علی خاں کی وہ تقریر درج کرتے ہیں جو انھوں نے سنٹرل اسمبلی دہلی میں ۱۹۴۲ء میں کی ۔ اس پوری تقریر سے اس زمانے کے سیاسی رجحان ، کانگرس کے رویے کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے ۔

SPEECH OF MAULANA ZAFAR ALI KHAN

India can only be saved by her own efforts. Four hundred millions of Indian can not be defeated by any power on the face of the earth, and supported by Britishers she should be invincible. So dovious by it ought to be the duty of the British Govt. to see that India is palacted and that the Political aspirations of India are given due consideration. But what have the British Government to see that India is palacted and that the political aspirations of India, instead of meeting then political requirements, they suddenly one fine morning arrest. I remember, Sir, Feroz Khan Noon in one of his speeches reminded us that during the last eleven months there has not been a single instance in which any proposal put forward by him has been rejected by the Governor General. Similar assertions will presumably be made by he other gentleman from Mr. Anney downwards. So I ask them; 'Did you advise the Governor General not to arrest the Congress Working Committee leave loop holes for further negotiation?" Because negotiation between the two night here ended in a unicable settlement. If Gandhi and his colleagues had been out certainly the condition in which we find India today would have been different. This burning of post offices and attacks on the military and the police, tempering with communications all this would not been occurred. Otherwise Gandhi Ji would have stultified himself. He believes in non vistance: he has believed

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

in non violence and has acted not have allowod this state of things to go on. That section of the Hindus who are carrying on these things would have been stop by him.

This is one thing. Then negotiations might have been made with the other sections of the country, with the Muslim League, some people say, stand in the way of the independance of India, that it is an obstacle in the way of the right solution of this great problem. Nothing of the sort. The Muslim Leauge stands as much for the independance of India as the Congress or the Mahasabha The Muslim League has not hauged its doors against the negotiations with any party. The Muslim League has declared in so many words that it is prepared to negotiate with all the parties on a footing of equality, winds to realize the resources of the entire country to sight Nazim and Tascim. It can not, therefore, be said that the Muslim League is averse to any proposal to unite with the other parties. In my opinion the right thing for the Government at the present movement would be to cry halt to its policy of absolute repression. Repression will not save the problem. You may kill a few here and there ; but this is not a sporadic disturbance ; it is a revolution ; it is a revolution through the length and breadth of India. The Muslim League has not bithat joined the Civil disobedeince movement, which was most unfortunate on the part of the Congress because the Congress very well know, that at the present movement India was threatenedly the Japanese on the Eastern side and they would hail any disorder in the country as disorders and disobedience mean one and the same thing. The civil disobedience movement under the present circumstances, must therefore, be condemned. Yet the time may come when the Muslim League which results the policy of the British Govt. as much as any party in this country presents it, who have always been let down by the British Govt. inspite of their repeated offers to co-operate with them and not to embrace them, inspite of all these facts, the Govt. have never listened to what we say and have always let us down. I say the time may come when the muslim may have to fight for his rights and that fight would be very terrible.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Mr. Jamna Das M. Mehta : Five hundred times.

Maulana Zafar Ali Khan : Mr. Jamna Das Mehta reminds me of the fact that the Muslim have five hundred times more guts than these aniable gentlemen who have been removing fish placts. So the Muslims will fight, but not before taking every measures to come to term with the Congress, with the Mahasabha and with the Britishers. Who even he may be. Our Prime Minister, Mr. Churchall is a very funny, fellow. He tells us that these Congress walas are nothing but a small group of politicians, mischief makers and cuntain financial interests behind them. That is the Congress, he says : and he thinks we will believe it, that the world will believe it. I tell him although I do not hold a brief for the Congress that the ignore of the Congress is a folly of the first magnitude.

When my Honourable friend, Sir, Reginald Max Will, made his statement which took him realy an hour, I thought he would place before us some state man like and constructive proposal but he simply told us that five hundred post offices were burnt and so many hundreds were killed and so many hundreds were shot and that a systematic and organized effort was made by these mischief makers to carry on this revolutionary movement. But we have got the picture from another source. Which is a bit more interesting, and I should like the house to join with me in enjoying it. The organ of the communists of India says :

"Despair stalks the land. Revenge against repussion is the cry of the hour. The police smash up in one place but there is out brust in an other. Order is kingrestored in the tours with the police lathi, tear gas and if they are not enough, bullets. This does not restore peace ; nor patriots ever when bend by superior force in the towns are branching out into the villages where the police are few and far between, where the military can not easily reach. Railway tracks are being torn up, train derailed, telegraph wires cut. The Govt. set out to suppress the Congress, the embodiment of the national movement ; it has only set a motion

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

forces that are disrupting Indian defence. The Government has called into being people ; fully against it self. It has only heartened the Tasccist invaders. Instead of handing over India to the Indians, it has done its worst to see that India goes to the Japs.

The constructive side of this problem, the state man like side of this problem is far the Govenment to try and reconcile those who are now ship up behind the bar, creates an atmosphere favourable for the great parties of this country to come together

The Muslim League has loft its door open to negotiate with Congress, but Gandhi Ji, Pandit Jwaherlal Nehru and other are behind the bars. With whome then to negotiate ? So let them out, bring them out of jails, and in the meantimes, let man like Mr. C. R. Rajgopal Acari, Sir Taij Bahadur Sapru, Mr. Ancy, Sir Sultan Ahmad and others try to induce the Govt. to create facilities for negotiations, and there negotiations may be carried on between Govt. and Gandhi Ji also. The direct result of Gandhi Ji's release from Jail and of his colleagues would be that disturbances in India would stop. Hitherto we were told that a crore of rupees has been lost over the Railways, 500 post offices burnt, and lakhs of rupees of loss in property sustained. Many innocent people were killed, for it must be remembered that the revolutionery, when he becomes mad, does not distinguish between the innocent person a guilty person. He kills, so many policeman indischarge of duty were burnt to death others were burnt alive. These things would not happen, otherwise Gandhi Ji would stultify himself by presenting to the world a spectacle of this sort of things going on while he was out. So statemenship demands reason demands, equity demands, justice demands that some thing should done to improve the situation and that can be done by bring the Muslim League and Congress togather. The Mahasabha would follow suit. Lately the Mahasabha has only become the north piece of Congress so far as the demand

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

for the independence of India is concerned, and although the question of Pakistan may be tabor so far as the Hindu Mahasabha is concerned, I think when we heard of our friend, Mr. Joshi, expressing the hope that the Hindu would accept the demand of the Muglamous there is a chance of the Hindu Mahasabha also comming round to the Muslim point of view.[1]

1 - India Unreconciled, (A history of Indian political events from August 1942 to February 1954.)
(Hindustan Times, New Dehli.)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

ابو شاہد ۔ — نجدی تحریک طبع ۱۹۶۸ء

آزاد ۔ ابوالکلام ۔ — (۱) الہلال جولائی ۱۹۱۶ء
(۲) غبار خاطر

آزاد ۔ محمد حسین شمس العلماء ۔ — مقالات ، مجلس ترقی ادب لاہور

اشرف عطاء ۔ — (۱) چند شکستہ داستانیں طبع لاہور ۱۹۶۶ء
(۲) ظفر علی خاں

الانہ ۔ جی ۔ — قائد اعظم (انگریزی) طبع کراچی

آل احمد سرور ۔ — ادب اور نظریہ ۱۹۵۴ء لکھنؤ

ابو نصر ۔ — تقویم ہجری و عیسوی طبع انجمن ترقی آردو علی گڑھ

افضل حق چودھری ۔ — (۱) تاریخ احرار طبع لاہور
(۲) زندگی

امداد صابری ۔ — فرنگیت کا جال ۱۹۴۹ء

براؤن ۔ پروفیسر ۔ — انقلاب ایران

جواہر لال نہرو ۔ — کچھ پرانے خطوط حصہ اول و دوم ۱۹۶۰ء ، ۱۹۶۲ء دہلی

جان ڈیوی ۔ — آزادی و تہذیب (آردو ترجمہ) ۱۹۶۰ء لاہور

جیون یارجنگ ۔ — جلسۂ تقسیم اسناد ۱۹۳۸ء علی گڑھ (چیف جسٹس حیدر آباد)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چارلس ایڈمز ۔ ڈاکٹر ۔	اسلام اور تجدید مصر میں آردو ترجمہ طبع ۱۹۵۸ء
حالی ۔ الطاف حسین ۔	حیات جاوید طبع قدیم
حسرت ۔ چراغ حسن ۔	مردم دیدہ لاہور
حمید احمد خان ۔ پروفیسر ۔	تعلیم و تہذیب ۔ طبع مجلس ترقی ادب لاہور
حبیب احمد کیفوی ۔	جموں و کشمیر کے چند آردو شعراء ۔ صحیفہ سہ ماہی ۱۹۶۸ء
حسن ریاض ۔	پاکستان ناگزیر تھا ۔ ۱۹۶۷ء کراچی
حکیم احمد شجاع ۔	لاہور کا چیلسی (نقوش ، لاہور)
حامد علی خان ۔	رسالۂ الحمراء ۱۹۵۷ء لاہور
خلیق احمد نظامی ۔	۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ۔ طبع ۱۹۵۷ء
رئیس احمد جعفری ۔	(۱) قائد اعظم اور آن کا عہد ۔ لاہور ۱۹۶۶ء
	(۲) اوراق گم گشتہ کراچی ۱۹۶۸ء
	(۳) کاروان گم گشتہ کراچی ۱۹۷۱ء
رفیق افضل ۔	تقاریر قائد اعظم طبع لاہور ۱۹۶۹ء
رضا علی (سر) ۔	اعمال نامہ طبع دہلی ۱۹۴۵ء
ذکاء اللہ (شمس العلماء) ۔	تاریخ ذکاء اللہ (غدر کے بعد مصیبتیں)
سر سید احمد ۔	اسباب بغاوت ہند طبع جدید ۱۹۵۷ء کراچی
سید عبداللہ (ڈاکٹر ۔ پروفیسر) ۔	(۱) سر سید اور آن کے رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ
سراج الدین احمد (منشی) ۔	خود نوشت سوانح عمری زمیندار ۱۹۳۶ء
سالک ۔ عبدالمجید ۔	(۱) سرگذشت طبع لاہور ۱۹۶۶ء
	(۲) یاران کہن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید سلیمان ندوی ـ علامہ ـ	(١) برید فرنگ ـ الشرق کراچی
	(٢) حیات شبلی ١٩٤٣ء
شورش کاشمیری ـ	(١) قید فرنگ
	(٢) عطاء اللہ شاہ بخاری
	(٣) شب جائے کہ من بودم
	(٤) پس دیوار زنداں
شریف الدین پیرزادہ ـ	پاکستان منزل بمنزل ـ ١٩٦٦ء
شبلی نعمانی ـ	مکتوبات شبلی
صلاح الدین احمد ـ	(١) اُردو ادب کے آٹھ سال
	(٢) سر سید کا خواب اور اُس کی تعبیر
ظفر علی خاں ـ مجموعۂ کلام :	(١) بہارستان
	(٢) چمنستان
	(٣) نگارستان
	(٤) حبسیات
	(٥) خیالستان
	(٦) ارمغان قادیان
ظفر الملک ـ	الاشرار لکھنؤ سال طبع ؟ (اغلباً ٢٩ء)
عاشق حسین (ڈاکٹر) بٹالوی ـ	(١) ہماری قومی جد و جہد طبع لاہور
	(٢) اقبال کے آخری دو سال
عنایت اللہ ـ	حریت اخبار ١٩٢٢ء لاہور
عبدالقادر سروری ـ	حیدرآباد دکن کی تعلیمی ترقی ١٩٣٥ء حیدرآباد
عبداللہ بٹ ـ	زمیندار، گولڈن جوبلی نمبر جنوری ١٩٥٣ء میں عبدالحمید مرزا کے مختلف مضامین
عبدالغفار قاضی ـ	حیات اجمل خاں ، علی گڑھ
عبدالحق (ڈاکٹر ـ بابائے اُردو) ـ	(١) مضامین محفوظ علی طبع ١٩٦٩ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) چند ہم‌عصر ۱۹۵۰ء

عبداللہ یوسف علی۔	انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ طبع ۱۹۳۳ء الہ آباد
عبیداللہ (ڈاکٹر۔ پروفیسر)۔	مقالات یوم شبلی (چنیوٹ) اردو مرکز لاہور ۱۹۶۱ء
عبدالماجد دریابادی۔	محمد علی کی ذاتی ڈائری طبع ۱۹۵۶ء علی گڑھ
عشرت رحمانی	ماہ نو کراچی ۱۹۵۷ء
غلام مصطفٰی (ڈاکٹر۔ پروفیسر)۔	حالی کا ذہنی ارتقاء ۱۹۶۶ء لاہور
غلام حسین ذوالفقار (ڈاکٹر و پروفیسر)	ظفر علی خاں بحیثیت شاعر و صحافی ۱۹۶۷ء لاہور
غلام حیدر۔ چودھری۔	ظفر الملت۔ مسودہ غیر مطبوعہ
گمی۔ سلیم خاں۔	کشمیر، ادب و ثقافت ۱۹۶۴ء
قادری۔ حامد حسن۔	داستان تاریخ اردو طبع ۱۹۵۷ء آگرہ
قریشی۔ اشتیاق حسین (ڈاکٹر۔ پروفیسر)۔	ملت اسلامیہ ۱۹۶۷ء
قمر الدین احمد بدایونی۔	محفل عزیز ۱۹۶۲ء حیدرآباد دکن
محمد علی (مولانا)۔	(۱) اخبار کامریڈ دہلی (۲) ہندوستان کی سیاسی الجھنیں (اردو ترجمہ از شاہین) اپریل ۱۹۴۷ء
محمد منیر (جسٹس)۔	تحقیقاتی رپورٹ برائے فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء
محمد طفیل مدیر نقوش مختلف نمبر:	(۱) آپ بیتی نمبر (۲) طنز و مزاح نمبر (۳) خطوط نمبر
محمد امین۔	(۱) رسالہ علی گڑھ، مختصر جائزہ از ۱۸۷۵ء تا ۱۹۴۷ء۔ طبع کراچی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) تذکرہ وقار الملک

(۳) ذکر شبلی ۱۹۵۷ء لاہور

معین احسن جذبی ۔	حالی کا سیاسی شعور ۔ انجمن ترقی اردو ۔ علی گڑھ
مشتاق احمد خاں ۔	حیات فخر طبع لاہور ۱۹۵۶ء
محی الدین بدایونی ۔	طنزیات و مقالات محفوظ علی ۱۹۷۴ء
محمد یامین (سر) ۔	نامۂ اعمال لاہور ۱۹۶۷ء
محمد اکرام (شیخ) ۔	شبلی نامہ طبع بمبئی
محمد اسماعیل پانی پتی ۔	مکتوبات سر سید طبع ۱۹۵۷ء لاہور
محمد جعفر (ایڈووکیٹ) ۔	احمدیہ تحریک ۱۹۵۸ء طبع لاہور
مرکز خلافت کمیٹی ۔	رپورٹ حجاز
ملک لال خاں ۔	منشور انتخابی ۔ اتحاد ملت لاہور ۱۹۳۶ء کوائف و صحائف ۱۸۵۷ء ، طبع ۱۹۵۷ء پاکستان مطبوعات کراچی
ملا واحدی ۔	سوانح عمری خواجہ حسن نظامی ستمبر ۱۹۵۷ء کراچی
مولانا محمد میاں ۔	تحریک شیخ الہند مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۷۵ء
نادم سیتاپوری ۔	ہمارا پاکستان طبع ۱۹۴۶ء بمبئی
نورالرحمٰن ۔	حیات سر سید ۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ
نظیر حسنین زیدی ۔	(۱) انقلاب ایران بیسویں صدی میں ۱۹۶۶ء کراچی (۲) ظفر علی خاں بحیثیت شاعر ۱۹۸۱ء کراچی
نرگس صادق ۔	محمڈن کالج ڈائریکٹری ۔ طبع ۱۹۶۰ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نور احمد ۔ سید ۔	مارشل لاء سے مارشل لاء تک
نور احمد فریدی ۔	(۱) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ہیرو ۔ (۲) اسمٰعیلی تحریک جہاد کا پس منظر ۔ جون ۱۹۵۷ء لاہور
ناصر الدین ناصر ۔	(۱) چٹان لاہور (ظفر علی خان کی علالت) (۲) آردو نامہ کراچی
وحید الدین ۔ فقیر ۔	''انجمن'' طبع لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخبارات

(۱)	پیسہ اخبار	(ذخیرہ پنجاب پبلک لائبریری)
(۲)	انقلاب	لاہور
(۳)	ستارۂ صبح	لاہور
(۴)	زمیندار	لاہور
(۵)	حریت	لاہور ۱۹۲۲ء
(۶)	سیاست	لاہور (بعض پرچے) ایڈیٹر سید حبیب
(۷)	وکیل	امرتسر
(۸)	ہمدرد و کامریڈ	(بعض پرچے)
(۹)	الہلال و ابلاغ	کلکتہ
(۱۰)	احسان روزنامہ	لاہور
(۱۱)	روزنامہ جنگ	کراچی
(۱۲)	حریت روزنامہ	کراچی
(۱۳)	چٹان ۔ ہفتہ وار	لاہور

رسائل

(جو دستیاب ہو سکے)

بعض پرچے	(۱)	ہمایوں ، ماہنامہ	لاہور	
	(۲)	ادبی دنیا	لاہور	مولانا صلاح الدین مرحوم
	(۳)	ادبی دنیا	لاہور	تاجور نجیب آبادی مرحوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) عالمگیر — لاہور
(۵) نیرنگ خیال — لاہور
(۶) دکن ریویو — حیدرآباد دکن
(۷) ماہِ نو — کراچی ۱۹۵۷ع تحریک پاکستان نمبر - کراچی
(۸) محبوب دکن — حیدرآباد ۱۹۰۰ع
(۹) نقوش — لاہور مختلف نمبر
(۱۰) ترجمان القرآن — لاہور مختلف شمارے نیز منصب رسالت نمبر
(۱۱) مجلہ برگ گل — اردو کالج کراچی ۱۹۷۶ع
(۱۲) رسالہ اردو — حیدرآباد دکن - دہلی کراچی از ۱۹۲۱ع تا ۱۹۷۰ع
(۱۳) مجلہ معارف — اعظم گڑھ مختلف پرچے از ۲۲ع تا ۷۰ع
(۱۴) نگار — بھوپال و لکھنو ۱۹۲۵ع تا حال
(۱۵) الحمراء — لاہور ۱۹۵۷ع
(۱۶) العلم — کراچی قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ع
(۱۷) آجکل (ماہنامہ) — دہلی کشمیر نمبر اگست ۱۹۵۵ع
(۱۸) چاند — الہ آباد ۱۹۳۰ع ایڈیٹرز نمبر
(۱۹) مخزن — بعض پرچے
(۲۰) صحیفہ — لاہور

انگریزی کتابیں

1. Pathway to Pakistan *by Khaliquzzaman*, Lahore 1961.
2. Indian Muslims *by Ram Gopal*, Bombay 1958.
3. Sir Amir Ali on Islamic History & Culture *by Dr. Razi Wasti.*
4. Lord Minto *by D. Razi Wasti.*

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5. Influence of Islam on Indian Culture *by Dr. Tara Chand.*
6. Rare Speeches of Qaid Azam 1910—1918 *by Dr. M. Umar.*
7. Making of Pakistan *by K. K. Aziz,* London 1967.
8. Towards Pakistan *by Dr. Wahidud Zaman,* Publisher United Ltd., Lahore.
9. All Parties Conference, August 1928-Lucknow.
10. All Parties National Convention Allahabad (Reports Dec. 22, 1928, *by Sir Chiral.*
11. ,, ,, ,, ,, IV—*by Chad & Co.,* Delhi, 1957.
12. The Emergency of Pakistan London Newyark, 1967 *by M. Ali* Ex-Prime Minister, Pakistan.
13. Important Speeches of J. Nehru, 1922—1945, Lahore, 1946.
14. Struggle for Pakistan, 1965, Karachi.
15. Muslim Leage—Yesterday and Today *by A. B. Rujpoot,* 1948 Lahore.
16. Bahadur Shah II *by Dr. Mehdi Hasan,* Delhi 1958.
17. Pakistan Story *by Jamil Husain Rizvi,* (Justice Retired).

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بادلوں کی طرح برسنے والا — اس نے خدا کا نام لے کر اور علی گڑھ کو خدا حافظ کہہ کر سرسید کی دعاؤں کے ساتھ میدانِ حیات میں قدم رکھا اور رفتہ رفتہ اپنی ہمت سے کبھی شاعری اور صحافت کے افق پر چمکا اور کبھی سیاست کی گھٹاؤں میں گرجا۔ وہ اپنی تاریخ آپ لکھتا چلا گیا۔ اگرچہ یہ کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا کہ وہ جری انسان تاریخ بھی تھا اور تاریخ ساز بھی۔

یہ کتاب اسی اولوالعزم انسان کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کے حالات قابلِ اعتماد ذرائع سے حاصل کرکے انہیں ایک مربوط صورت میں پیش کیا جائے۔ یوں مولانا کی ایک مستند سوانح عمری مرتب ہو گئی ہے۔ مصنف نے ہر اہم نکتے کے بارے میں ممکن حد تک تحقیق سے کام لیا ہے۔ اس سلسلے میں طویل سفر اختیار کیے ہیں اور متعلقہ شخصیات سے ملاقاتیں کی ہے امید ہے یہ کتاب اردو کے سوانحی ادب میں ایک اضافہ ثابت ہوگی اور اسے بیسویں صدی کے نصف اول کی ایک مستند تاریخی دستاویز کی حیثیت بھی حاصل ہوگی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجلس ترقی ادب کی چند نئی کتابیں

۱ - کلیات میر : جلد ششم ، مرتبہ کلب علی خاں فائق ... ۳۵ -

۲ - مقالات حافظ محمود شیرانی : جلد ہشتم ،
مرتبہ مظہر محمود شیرانی ۴۵/-

۳ - مکتوبات سرسید : جلد دوم ، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ۵۰/-

۴ - کلیات سودا : جلد سوم ، مرتبہ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی ۲۰/-

۵ - پدماوت : مرتبہ گوہر نوشاہی ۵۰/-

۶ - آغا حشر کاشمیری ۔ حیات اور کارنامے : از ڈاکٹر شمیم ملک ۵۰/-

۷ - ذکر رسول مثنوی رومی میں :
از ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی ۲۵/-

۸ - تاریخ ادب اردو : جلد اول ، طبع دوم ،
از ڈاکٹر جمیل جالبی ۷۵/-

۹ - تاریخ ادب اردو : جلد دوم ، (حصہ اول و دوم)
از ڈاکٹر جمیل جالبی ۱۲۰/-

۱۰ - حلقۂ ارباب ذوق : از یونس جاوید ۴۵/-

۱۱ - فلسفۂ حسن : از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ۷۰/-

۱۲ - دیوان غالب نسخۂ حمیدیہ : (طبع دوم) ۳۰/-

۱۳ - فیض بیدل : از ڈاکٹر عبدالغنی ۴۰/-

۱۴ - اسلوب : از پروفیسر عابد علی عابد ۲۱/-

۱۵ - نذر حمید احمد خاں : مرتبہ احمد ندیم قاسمی ... ۵۰/-

۱۶ - شذرات فکر اقبال (طبع دوم) ۱۸/-

۱۷ - یادگار داغ : مرتبہ کلب علی خاں فائق ۵۰/-

مجلس ترقی ادب ، کلب روڈ ، لاہور

اظہر سنز پرنٹرز ، لٹن روڈ ، لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ